لاہور ڈویژن تربیتی کلاس نمبر

فی پرچہ ۲ روپے

قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب
جنہوں نے ازراہ شفقت تربیتی کلاس کے انعقاد میں
خاص طور پر دلچسپی لی۔ اور ہر موقع پر رہنمائی
فرمائی۔ نیز خدام کو ایک نہایت روح پرور پیغام
سے بھی نوازا۔

ماہنامہ خالد ربوہ

نومبر ۔ دسمبر ۱۹۶۱ء

ایڈیٹر دوست محمد شاہد

"لاہور ڈویژن کی تربیتی کلاس"

مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کی ۱۹۶۱ء کی تربیتی و تعلیمی جدوجہد کا ایک اہم سنگ میل

ہمارے محبوب صدر مجلس محترم جناب سید داؤد احمد صاحب کا زمانہ صدارت مجلس خدام الاحمدیہ کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا کیونکہ ان کے عہد میں پاکستان کے طول و عرض میں مجالس کی طرف سے متعدد اور مسلسل تربیتی اجتماعات منعقد ہوئے جو خدا کے فضل و کرم سے جماعت میں نئی روح اور نیا ولولہ پیدا کرنے کا موجب بنے بالخصوص لاہور ڈویژن کی تربیتی کلاس جو اپنی گوناگوں خصوصیات و اثرات کے لحاظ سے اس درجہ امتیازی شان کی حامل تھی کہ نگران بورڈ نے اپنے ایک خصوصی اجلاس میں اس کا نمایاں تذکرہ کرتے ہوئے اس پر خوشنودی کا اظہار کیا۔ چنانچہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب صدر نگران بورڈ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"نگران بورڈ نے اتفاق رائے سے اس دلی خواہش کا اظہار کیا کہ گوجرانوالہ میں جو چار ضلعوں کے خدام کا تربیتی اجتماع گذشتہ دنوں میں ہوا ہے وہ خدا کے فضل سے بہت کامیاب رہا ہے اور اس کی وجہ سے اس علاقہ کے نوجوانوں میں نئی روح کی لہر اور کام کا نیا جذبہ پیدا ہوا ہے نگران بورڈ تجویز کرتا ہے کہ اس قسم کے اجتماعات مختلف مرکزوں میں ضرور وقفے وقفے کے ساتھ ہوتے رہنے چاہئیں تاکہ جماعت کی بیداری اور نوجوانوں کی تربیت کا موجب ہوں"۔ (الفضل ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۲)

لاہور ڈویژن کے جوان ہمت قائد محترم جناب شیخ مبارک محمود صاحب نیز ان کے دوسرے رفقاء مثلاً ڈاکٹر اعجاز الحق صاحب، اکرم سید حضرت اللہ پاشا صاحب جناب میاں محمد شریف صاحب قائد خدام الاحمدیہ ضلع گوجرانوالہ جناب محمد یحییٰ صاحب قائد لاہور اور مجلس لاہور کے شیخ محمد احمد صاحب پانی پتی، محمد صدیق صاحب شاکر اور شریف احمد صاحب ٹھیکیدار ہمارے دلی شکریہ اور مبارکباد کے مستحق ہیں کہ جن کی انتھک کوشش اور بے پناہ جذبہ خلوص اور تعاون کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کلاس تربیتی و اصلاحی سرگرمیوں میں ایک اہم سنگ میل ثابت ہوئی بلکہ اس کی کارروائی کا اکثر و بیشتر حصہ علمی اور تصویری دونوں پہلوؤں سے محفوظ ہو گیا جو آئندہ نسلوں کے لئے بھی ہمیشہ ایک روحانی مائدہ کا کام دے گا۔

ہمیں افسوس ہے کہ بعض بلند پایہ مقالے جو اس تقریب پر پڑھے گئے تھے بروقت موصول نہ ہونے کی وجہ سے شامل اشاعت نہیں ہوئے خصوصاً مکرم جناب صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نائب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا روح پرور مقالہ جس نے ایک عجیب وجد کی سی کیفیت طاری کر دی۔ ادارہ خالد کوشش کرے گا کہ اگلی اشاعتوں میں بقیہ مقالوں کو جلد سے جلد قارئین کے سامنے لے آئے۔

اس نمبر کی کتابت و طباعت انتہائی تنگ وقت، نامساعد حالات اور مشکلات کے ہجوم میں ہوئی ہے۔ لہذا اس میں کئی مقام یا فروگذاشتیں رہ گئی ہوں گی جن کے لئے ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس خاص نمبر کو نوجوانان احمدیت کے لئے ہی نہیں تمام افراد جماعت بلکہ بنی نوع انسان کے لئے موجب برکت بنائے۔ اس کے پڑھنے والوں کو قوت عمل عطا فرمائے اور اس کی اشاعت میں مدد دینے والوں کو اپنی جناب سے جزاء خیر بخشے۔ آمین۔

(ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہٖ المسیح الموعود

رپورٹ

تیسری سالانہ

تربیتی کلاس ۱۹۶۱ء

مجالس خدام الاحمدیہ لاہور ڈویژن

(شیخ مبارک محمود صاحب پانی پتی۔ قائد علاقائی)

مجالس خدام الاحمدیہ لاہور ڈویژن کی تیسری سالانہ تربیتی کلاس مسجد احمدیہ گوجرانوالہ میں مورخہ ۲۳ جولائی ۱۹۶۱ء سے شروع ہو کر ۳۰ جولائی ۱۹۶۱ء کو اختتام پذیر ہوئی۔ اس کے انتظامات اور روئداد کا مختصر سا خاکہ ذیل میں درج ہے۔

انتظامات (سب کمیٹیاں)

اس کلاس کے انعقاد کا فیصلہ مئی ۱۹۶۱ء میں سیالکوٹ میں منعقدہ قائدین اضلاع کے ایک اجلاس میں کیا گیا۔ بعد میں انتظامی امور کو چلانے کے لئے ایک سب کمیٹی کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ جس کے اراکین حسب ذیل نامزد کئے گئے۔

۱۔ قائد ضلع گوجرانوالہ میاں محمد شریف صاحب۔ ۲۔ قائد ضلع لاہور سید حضرت اللہ پاشا صاحب۔ ۳۔ قائد ضلع شیخوپورہ چوہدری محمد شفیع صاحب ۴۔ قائد ضلع سیالکوٹ خواجہ حمید اسلم صاحب ایڈووکیٹ۔ ۵۔ قائد لاہور شہر میاں محمد یحییٰ صاحب۔ ۶۔ ناظم تعلیم لاہور شہر شیخ محمد احمد صاحب پانی پتی۔ ۷۔ معتمد ضلع گوجرانوالہ اعجاز احمد صاحب دہلوی۔ قائد ضلع گوجرانوالہ میاں محمد شریف صاحب کو اس سب کمیٹی کا صدر نامزد کیا گیا۔

اس سب کمیٹی کے ماتحت تربیتی پروگرام اور ورزشی مقابلہ جات کے انتظامات کے لئے دو اور سب کمیٹیاں نامزد کی گئیں جن کے اراکین کے نام حسب ذیل ہیں:۔

تربیتی سب کمیٹی:۔

۱۔ چوہدری محمد اشرف صاحب ممتاز مربی سلسلہ ضلع گوجرانوالہ۔ ۲۔ سلطان احمد صاحب مجاہد۔ ۳۔ مولوی عبد السلام صاحب۔ ۴۔ مولوی احمد علی صاحب۔ ۵۔ مولوی غلام رسول صاحب (معلمین وقف جدید)۔ اس سب کمیٹی کے انچارج چوہدری محمد اشرف صاحب ممتاز مقرر کئے گئے۔

سب کمیٹی ورزشی مقابلہ جات:۔

۱۔ خواجہ مبارک احمد صاحب نائب قائد مجلس گوجرانوالہ۔ ۲۔ عبد الحمید صاحب قریشی معتمد مجلس گوجرانوالہ۔ ۳۔ میاں عبد الحفیظ صاحب ناظم صحت جسمانی مجلس گوجرانوالہ۔

نصاب :-

اس کلاس کے لئے حسبِ ذیل نصاب مقرر کیا گیا :-

۱۔ تجوید القرآن ۔ ۲۔ قرآن کریم (آخری پارہ نصف آخر) با ترجمہ و تفسیر ۔ ۳۔ نماز با ترجمہ ۔ ۴۔ تاریخ اسلام دور اول و حدیث ۔ ۵۔ تاریخ احمدیت و پیغام احمدیت ۔ ۶۔ اسلامی اصول کی فلاسفی ۔

معلمین :-

اس نصاب کو پڑھانے اور خدام کو تربیت دینے کے لئے مندرجہ ذیل علماء کرام کی خدمت میں درخواست کی گئی ۔ جنہوں نے از راہ کرم اس کو منظور فرما لیا اور گوجرانوالہ تشریف لاکر آٹھ روز تک خدام کو تربیت دی

۱۔ مکرم حافظ محمد رمضان صاحب ۔ ۲۔ مکرم مولانا محمد احمد صاحب جلیل فاضل ۔ ۳۔ مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد فاضل ۔ ۴۔ مکرم مولانا سعید احمد صاحب اظہر شاہد مربی ضلع شیخوپورہ ۔۔۔ مکرم مولوی دوست محمد صاحب شاہد پہلے دو روز تشریف نہ لا سکے تھے ان کی جگہ اس عرصہ میں مکرم مولوی محمد حسین صاحب نائب امیر گوجرانوالہ نے خدام کو تاریخ احمدیت کا درس دیا ۔۔۔ کلاس کے پروگراموں کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا ۔

۱۔ صبح پونے آٹھ بجے سے نماز ظہر تک :- درس و تدریس ۔ ۲۔ نماز ظہر سے نماز عصر تک :- سیمینار

۳۔ نماز عصر سے نماز مغرب تک :- ورزشی مقابلے ، کھیلیں ۔ ۴۔ نماز مغرب سے نماز عشاء تک :- تربیتی تقاریر

ان چاروں حصوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے :-

۱۔ درس و تدریس :-

۱۔ تجوید القرآن :- معلم حافظ محمد رمضان صاحب

۲۔ قرآن کریم (آخری پارہ نصف آخر) با ترجمہ و تفسیر : " : مولانا قمر الدین صاحب فاضل

۳۔ نماز مترجم : " : " " " "

۴۔ تاریخ اسلام دور اول و حدیث : معلم : مولانا محمد احمد صاحب جلیل

۵۔ تاریخ احمدیت و پیغام احمدیت : " : مولانا دوست محمد صاحب شاہد

۶۔ اسلامی اصول کی فلاسفی : " : مولانا سعید صاحب اظہر شاہد

۲۔ سیمینار :-

اس تربیتی کلاس میں "سیمینار" ایک نئے انداز کی چیز تھی ۔ پروگرام یہ بنایا گیا تھا کہ تربیتی امور کے علاوہ ہر روز نماز ظہر کے بعد کسی ایک علمی موضوع پر پہلے سے مقرر کردہ خدام مقالہ پڑھیں گے ۔ اور پھر اس پر عام سوالات ہوا کریں گے اور آخر میں صاحب صدر اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں گے ۔ یہ طریق بے حد دلچسپ اور مفید ثابت ہوا ہے اور خدام نے اس حصہ پروگرام میں خاص طور پر دلچسپی لی ہے ۔ اس کی تفصیل آئندہ درج کی جا رہی ہے

۳۔ کھیلیں و ورزشی مقابلہ جات :-

مندرجہ ذیل کھیلیں اور ورزشی مقابلہ جات اس کلاس کے دوران کرائے گئے :-

۱۔ کبڈی ۔ ۲۔ بیڈ منٹن ۔ ۳۔ کلائی پکڑنا ۔ ۴۔ سو گز دوڑ ۔ ۵۔ گولہ پھینکنا ۔ ۶۔ پکنک

ان میں اول دوم آنے والوں کو انعامات بھی دیئے گئے ۔

۴۔ تربیتی تقاریر :-

روزانہ مغرب کی نماز کے بعد کسی ایک تربیتی موضوع پر علمائے سلسلہ کی تقاریر کروائی گئیں ۔۔۔ یہ طریق بھی عام دلچسپی کا موجب تھا اور اس میں خدام کے علاوہ انصار اور لجنات نے بھی کثیر تعداد میں شرکت کی ۔

ان تقاریر کی تفصیل بھی آئندہ درج کی جا رہی ہے ۔

روئداد

افتتاح - اتوار - ۲۳ جولائی ۱۹۶۱ء

اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ مورخہ ۲۳ جولائی ۱۹۶۱ء اتوار کے روز صبح نو بجے مسجد احمدیہ باغبان پورہ گوجرانوالہ میں اس تربیتی کلاس کا افتتاح کر دیا گیا۔

مکرم میر محمد بخش صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت ہائے احمدیہ ضلع گوجرانوالہ نے دعا کے ساتھ کلاس کا افتتاح کرتے ہوئے ایک بہت نصیحت آمیز تقریر فرمائی جس میں خدام الاحمدیہ کے اغراض و مقاصد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ارشادات و اقتباسات کی روشنی میں بیان فرمائے۔

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ کی طرف سے محترم شیخ مبارک احمد صاحب معتمد مجلس مرکزیہ نے نمائندگی فرمائی اور بڑی پر اثر تقریر فرمائی۔

بعد ازاں قائد صاحب ضلع گوجرانوالہ میاں محمد شریف صاحب نے بڑے اچھے پیرایہ میں آنے والے مہمانوں اور طلباء تربیتی کلاس کو "خوش آمدید" کہا۔

اس کے بعد خواجہ مبارک احمد صاحب نائب قائد مجلس گوجرانوالہ نے اس کلاس کے موقعہ پر آمدہ پیغامات پڑھ کر سنائے۔ آخر میں کلاس کے پروگرام کا تفصیلی خاکہ پیش کیا گیا۔ اس اجلاس میں تین صد کے قریب خدام و انصار موجود تھے۔

اس اجلاس کے اختتام پر درس و تدریس کا پروگرام شروع کر دیا گیا۔ جو بارہ بجے تک جاری رہا۔

ظہر کی نماز کے بعد حسب پروگرام "سیمینار" منعقد ہوا۔ اس میں مکرم شیخ محمد احمد صاحب پانی پتی نمائندہ لاہور شہر نے "ذات باری کا عرفان اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام" کے موضوع پر ایک بہت عمدہ مقالہ پڑھا۔ اس اجلاس کی صدارت محترم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب نے فرمائی۔ مقالہ پڑھا جانے کے بعد خدام نے سوالات کئے۔ جن کے جوابات فاضل مقالہ نویس نے دیئے۔ بعد ازاں صاحب صدر نے اسی موضوع پر اپنے قیمتی خیالات کا اظہار کیا۔ اس اجلاس میں حاضری تین صد افراد کے قریب تھی۔

مغرب کی نماز کے بعد محترم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب نے بڑے ہی دلنشیں انداز میں ایک عالمانہ تقریر فرمائی۔ آپ کی تقریر کا عنوان تھا: "اطمینان قلب صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی حاصل ہو سکتا ہے"۔ اس اجلاس کی صدارت مکرم سید حضرت اللہ پاشا صاحب ایم اے نے فرمائی۔ اجلاس میں حاضری تقریباً ۵۰۰ افراد پر مشتمل تھی۔

پیر: ۲۴ جولائی ۱۹۶۱ء

دوسرے روز یعنی ۲۴ کو صبح پونے آٹھ بجے سے بارہ بجے تک درس و تدریس کا پروگرام جاری رہا۔ نماز ظہر کے بعد "سیمینار" منعقد ہوا۔ جس میں "حقیقت نبوت" کے موضوع پر نصیر احمد صاحب ناصر مربی سلسلہ ضلع سیالکوٹ نے مقالہ پڑھا اور محترم قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری نے صدارت فرمائی۔ اس اجلاس میں حاضری ۲۰۰ افراد کے قریب تھی۔ "سیمینار" کے بعد گوجرانوالہ سے تین میل دور ایک نہر کے کنارے پکنک کی گئی تمام خدام وہاں گئے۔ اس جگہ کبڈی اور دوڑوں کے مقابلے ہوئے۔

منگل - ۲۵ جولائی ۱۹۶۱ء

اس روز درس و تدریس کے پروگرام کے علاوہ "سیمینار" میں "تعلق باللہ" کے موضوع پر حمید قریشی صاحب نمائندہ گوجرانوالہ شہر نے مقالہ پڑھا اور مکرم قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری نے اجلاس کی صدارت فرمائی۔ مقالہ پڑھا جانے کے بعد خدام نے مختلف سوالات کئے۔ اس موضوع پر خاص طور سے دلچسپی کا اظہار کیا گیا اور خدام نے جتنے سوال اس بارہ میں کئے، اور کسی موضوع پر اتنے سوالات نہیں ہوئے۔ اجلاس میں حاضری ۴۰۰ افراد کے قریب تھی۔

رات کو مغرب کی نماز کے بعد مکرم قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری نے "شان قرآن" کے موضوع پر ایک عالمانہ تقریر فرمائی۔ اس اجلاس کی صدارت مکرم مولانا محمد احمد صاحب جلیل نے فرمائی۔ اور قریباً پانچ صد افراد نے اس میں شرکت کی۔

بدھ ۲۶ جولائی ۱۹۶۱ء

اس روز "سیمینار" کا عنوان تھا "اسلامی عبادت فقہی نقطۂ نظر سے"۔ اس موضوع پر مکرم محمد ایاز صاحب سانگلہ ہل نمائندہ ضلع شیخوپورہ نے مقالہ پڑھا اور مکرم مولانا قمر الدین صاحب فاضل نے صدارت فرمائی۔ ۳۰۰ کے قریب حاضری تھی۔

اس روز تربیتی اجلاس میں پروگرام کے مطابق مکرم و محترم شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لائل پور کی تقریر تھی۔ آپ کی تقریر کا

کا عنوان "عباد الرحمٰن اور مومن کے اوصاف قرآن کی روشنی میں" تھا۔ لیکن انہوں نے پہلے معذرت کر دی۔ ان کو دوبارہ شرکت کے لئے لکھا گیا۔ لیکن پھر بھی ان کی معذرت آگئی ــــ ان کی بجائے مکرم محمود احمد صاحب قریشی ایڈووکیٹ لاہور سے درخواست کی گئی جس کو انہوں نے قبول فرمالیا۔ چنانچہ اس روز اسی موضوع پر مکرم قریشی صاحب نے تقریر فرمائی۔ اور مکرم خواجہ محمد شریف صاحب پروپرائٹر بنگال ٹیکسٹائل ملز لاہور نے صدارت فرمائی۔ اس اجلاس میں پانچصد کے قریب افراد شامل ہوئے

جمعرات ۲۷ جولائی ۱۹۶۱ء

مورخہ ۲۷/۷/۶۱ کی دوپہر کو ایک بجے کے قریب محترم مرزا عبدالحق صاحب صوبائی امیر گوجرانوالہ تشریف لائے۔ پروگرام یہ بنایا گیا تھا کہ مرزا صاحب موصوف بعد نماز ظہر "سیمینار" کی صدارت کریں اور شام کو پانچ بجے تربیتی تقریر فرمائیں گے۔ اور مغرب کی نماز کے بعد مکرم چوہدری محمد انور حسین صاحب کی تقریر تھی۔ لیکن شام کے پانچ بجے کے لئے لاؤڈ سپیکر کی اجازت نہ مل سکی۔ اس لئے سابقہ پروگرام کی بجائے مرزا صاحب کی تقریر بھی نماز مغرب کے بعد ہی ہوئی۔ اب نئے پروگرام کے تحت مرزا صاحب محترم نے پہلے ظہر کی نماز کے بعد "سیمینار" کی صدارت فرمائی جس میں "خصوصیات نظام خلافت" کے موضوع پر مکرم سید حضرت اللہ پاشا صاحب ایم۔اے نے مقالہ پڑھا۔

رات کو مغرب کی نماز کے بعد مکرم چوہدری محمد انور حسین صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ ضلع شیخوپورہ نے "خدمت دین کو اک فضل الٰہی جانو" کے موضوع پر بڑی پر اثر تقریر فرمائی اور ان کے بعد مکرم مرزا عبدالحق صاحب صوبائی امیر جماعت ہائے احمدیہ سابق پنجاب و بہاولپور نے "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات بنی آدم پر" کے موضوع پر خدام سے خطاب فرمایا ــــ اس اجلاس کی صدارت مکرم چوہدری بشیر احمد صاحب گوجرانوالہ نے فرمائی۔ چھ صد کے قریب افراد اس میں شامل ہوئے۔

جمعہ ۲۸ جولائی ۱۹۶۱ء

جمعہ کے روز صبح گیارہ بجے صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب گوجرانوالہ تشریف لائے۔ آپ نے پروگرام کے مطابق یہاں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس میں خدام کو نہایت قیمتی نصائح کیں۔ خطبہ جمعہ کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی تقریر "درمنثور" کا ریکارڈ سنایا گیا۔ جس کو سات سو کے قریب احباب جماعت نے بڑی دلچسپی سے سنا۔

نماز عصر کے بعد لجنہ اماء اللہ گوجرانوالہ شہر کی طرف سے تربیتی کلاس کے طلبا اور معزز مہمانوں کو ایک عصرانہ دیا گیا۔ اس میں لجنہ کی طرف سے میاں صاحب محترم کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ جس کا انہوں نے نہایت عمدگی سے جواب دیا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس کلاس کے انعقاد میں گوجرانوالہ شہر کی لجنہ نے خاص دلچسپی لی ہے اور خدام کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کیا ہے۔ پندرہ لجنات نے باقاعدہ طور پر کلاس میں شمولیت کی اور اس کے ہر لیکچر میں شریک رہیں۔

اسی روز یعنی ۲۸/۷/۶۱ کی رات کو مغرب کی نماز کے بعد صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نے "تسخیر القلوب" کے موضوع پر نہایت دلنشیں پیرایہ میں ایک بہت عمدہ تقریر فرمائی ــ اس اجلاس کی صدارت مکرم چوہدری محمد انور حسین صاحب امیر جماعت شیخوپورہ نے فرمائی۔ اجلاس کے بعد مکرم میر محمد بخش صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ ضلع گوجرانوالہ نے دعا کرائی ــــ اس دعا کی کیفیت الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔ قریباً آدھ گھنٹہ تک نالہ و بکا اور گریہ وزاری کے ساتھ سات سو کے قریب مرد اور تین صد کے قریب عورتیں اپنے مولائے حقیقی کے حضور چیخیں مار مار کر روتے ہوئے دعا میں مصروف رہے۔ یہ دعا کچھ ایسا اثر لئے ہوئے تھی کہ ارد گرد کے غیر از جماعت دوست نے بھی رونے اور چلانے کی آوازیں سن کر مسجد کے باہر سڑک پر جمع ہو گئے اور بڑی حیرت سے خدائے واحد کے پرستاروں کو اپنے آقا کے دربار میں حاضر ہوتا دیکھتے رہے ــــ یہ سارا دن ہی کچھ ایسی روحانی فضا سے بھرپور تھا جس کا احاطہ لفظوں میں بیان کرنا ناممکن ہے جو لوگ اس روز کے سارے پروگرام میں شریک رہے، وہی اس کا صحیح لطف اٹھا سکتے ہیں۔

ہفتہ ۔ ۲۹ جولائی ۶۱ء

حسب سابق درس و تدریس کے بعد ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر "سیمینار" منعقد ہوا۔ جس میں مکرم خواجہ مبارک احمد صاحب پلیڈر نمائندہ گوجرانوالہ شہر نے "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظر میں" کے موضوع پر مقالہ پڑھا اور مکرم مولوی دوست محمد صاحب شاہد فاضل نے صدارت فرمائی ــــ اس اجلاس میں حاضری قریباً چار صد افراد پر مشتمل تھی۔

پروگرام کے مطابق اس روز مغرب کی نماز کے بعد محترم سید محمود احمد صاحب ناصر کی تقریر تھی۔ جس کا عنوان "حضرت مسیح موعود علیہ السلام، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں" تھا۔ آپ نخلہ سے گوجرانوالہ آنے کے لئے روانہ ہوئے۔ لیکن راستہ میں شدید علالت کے باعث آپ کو راستہ میں ربوہ رکنا پڑا۔ مجبوراً ایک خاص آدمی کے ہاتھ کلاس میں شمولیت نہ کر سکنے کی معذرت اور اپنی لکھی ہوئی تقریر ارسال فرما دی جس کو اس اجلاس میں مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد نے بڑی خوش اسلوبی سے پڑھ کر سنایا۔ اس اجلاس کی صدارت مکرم میر محمد بخش صاحب نے فرمائی۔ اس میں چھ صد کے قریب احباب موجود تھے۔

اتوار۔ ۳۰ جولائی ۱۹۶۱ء

آج اس کلاس کا اختتام تھا اور اختتامی تقریب کی صدارت محترم سید داؤد احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے قبول فرمائی تھی۔ ایک روز قبل آپ کو لینے کے لئے قائد ضلع سیالکوٹ مکرم خواجہ حمید اسلم صاحب ایڈووکیٹ کو ربوہ بھجوا دیا گیا تھا۔ جہاں سے انہوں نے آپ کی معیت میں گوجرانوالہ تک آنا تھا۔ صدر محترم اتوار کے روز صبح ۷ بجے کے قریب ربوہ سے بذریعہ کار روانہ ہوئے۔ اِدھر گوجرانوالہ سے قریباً چھ میل آگے حافظ آباد روڈ پر ایک وفد نے آپ کا استقبال کیا اس پارٹی میں قائد علاقائی۔ قائدین اضلاع گوجرانوالہ لاہور۔ قائد صاحب لائل پور شہر اور نمائندہ الفضل مسعود احمد خاں صاحب دہلوی شامل تھے۔ صدر محترم ۹ بجے کے قریب وہاں پہنچے۔ آپ نے اپنی کار روک کر سب سے مصافحہ کیا اور پھر یہ قافلہ گوجرانوالہ کی طرف روانہ ہوا۔ گوجرانوالہ میں مسجد احمدیہ کے باہر سب سے پہلے معتمد ضلع گوجرانوالہ اعجاز احمد صاحب دہلوی اور نائب قائد گوجرانوالہ شہر خواجہ مبارک احمد صاحب پلیڈر نے آپ کو خوش آمدید کہا اور آپ کے گلے میں ہار ڈالے۔ اس کے بعد لاہور ڈویژن کی ۲۷ مجالس کے قائدین یا نمائندگان نے جو اس کلاس میں شامل ہوتے تھے یک زبان ہو کر اھلاً و سھلاً و مرحبا کہا۔ صدر محترم ان سب سے مصافحہ کرتے ہوئے اس پنڈال کی طرف چلے جہاں تمام خدام اور طلباء تربیتی کلاس آپ کے انتظار میں چشم براہ تھے۔ یہ سب حضرات مسجد کے ملحقہ میدان میں ایک شامیانے کے نیچے ترتیب سے مجلس وار کھڑے تھے۔ جب آپ ان کے قریب پہنچے تو بزرگان اضلاع گوجرانوالہ شیخوپورہ مکرم مولوی محمد اشرف صاحب ممتاز اور مکرم قریشی سعید احمد صاحب اظہر نے آگے بڑھ کر آپ کے گلے میں ہار ڈالے اور مصافحہ کیا ساتھ ہی تمام خدام نے بلند آواز سے تین مرتبہ اہلاً و سہلاً و مرحبا کہا۔ صدر محترم نے یکے بعد دیگرے سب سے مصافحہ کیا۔ اس موقعہ پر ہر خادم نے اپنا تعارف خود کرایا۔ یہاں سے فارغ ہو کر آپ میاں محمد شریف صاحب قائد ضلع گوجرانوالہ کے مکان کی طرف چلے۔ جہاں آپ کے لئے عارضی قیام کا بندوبست کیا گیا تھا۔ اس جگہ آپ کا استقبال کلاس کے معزز اساتذہ کرام اور مقامی جماعت کے بزرگان نے کیا۔ ان کی معیت میں آپ اپنی عارضی قیام گاہ میں تشریف لے گئے۔

جلسہ تقسیم اسناد

ساڑھے دس بجے جلسہ تقسیم اسناد کی کارروائی صدر محترم سید داؤد احمد صاحب کی صدارت میں شروع ہوئی۔ تلاوت و نظم کے بعد مجلس لاہور ڈویژن کی تین ماہ کی کارگزاری کی رپورٹ پڑھ کر سنائی گئی اور قائد علاقائی نے اعلان کیا کہ گذشتہ تین ماہ میں کارگذاری کے لحاظ سے ضلع گوجرانوالہ کی مجلس اول آئی ہے۔ اس کے بعد صدر صاحب سب کمیٹی انتظامات تربیتی کلاس نے اپنے انتظامات کی تفصیل بیان کی۔ بعد ازاں صدر محترم نے خدام میں انعامات تقسیم فرمائے اور کلاس میں شامل ہونے والے ۵۱ خدام کی اسناد متعلقہ قائدین اضلاع کو عطا فرمائیں۔ اس کلاس میں خدام کے علاوہ گوجرانوالہ کی لجنات نے بھی باقاعدہ شرکت کی تھی۔ صدر محترم نے ان کی اسناد ان کے مقرر کردہ نمائندہ بابو بشیر احمد صاحب چغتائی کو مرحمت فرمائیں۔ تقسیم اسناد کے بعد آپ نے خدام سے ایک پر اثر خطاب فرماتے ہوئے گوجرانوالہ کی اس کلاس کے انعقاد پر خوشنودی کا اظہار کیا۔ اور فرمایا کہ خدام الاحمدیہ کی تاریخ میں آج تک ایسی کامیاب تربیتی کلاس نہیں ہوئی اور توقع ظاہر فرمائی کہ دوسرے علاقوں والے آئندہ اس سے بھی بڑھ کر کامیاب کلاسیں جاری کرنے کی کوشش کریں گے ساتھ ہی آپ نے خدام کو نہایت قابل قدر نصائح فرمائیں۔ اور ضلع وار کارگزاری کی تفصیل اعداد و شمار کے ساتھ بتلا کر قائدین اضلاع کو خصوصاً اور خدام کو عموماً توجہ دلائی کہ وہ اپنی مساعی کو تیز تر کر دیں اور مرکزی مطالبات کو پورا کرنے کے لئے اپنی انتہائی جدوجہد کا آغاز کر دیں۔ آپ نے مجلس مرکزیہ کی طرف سے ان علماء کرام اور مقامی جماعت کے بزرگوں کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے اس کلاس کو کامیاب کرنے میں خدام کا ہاتھ بٹایا تھا۔ آپ کے روح پرور خطاب کے بعد مکرم حمید قریشی صاحب معتمد مجلس گوجرانوالہ نے میزبان مجلس کے نمائندے کی حیثیت سے صدر محترم اساتذہ کرام اور طلباء تربیتی کلاس کا شکریہ ادا کیا اور آخر میں دعا کے بعد یہ پروقار تقریب بخیر و خوبی انجام پذیر ہوئی۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ ہفتہ کی رات سے ہی موسم خراب تھا اور بارش ہو رہی تھی۔ اتوار کے روز یعنی اختتام والے دن صبح کو کچھ دیر کے لئے بارش رکی لیکن خدام سطرح

اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہے گویا کسی کو احساس ہی نہیں کہ بارش ہو رہی ہے اور اسی طرح بڑے ہی پرسکون اور سنجیدہ ماحول میں شروع سے آخر تک جلسہ کی کارروائی جاری رہی۔

بارہ بجے دوپہر صدر محترم معزز مہمانوں اور طلباء تربیتی کلاس کے اعزاز میں مجلس خدام الاحمدیہ گوجرانوالہ شہر نے ایک ظہرانہ دیا۔ اس سے فارغ ہو کر ایک بجے کے قریب صدر محترم لاہور کے لئے روانہ ہو گئے۔ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد معلمین کرام اور خدام بھی اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے اور یوں ہماری یہ تربیتی کلاس انتہائی کامیابی کے ساتھ ممکنہ ہو کر اختتام پذیر ہوئی۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

اختتامیہ

اس تربیتی کلاس کے انعقاد و انتظامات کے ضمن میں یوں تو سارے ڈویژن کے خدام نے تعاون کا اعلیٰ نمونہ دکھایا ہے۔ لیکن گوجرانوالہ شہر کے خدام نے جس انہماک اور تندہی سے اس کے انتظامات میں حصہ لیا وہ قابل صد ستائش ہے۔ ان کے قائد میاں محمد شریف صاحب اپنے رفقائے کار کے ساتھ دن رات والہانہ شوق اور دلچسپی کے ساتھ انتظامات میں مصروف رہے۔ صرف خدام ہی نہیں لجنات اور انصار نے بھی جس حد تک ان سے ہو سکا تعاون فرمایا۔

قائد لاہور شہر میاں محمد یحییٰ صاحب نے اپنے رفقائے کار سمیت اس کلاس کے انعقاد میں ذاتی دلچسپی لی۔ انہوں نے اپنی مجلس کے ۷۵ خدام کلاس میں باقاعدہ شمولیت کیلئے بھجوائے۔ اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً خدام و انصار بڑی تعداد میں لاہور سے گوجرانوالہ جا کر سیمینار اور تربیتی تقاریر کے پروگراموں میں حصہ لیتے رہے۔ آخری روز ایک سپیشل بس کا انتظام کیا گیا تھا جس میں خدام کی ایک کثیر تعداد اختتامی اجلاس میں شرکت کے لئے آئی۔ یہ بس مکرم چوہدری فتح محمد صاحب ہریکے ٹرانسپورٹ کمپنی والوں نے خاص تربیتی کلاس میں شمولیت کرنے والے خدام کے لئے بھجوائی تھی۔

امیر جماعتہائے احمدیہ ضلع شیخوپورہ مکرم چوہدری محمد انور حسین صاحب نے ہماری اس کلاس کے سلسلہ میں خدام کی جس قدر حوصلہ افزائی کی وہ ان ہی کا حصہ ہے آپ نے خاص طور پر اپنے ضلع کے عہدیداران کا ایک اجلاس بلایا اور ان کو تلقین کی کہ وہ اپنی اپنی جگہ جا کر خدام کو اس کلاس میں شمولیت کے لئے تیار کریں۔ اس کے علاوہ انہوں نے قائد ضلع شیخوپورہ چوہدری محمد شفیع صاحب اور مربی سلسلہ قریشی سعید احمد صاحب اظہر کو تمام ضلع کے دورہ پہ بھجوایا تا وہ جا کر خدام کو کلاس میں شمولیت کی ترغیب دیں۔ ان دونوں حضرات نے بھی اپنی ہمت سے بڑھ کر ایک طوفانی دورہ کیا اور بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔

معلمین کرام خاص طور پر شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے آٹھ روز تک متواتر گوجرانوالہ میں قیام فرما کر خدام کو تربیت دی اور ہمارے درس و تدریس کے پروگراموں کو کامیاب بنایا۔ اسی طرح مقررین حضرات اور سیمینار میں مقالے پڑھنے والے خدام نے بھی بڑی محنت اور خوبی سے نہایت اعلیٰ معیار کی تقاریر اور مقالے تیار فرمائے۔

خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے جس رنگ میں ہماری امداد و رہنمائی فرمائی اس کے لئے ہمارے قلوب تشکر و امتنان کے جذبات سے لبریز ہیں۔ خدام الاحمدیہ کی تاریخ میں اب تک صدر مجلس کسی تربیتی کلاس میں تشریف نہیں لے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں یہ فخر حاصل ہے کہ پہلی مرتبہ ہمارے واجب الاحترام صدر محترم سید داؤد احمد صاحب اس تربیتی کلاس میں بنفس نفیس تشریف لائے اور جلسہ تقسیم اسناد و انعامات کی صدارت فرمائی۔ آپ کے علاوہ نائب صدر محترم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نے ہماری درخواست قبول فرما کر کلاس کے متعدد پروگراموں میں شرکت فرمائی۔ علاوہ ازیں معتمد مرکزیہ محترم شیخ مبارک احمد صاحب نے مرکزی نمائندے کی حیثیت سے کلاس کے افتتاحی اجلاس میں خدام سے خطاب فرمایا۔ اسی طرح محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد مہتمم اشاعت نے متواتر چھ روز تک یہاں مقیم رہ کر ہماری رہنمائی فرمائی۔ نیز مکرم سید جلال علی صاحب مہتمم تعلیم بھی آخری اجلاس میں شمولیت کے لئے ربوہ سے تشریف لائے۔

یہ امر ہمارے لئے انتہائی خوش نصیبی کا باعث ہے کہ ہمیں ہر مرحلہ پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی کی ہدایت و رہنمائی حاصل رہی ہے اور آپ ہی کی توجہ اور دعا کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ کلاس اس قدر کامیاب ثابت ہوئی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کلاس کے ثمرات حسنہ سے نوازے اور ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ آئندہ ہم اس سے بھی زیادہ کامیاب کلاسیں منعقد کر سکیں۔ آمین ثم آمین۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مجالسِ خدّام الاحمدیہ لاہور ڈویژن

کی

تیسری سالانہ

تربیتی کلاس

تصویروں میں

تفصیل پروگرام

خوش آمدید

پیغامات

مبارک محمود صاحب پانی پتی
قائد علاقائی

میاں محمد شریف صاحب قائد ضلع گوجرانوالہ
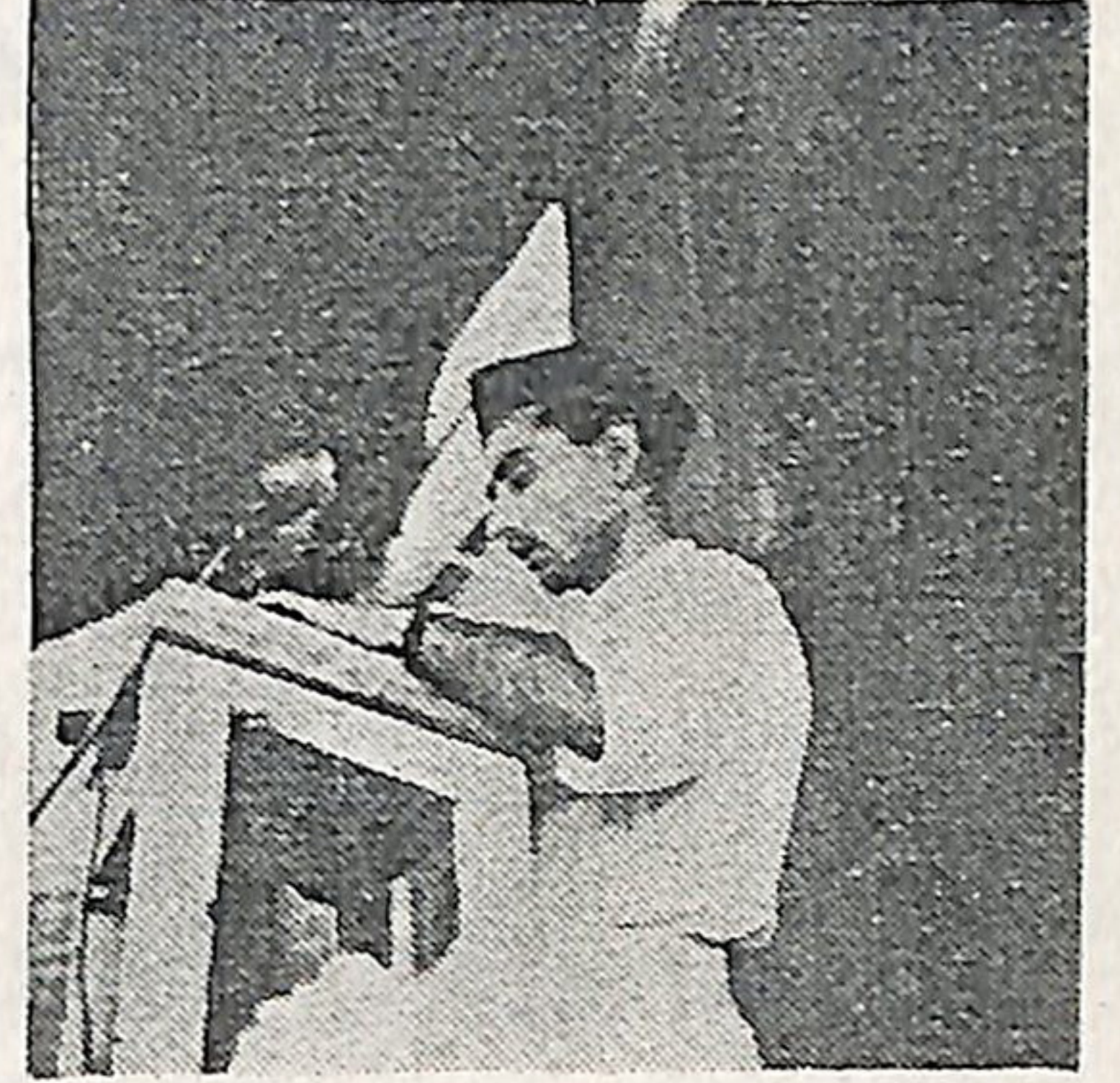
خواجہ مبارک احمد صاحب
نائب قائد۔ گوجرانوالہ

سیمینار
باری تعالیٰ کا عرفان
اور
حضرت مسیح موعود علیہ السلام
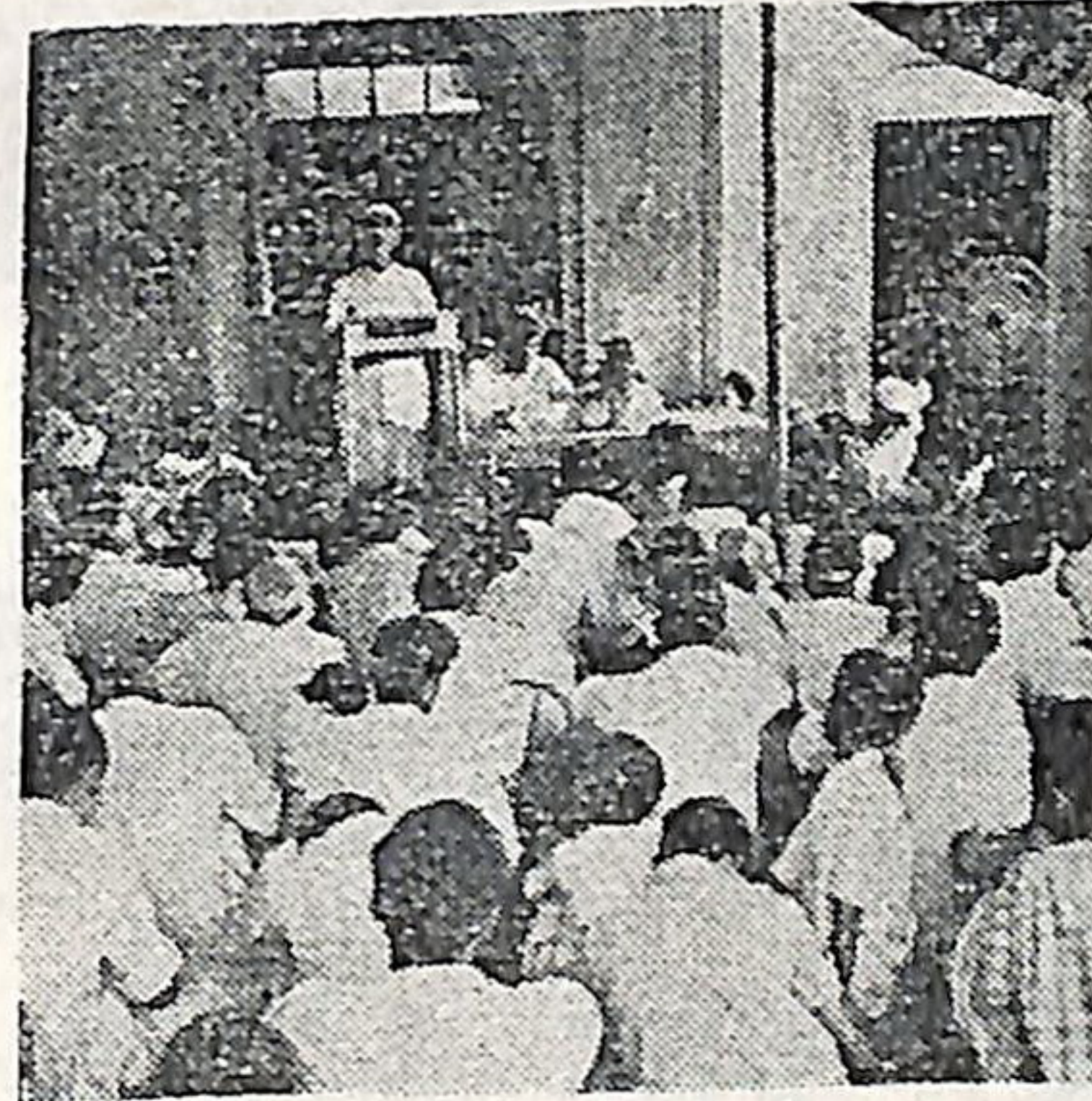
مشق تقاریر ←
اطمینان قلب صرف
اللہ تعالیٰ کے ذکر سے
ہی حاصل ہو سکتا ہے!

شیخ محمد احمد صاحب پانی پتی
نمائندہ لاہور شہر

صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب

امیر جماعتہائے احمدیہ ضلع گوجرانوالہ میر محمد بخش صاحب
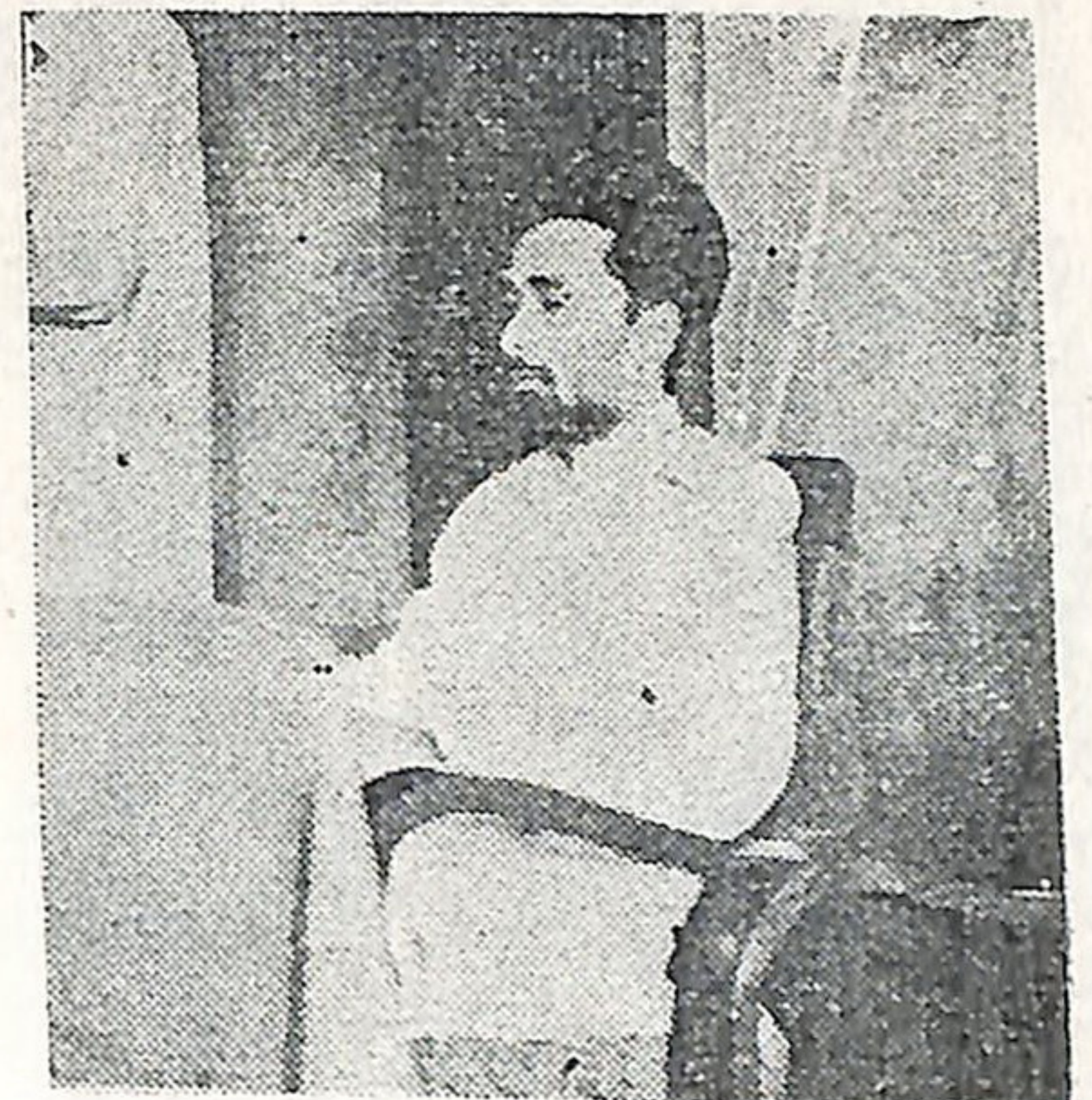
افتتاحی تقریر فرما رہے ہیں!

اِفتتاحی تقریب

دُعا
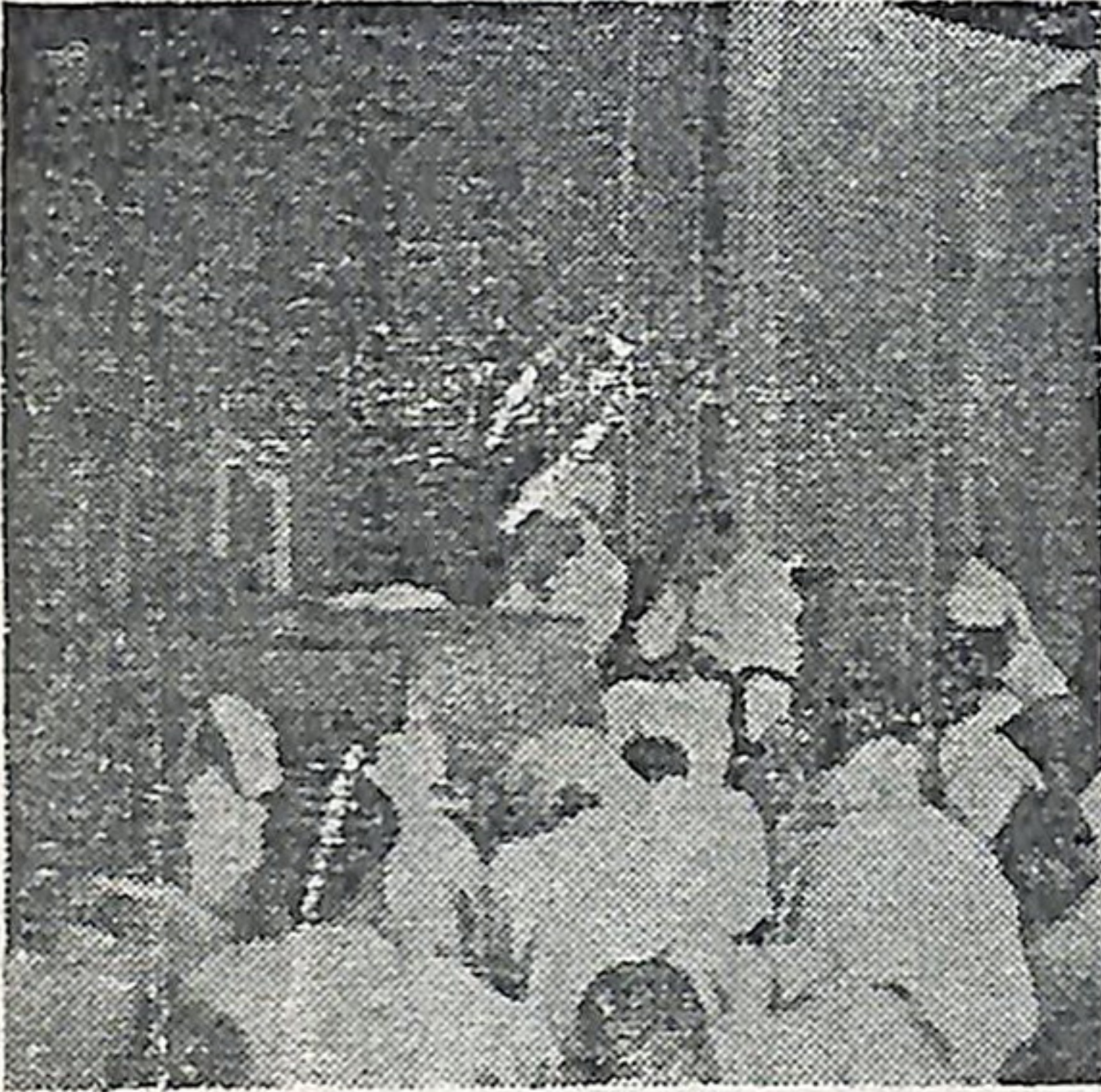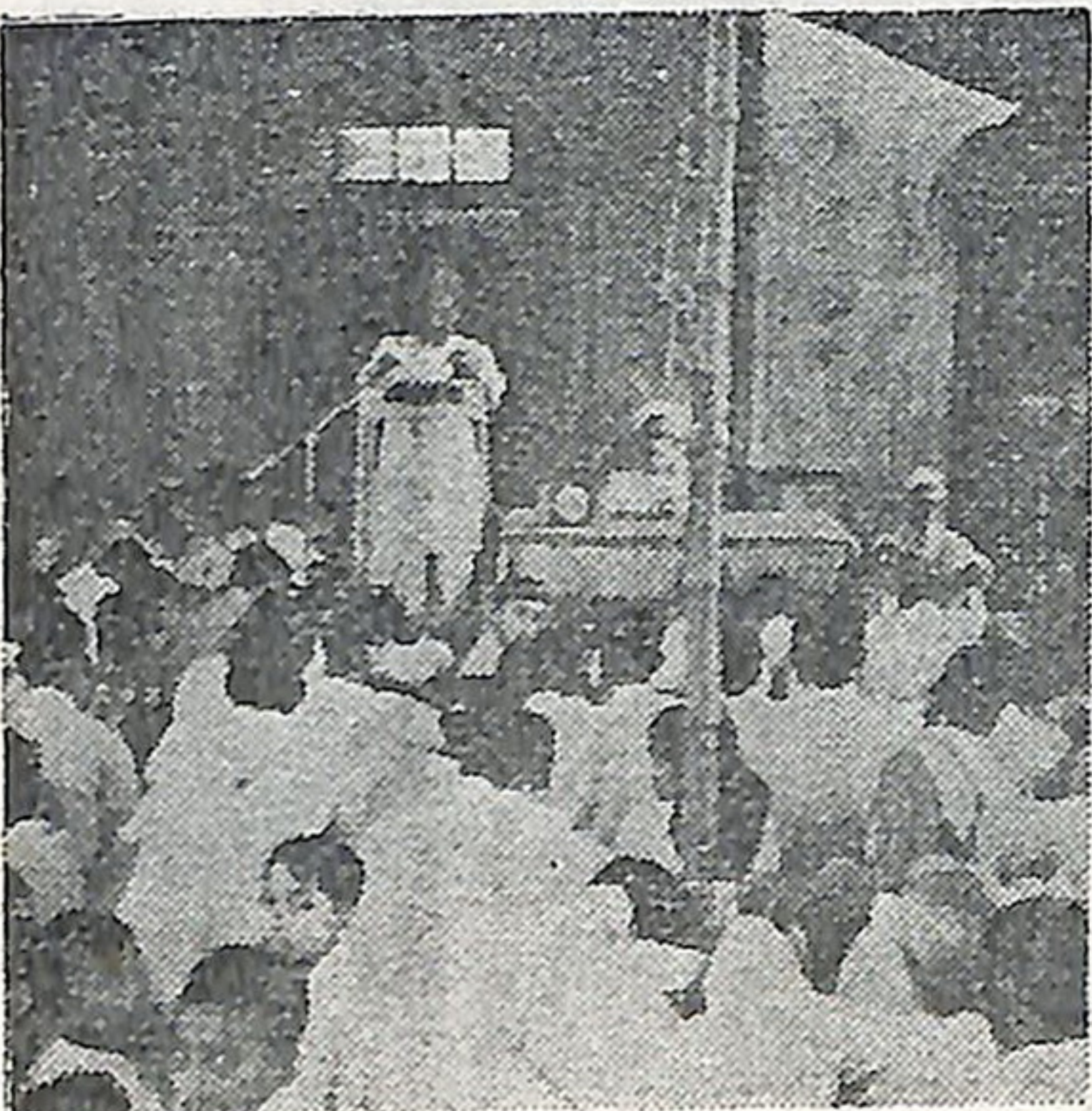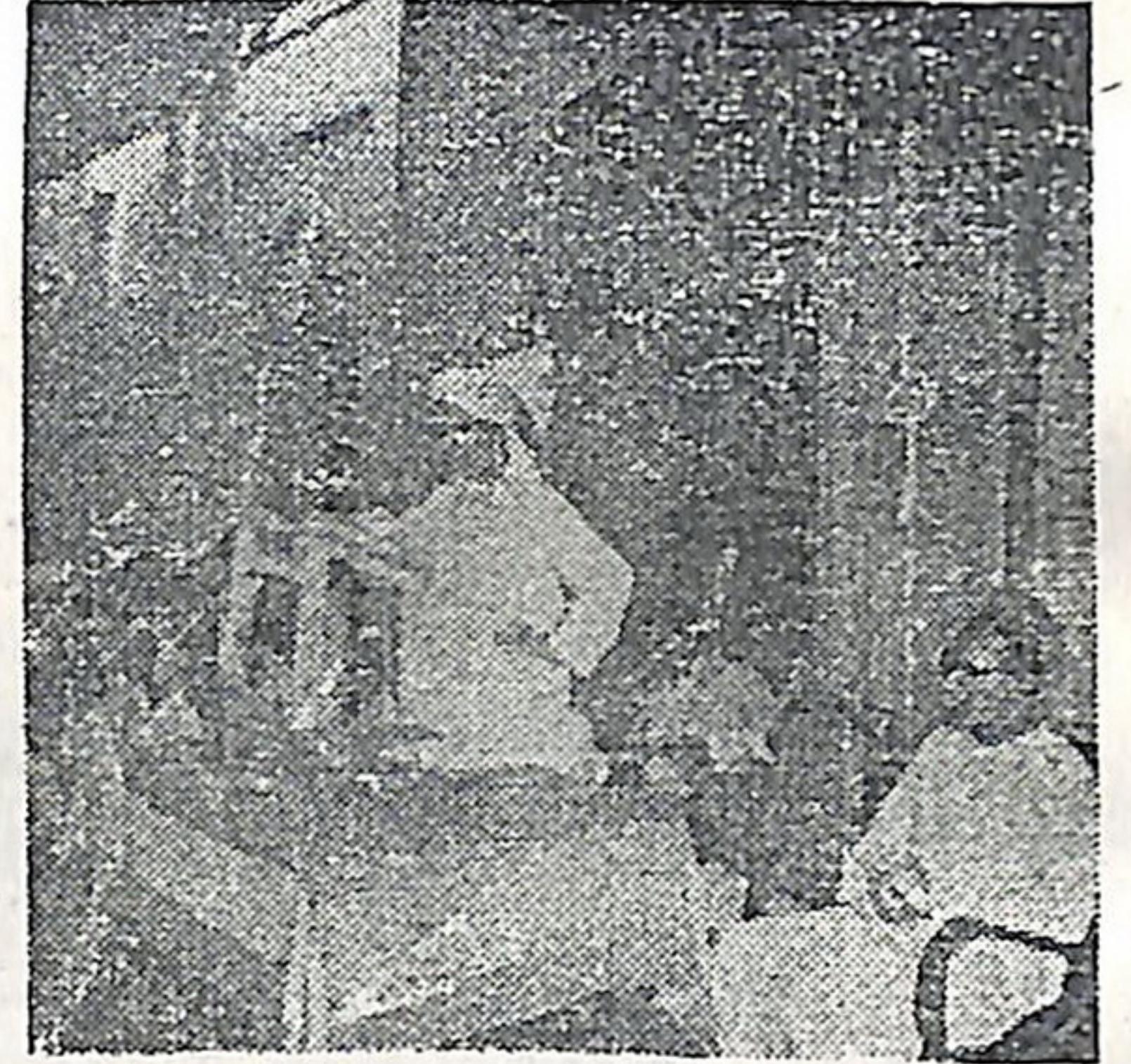
معتمد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ مکرم شیخ مبارک احمد صاحب خدام سے خطاب فرما رہے ہیں۔

ٹرِپ

ٹرپ کی
تیاری
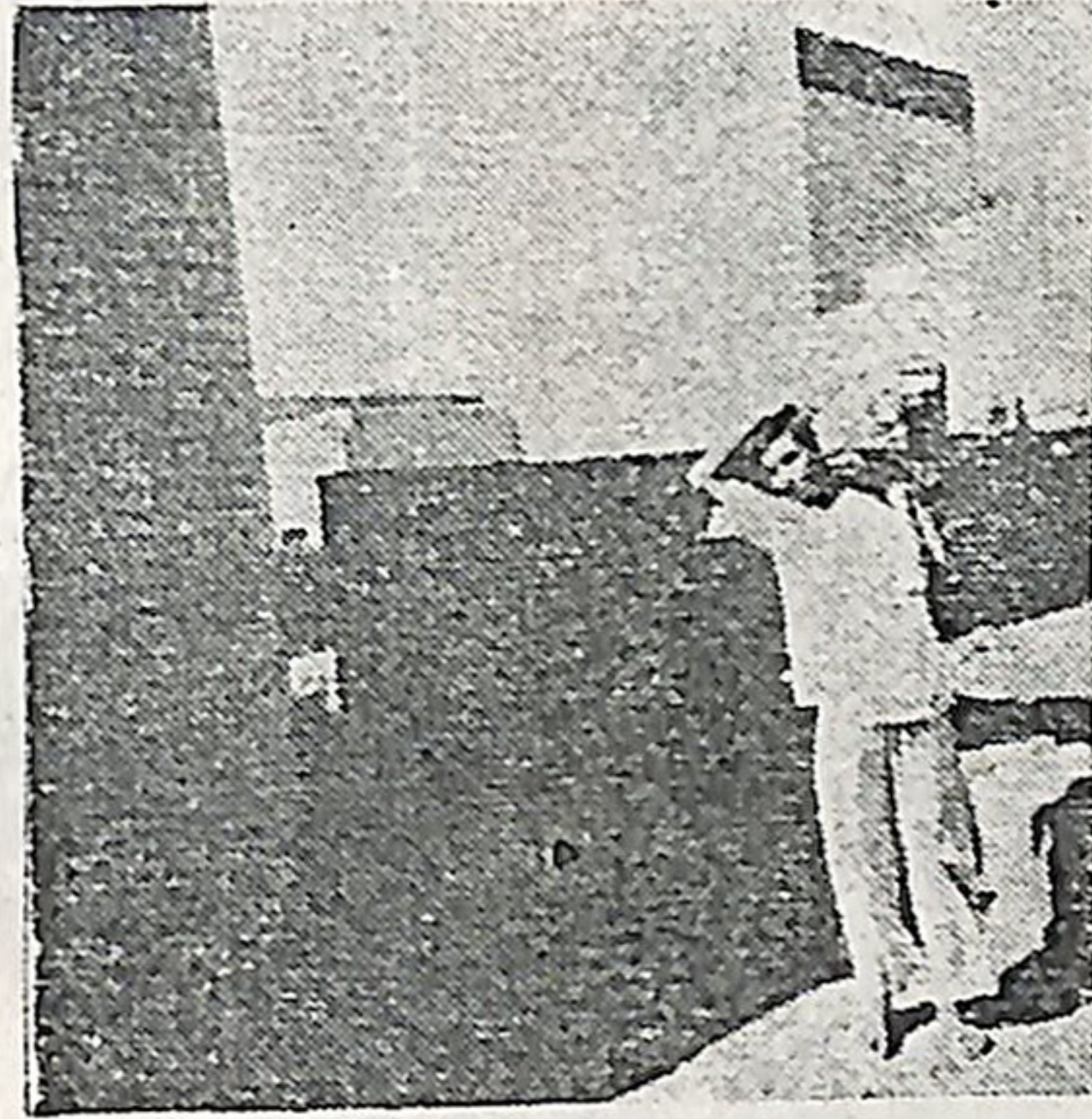
ٹرِپ میں
آم تقسیم کئے جارہے ہیں

دَوڑ

کبڈّی

عارضی دفتر

اِنتظامات
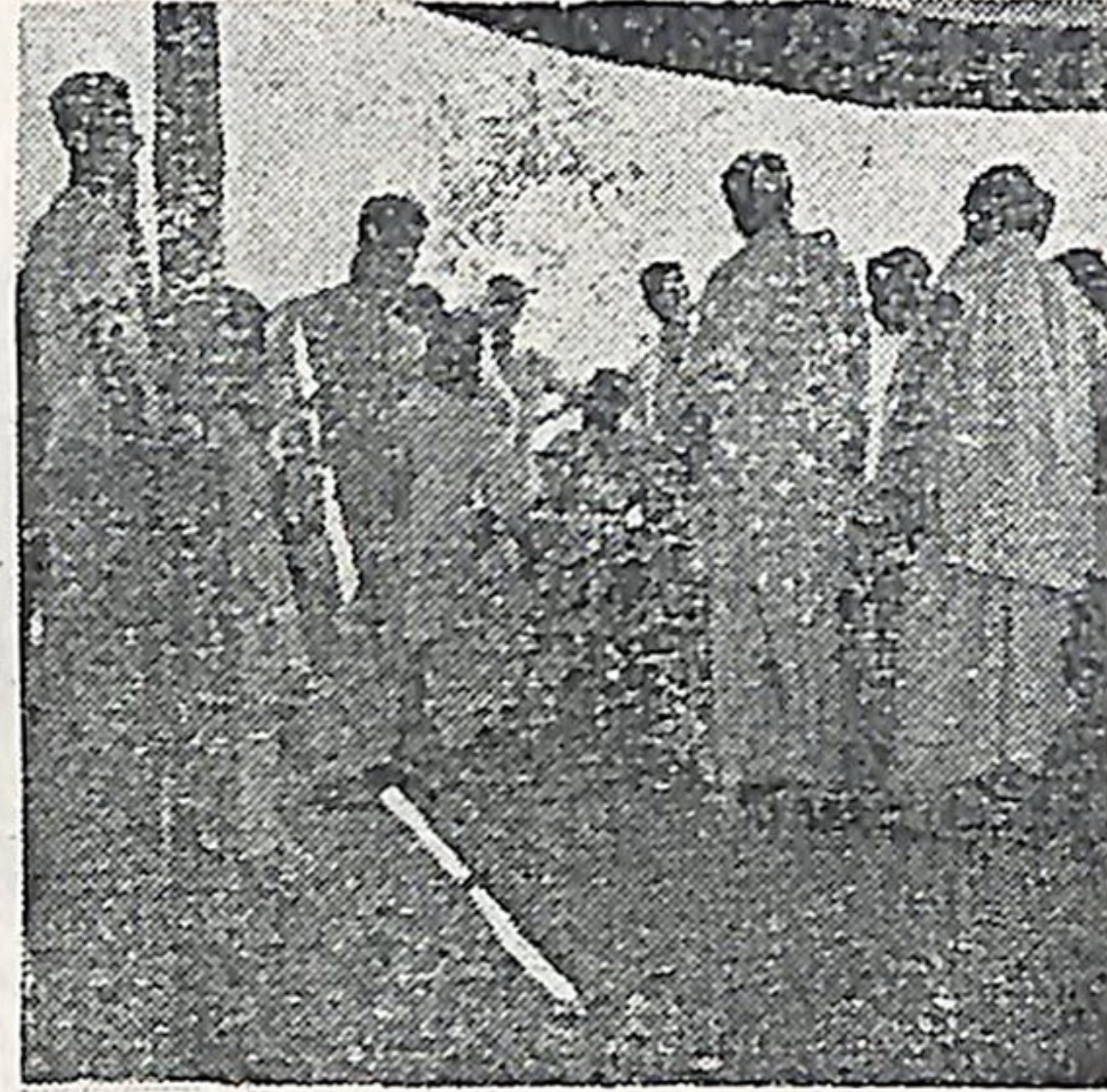
کھانے کی پرچیاں جاری کی جا رہی ہیں

روٹی کا سٹور

کھانا پک رہا ہے

کھانے کی تقسیم
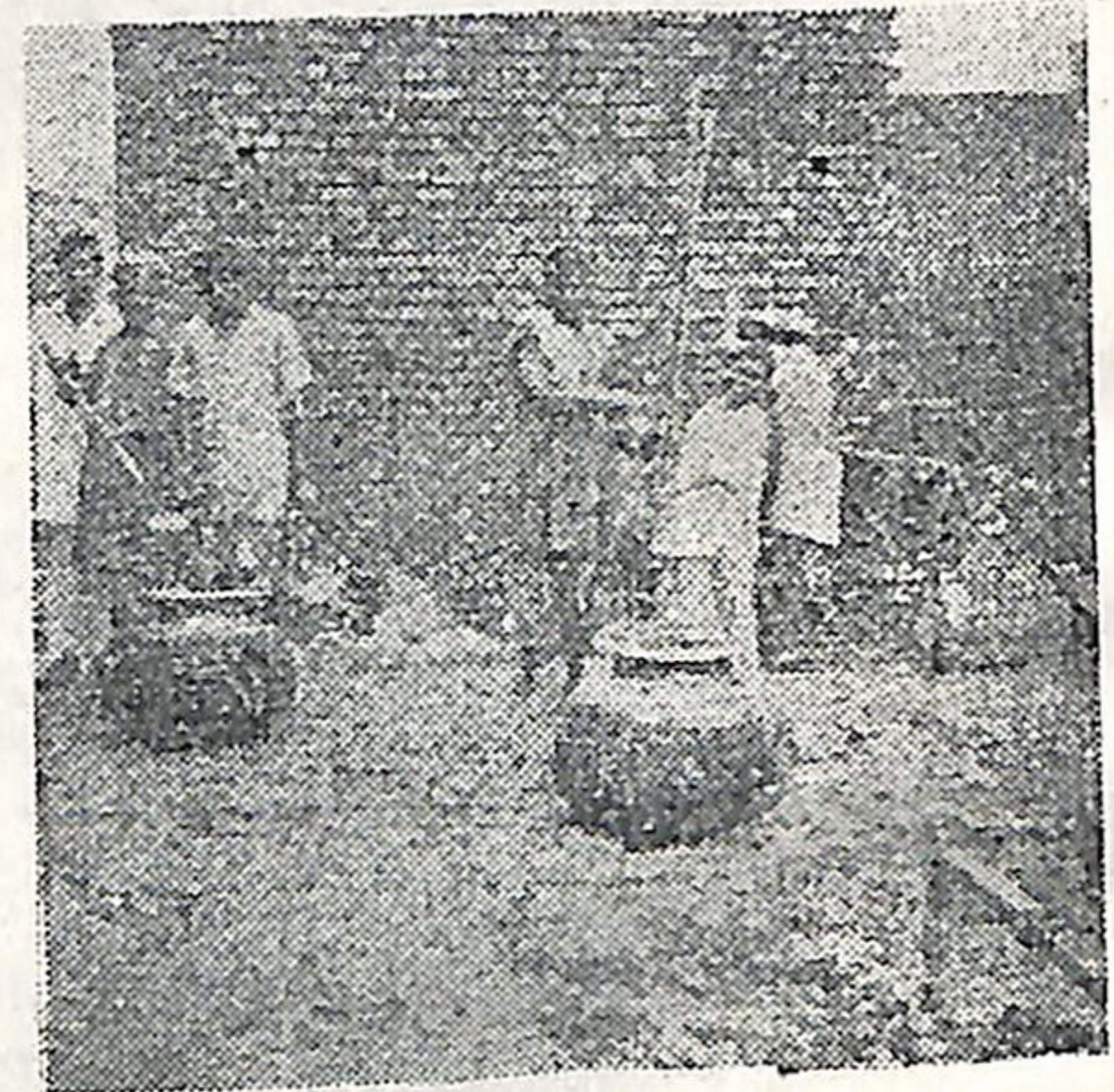
کھانا کھایا جا رہا ہے

صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب
نائب صدر
مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ
کی تشریف آوری

آپ کا استقبال کیا جا رہا ہے

تسخیر قلوب کے موضوع پر
تقریر فرما رہے ہیں!

آپ خطبۂ جمعہ ارشاد
فرما رہے ہیں!

سیمینار

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مسیح موعودؑ کی نظر میں
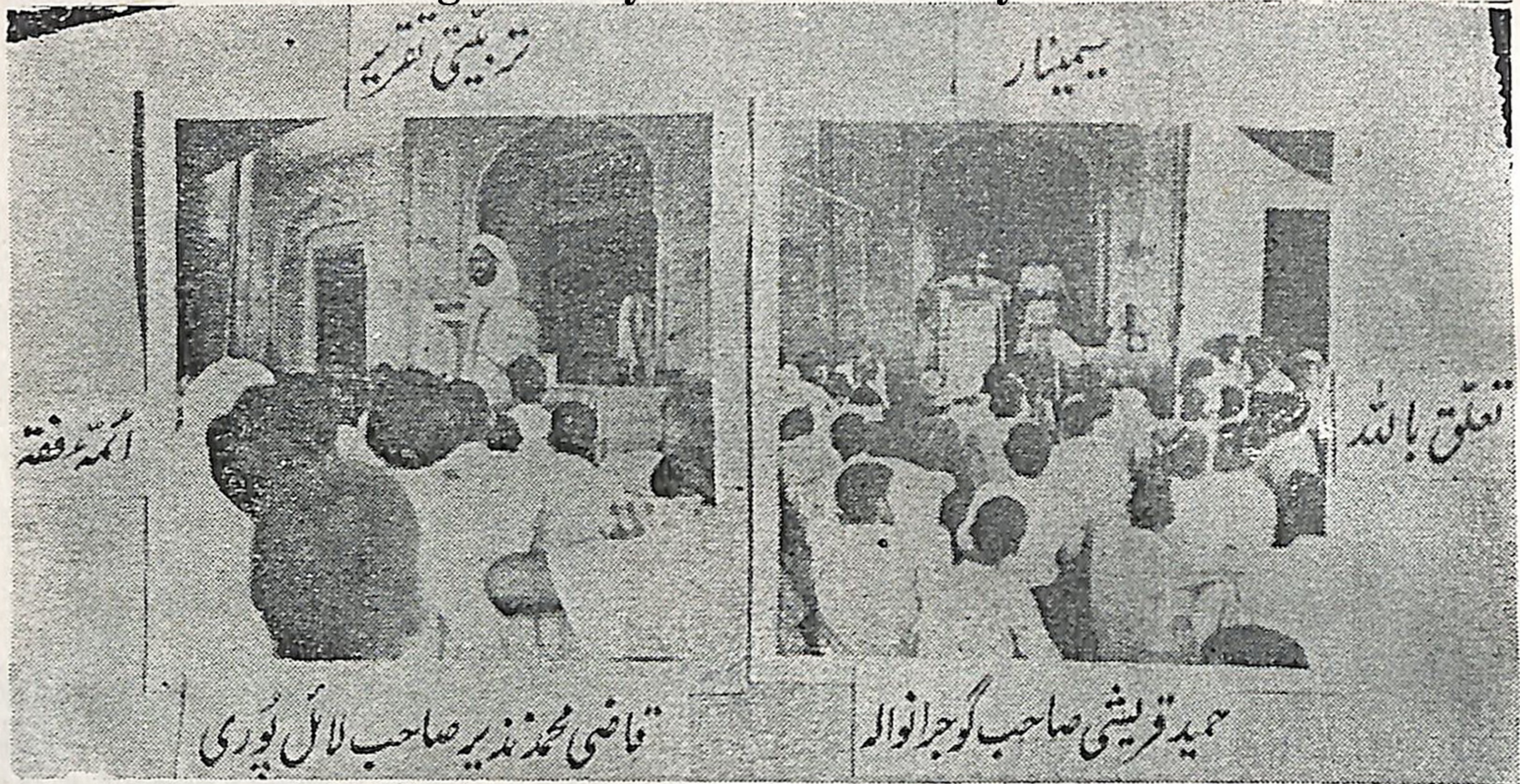
خواجہ مبارک احمد صاحب گوجرانوالہ

تربیتی تقریر

حضرت مسیح موعودؑ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں

(سید محمود احمد صاحب ناصر)

مولوی دوست محمد صاحب شاہد پڑھکر سُنا رہے ہیں
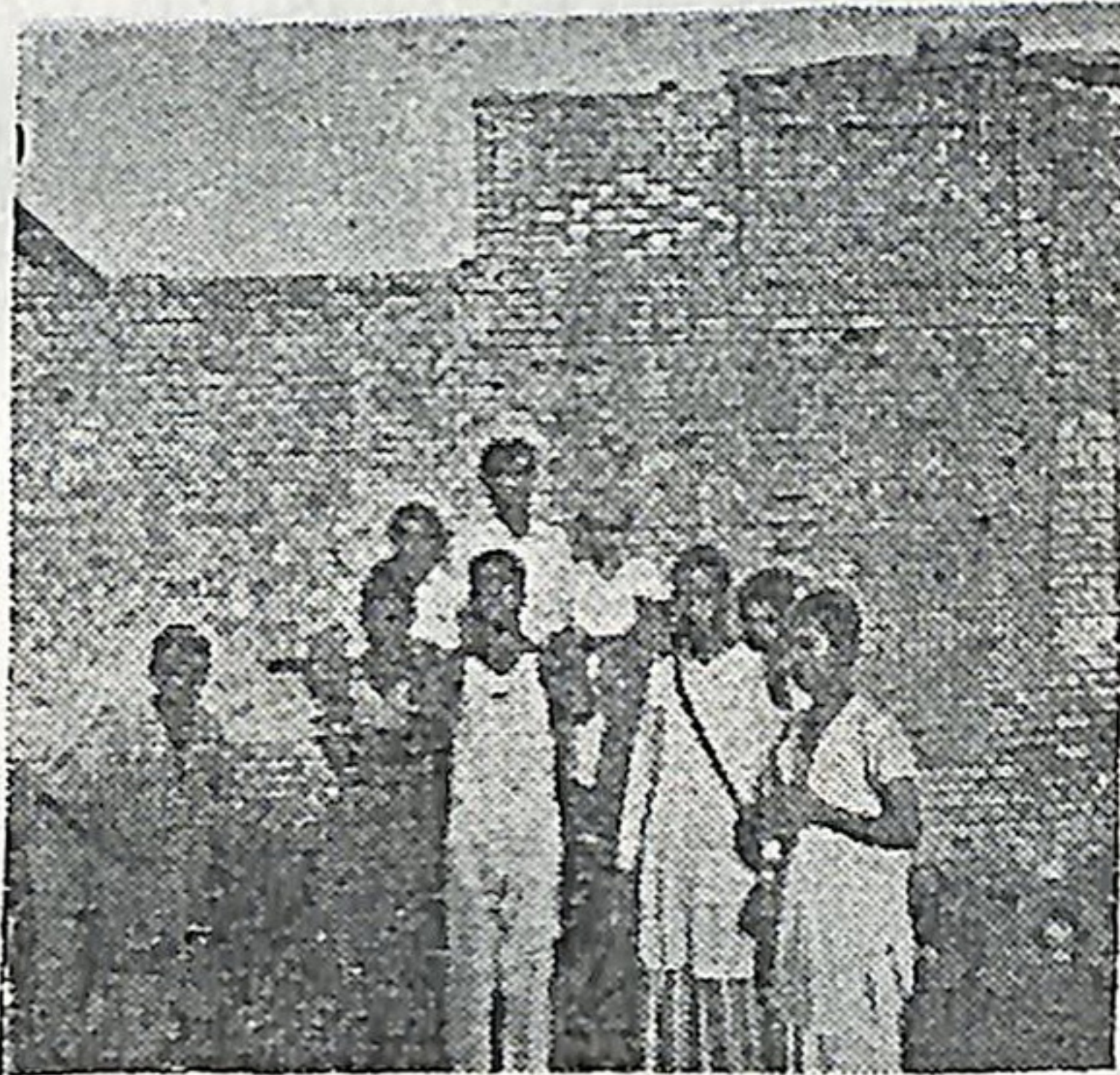
بوجھ اُٹھانے کا مظاہرہ
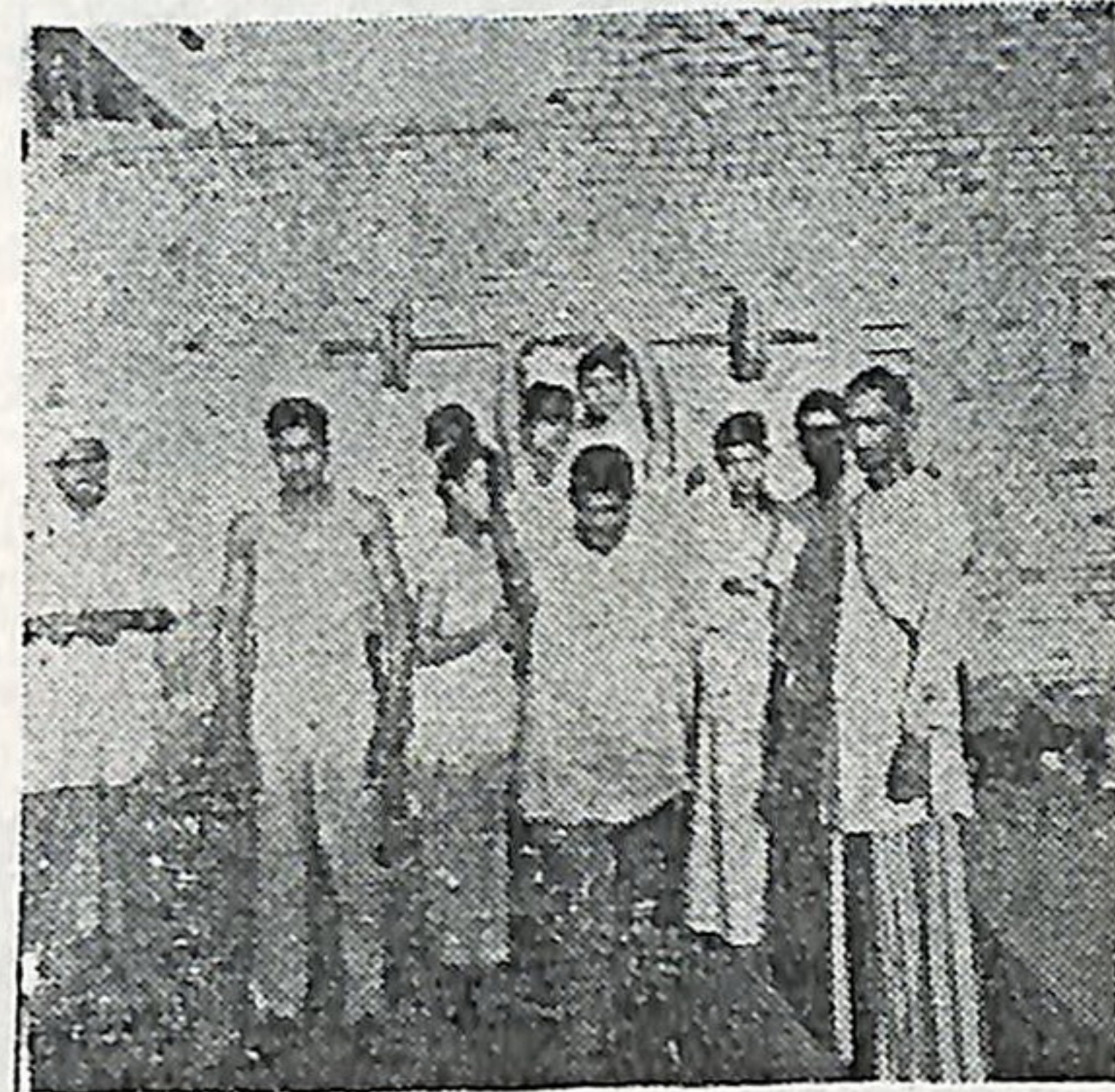
وقارِ عمل
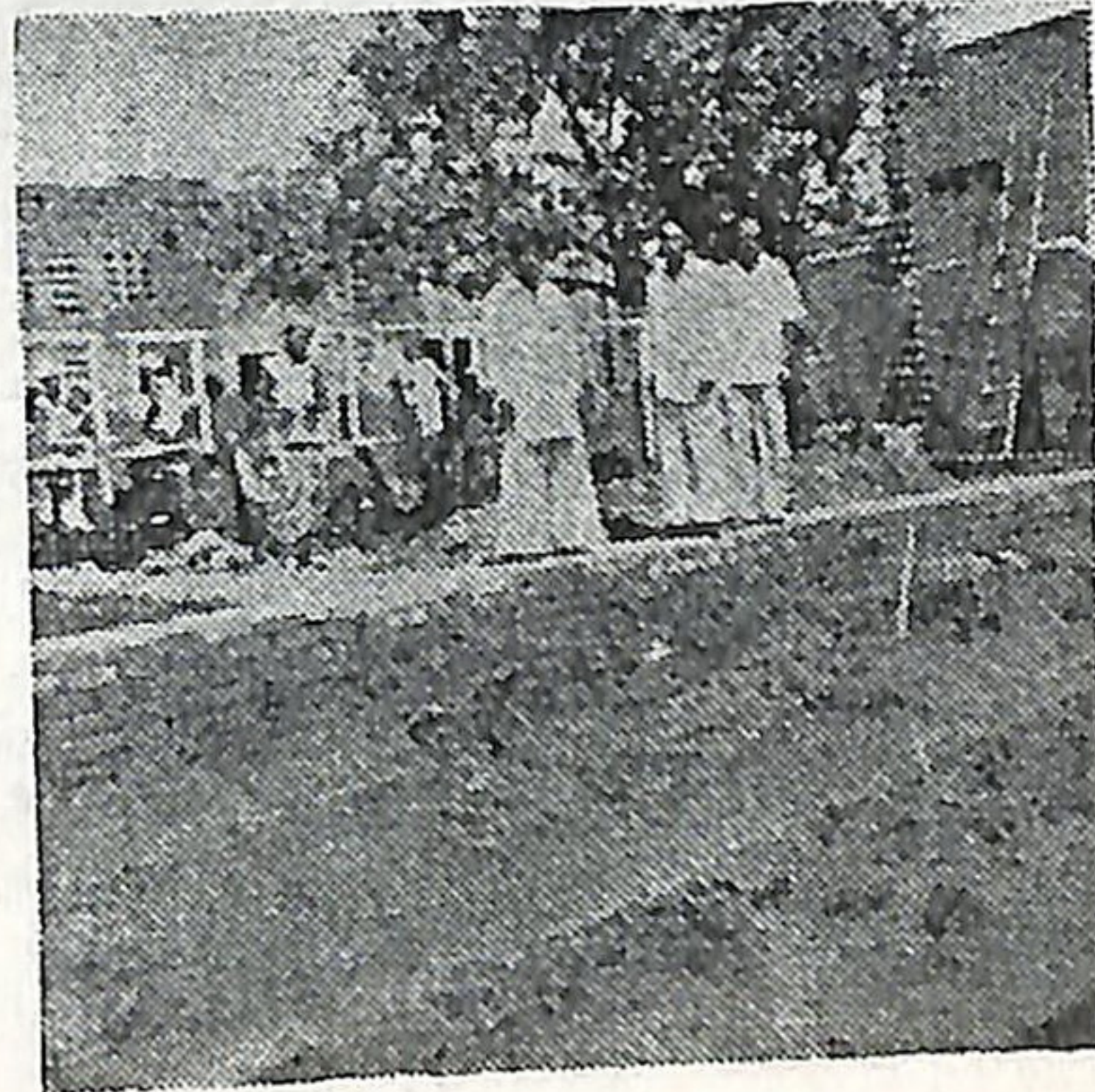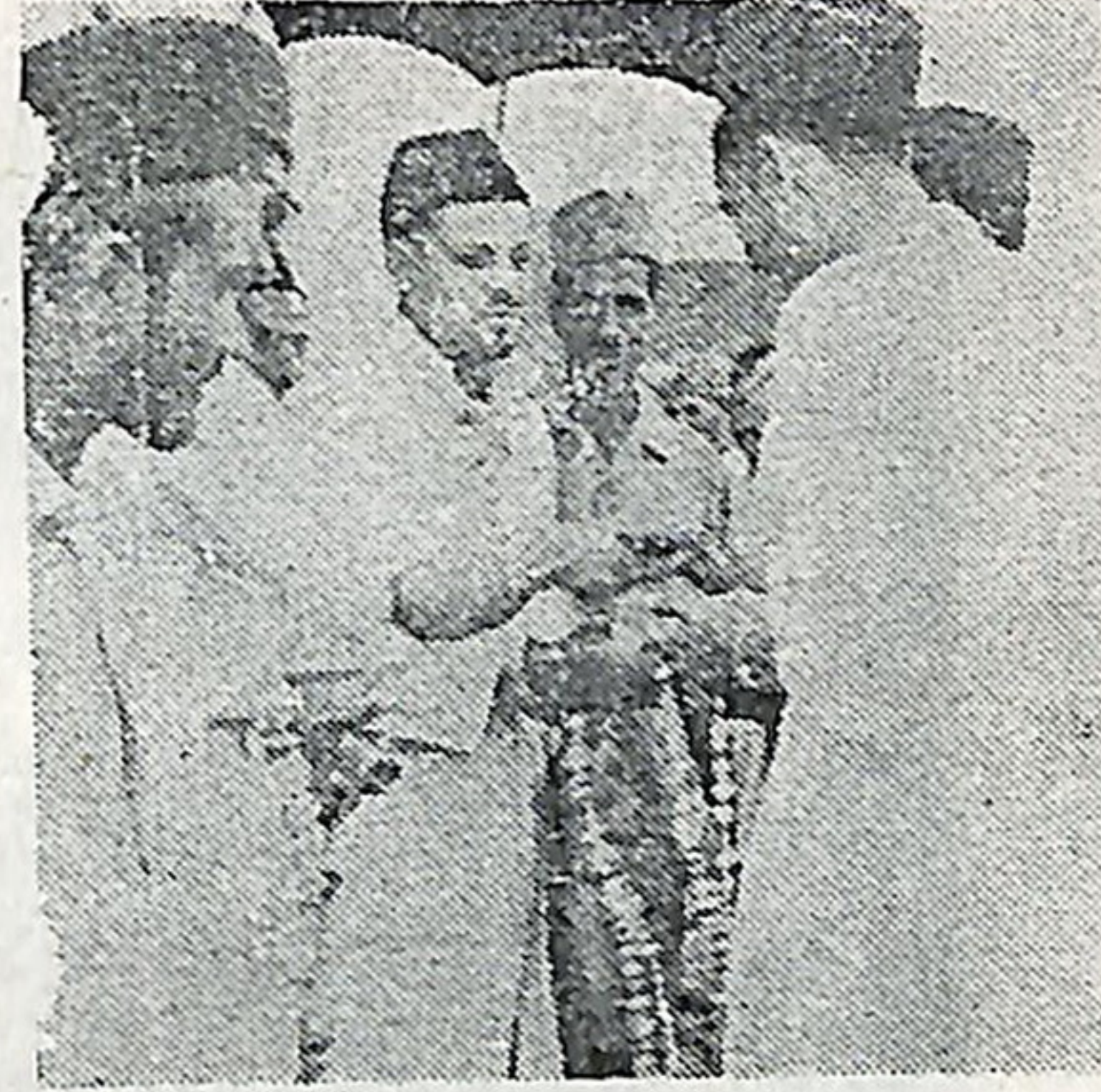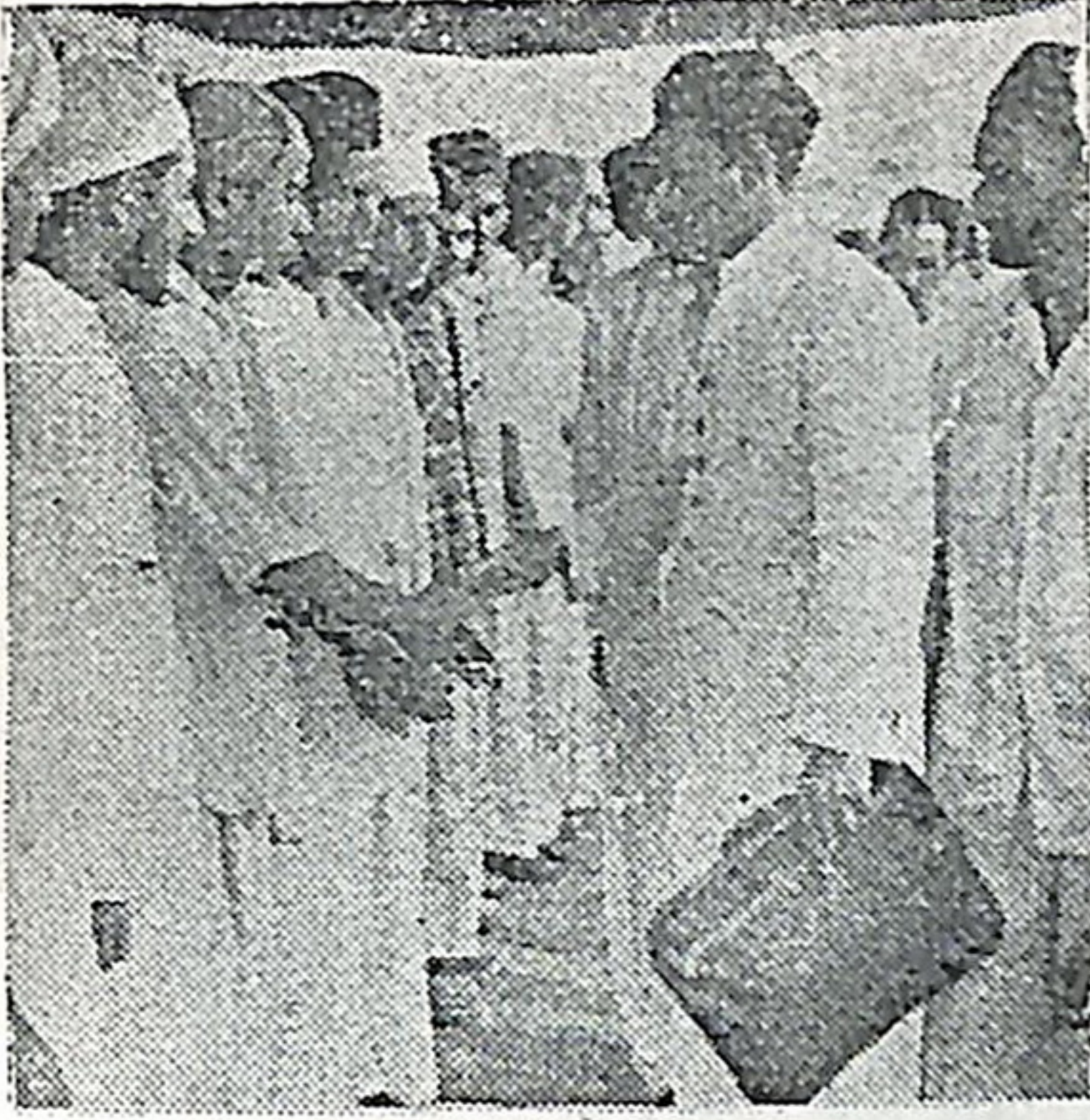
صدرِ محترم تربیتی کلاس میں شمولیت کرنے والے خدام سے مصافحہ فرما رہے ہیں
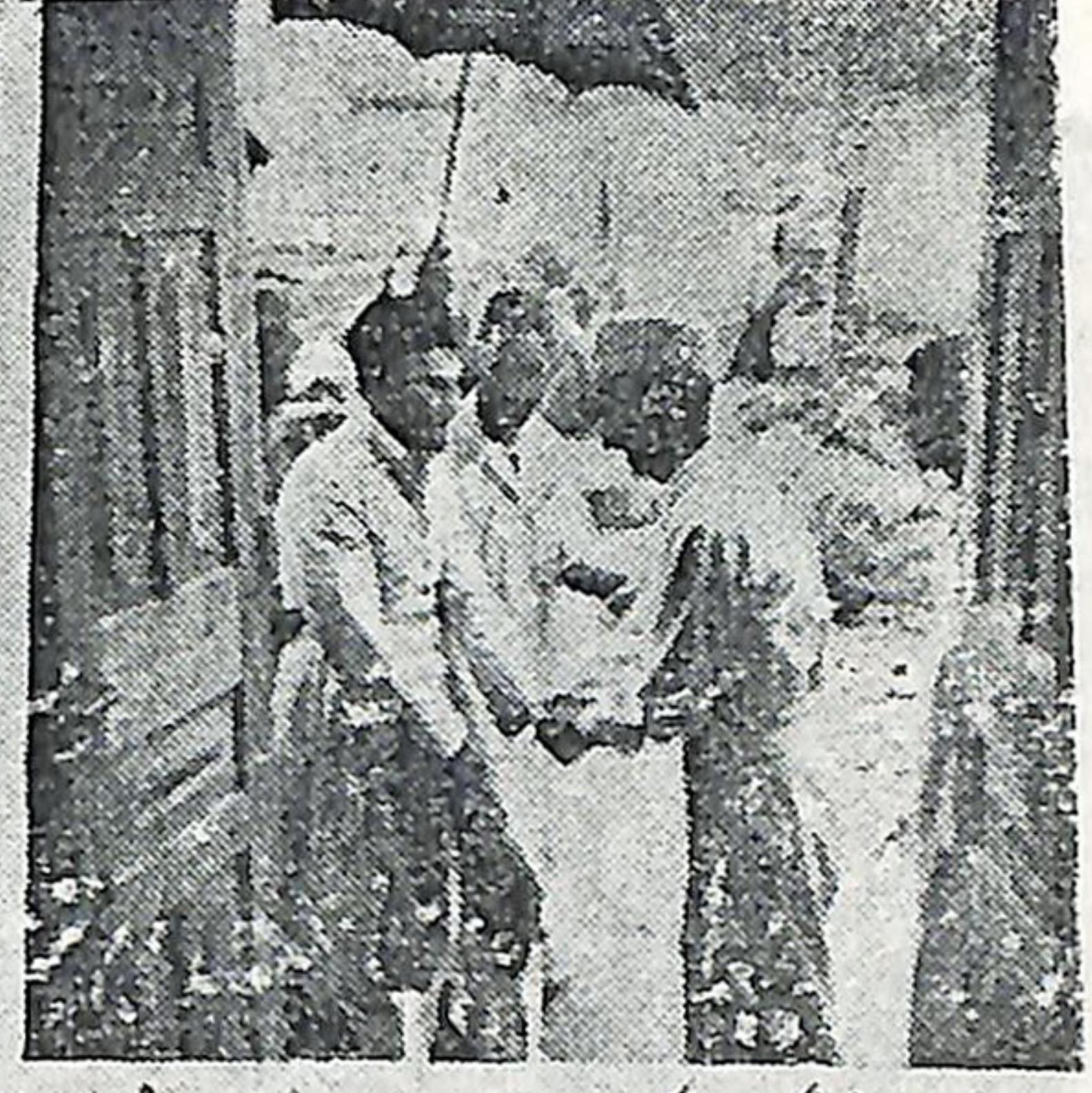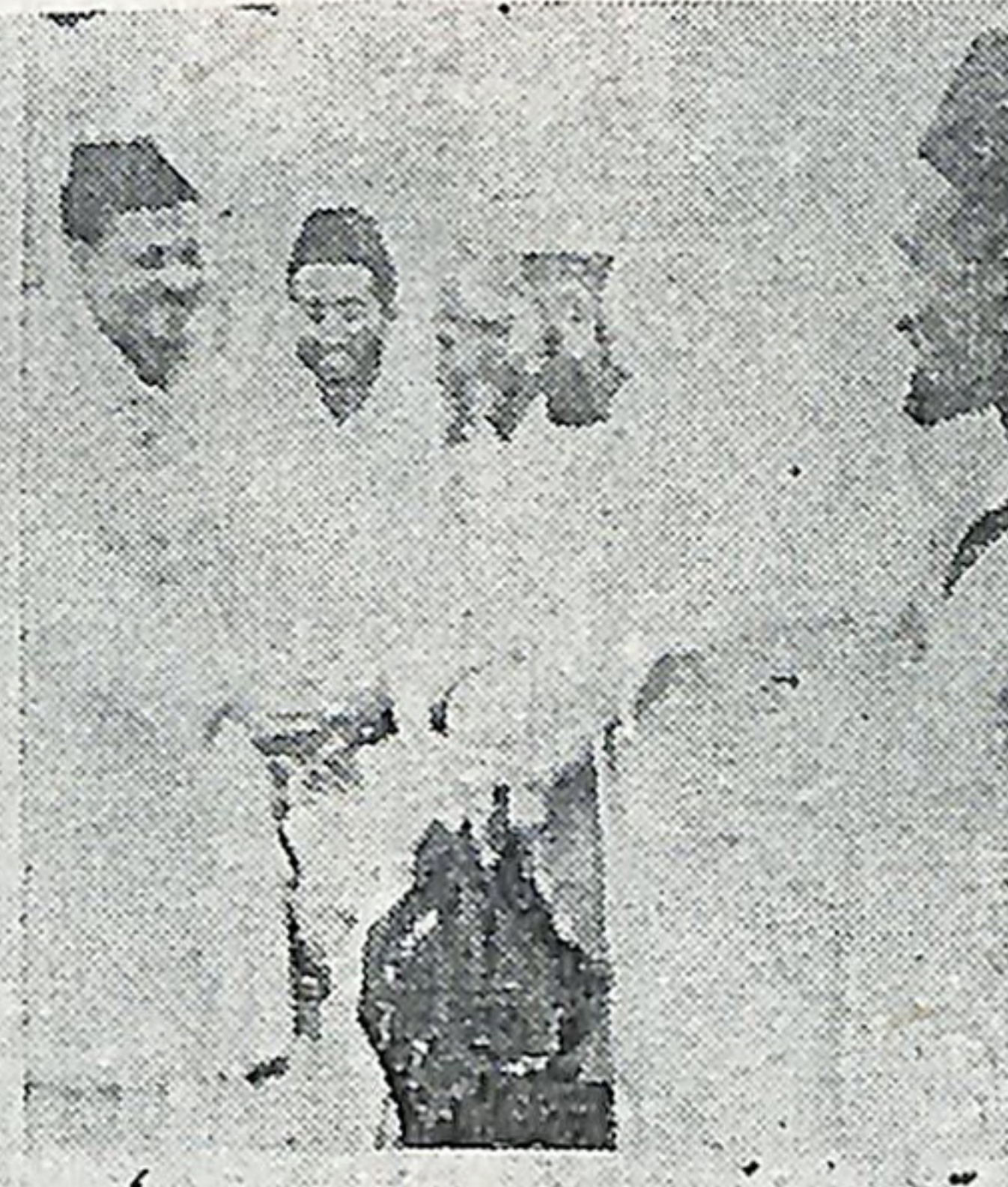
اپنی قیامگاہ کے دروازے پر آپ نے ... معلمین کرام سے ملاقات فرمائی اور ... اسکے بعد کچھ دیر آرام فرمایا!

عصرانہ از لجنہ اماء اللہ گجرانوالہ
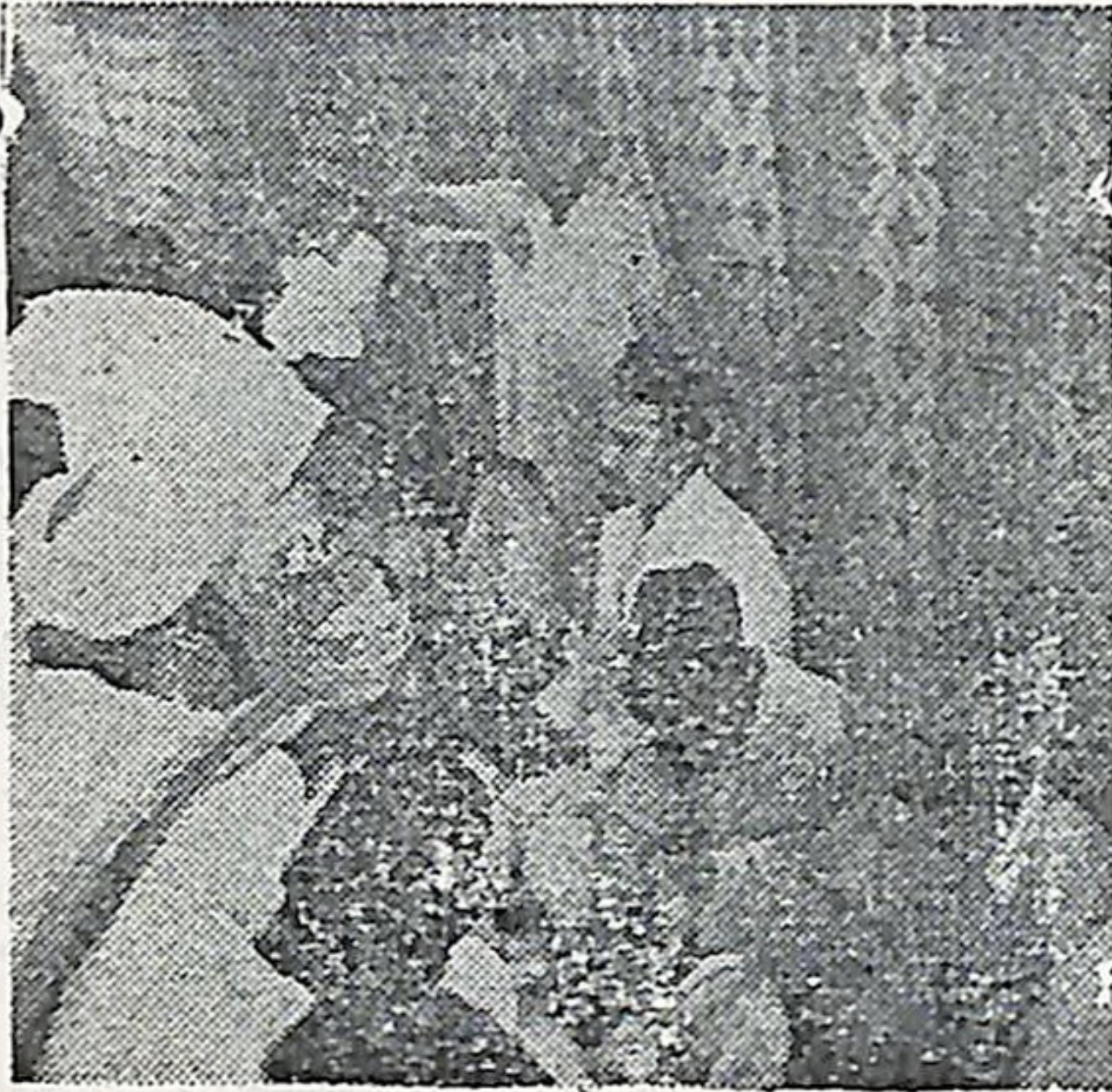
نمائندہ لجنہ ایڈریس پیش کر رہے ہیں

آپ جواب دے رہے ہیں

انتظامات کا معائنہ فرما رہے ہیں
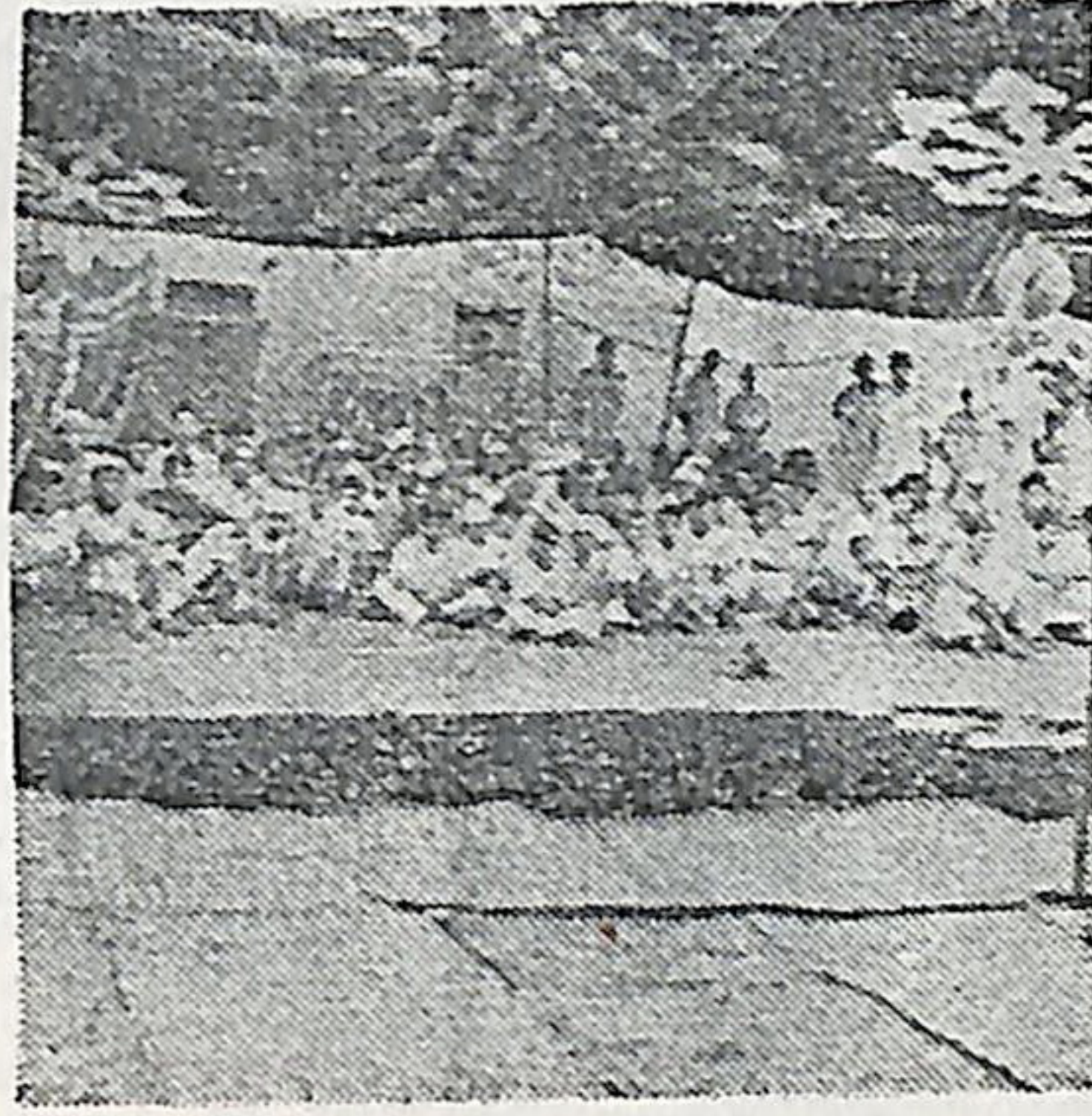
صدرِ محترم خدّام سے خطاب فرما رہے ہیں
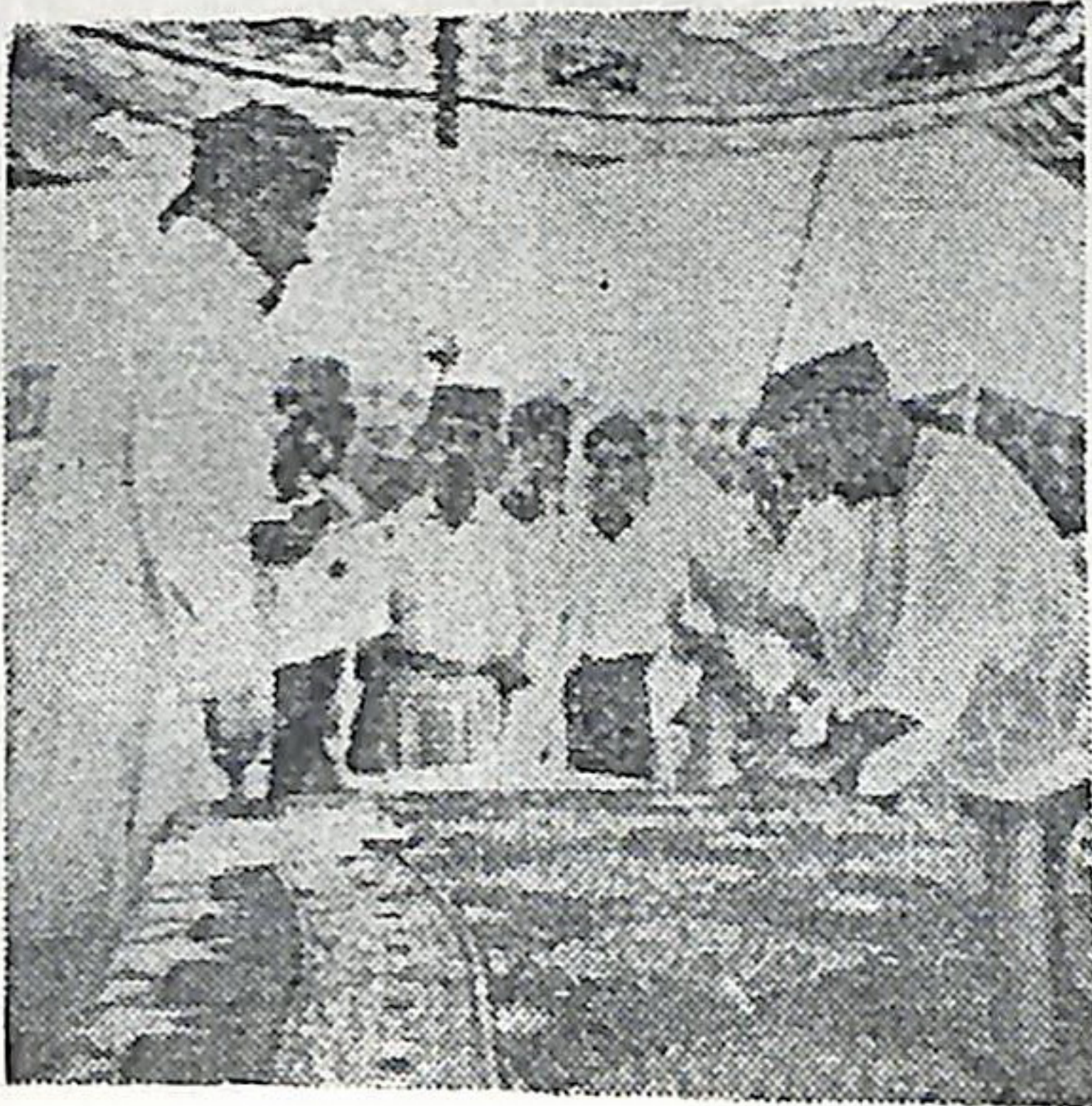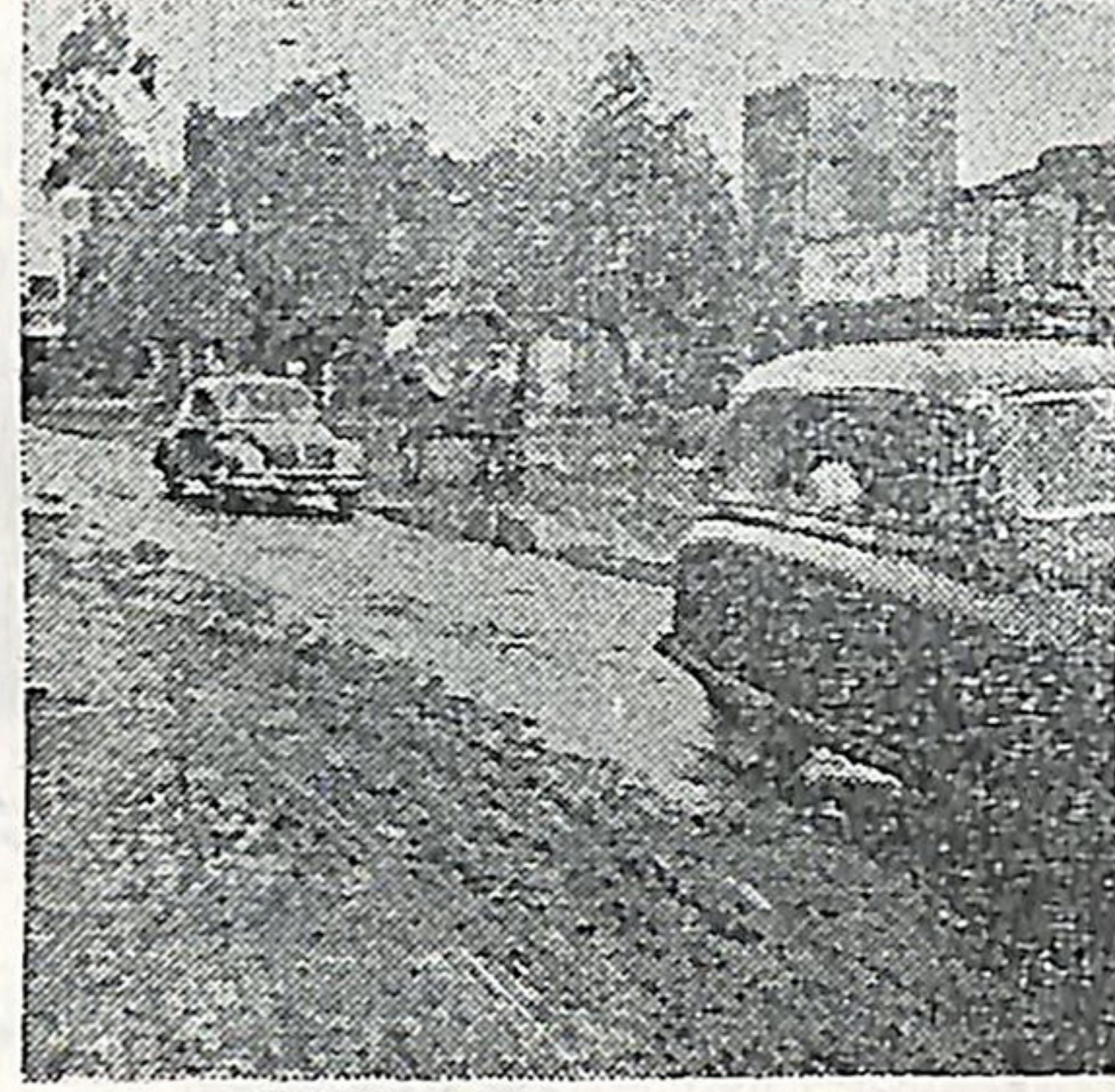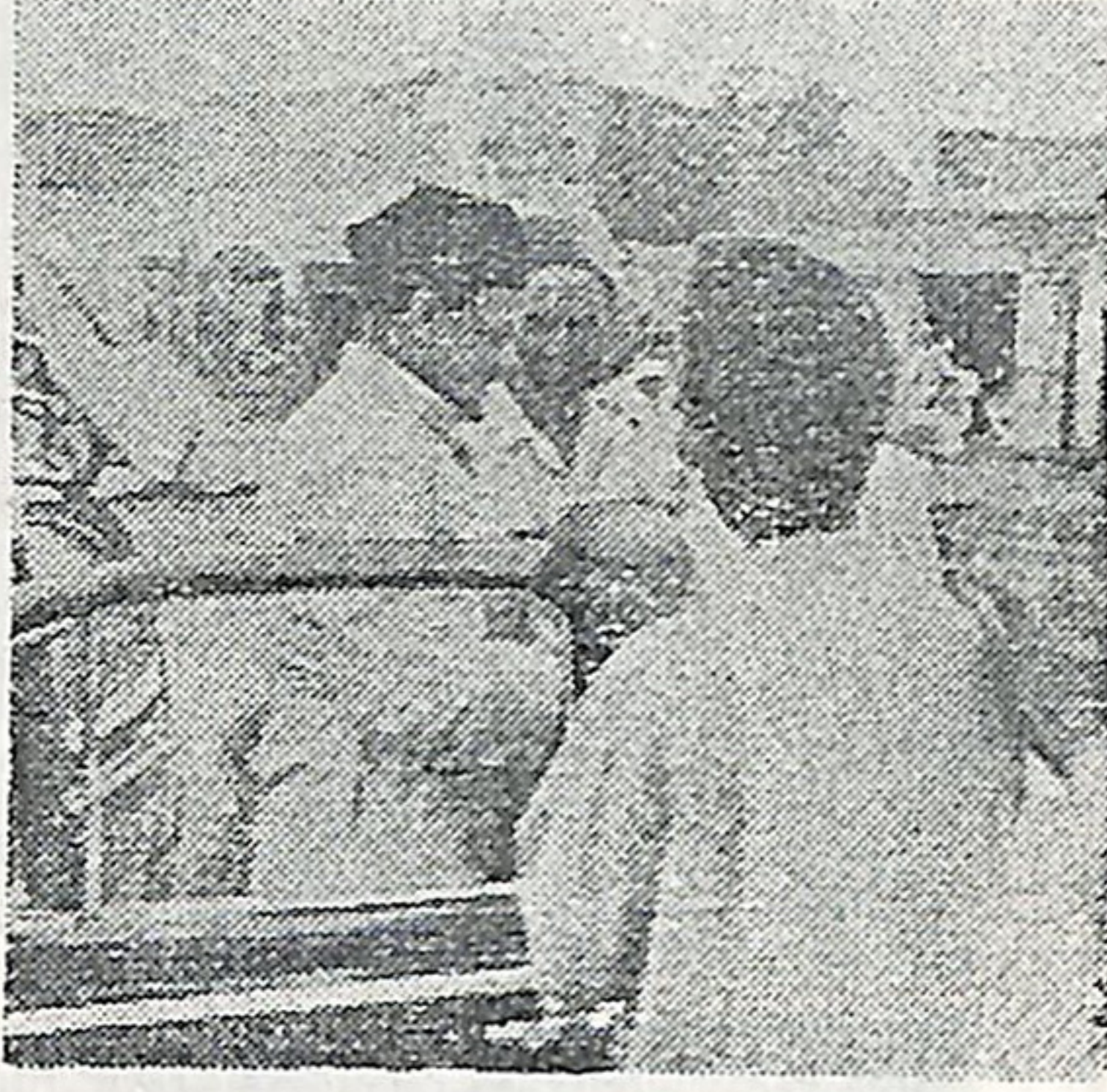
صدرِ محترم کی تشریف آوری

صدر مجلسِ خدام الاحمدیہ مرکزیہ محترم سید داؤد احمد صاحب تربیتی کلاس کے
جلسۂ تقسیمِ انعامات واسناد کی صدارت کیلئے بنفسِ نفیس تشریف لائے؛

آپ کا استقبال کیا جا رہا ہے؛

معلّمینِ کرام و منتظمین
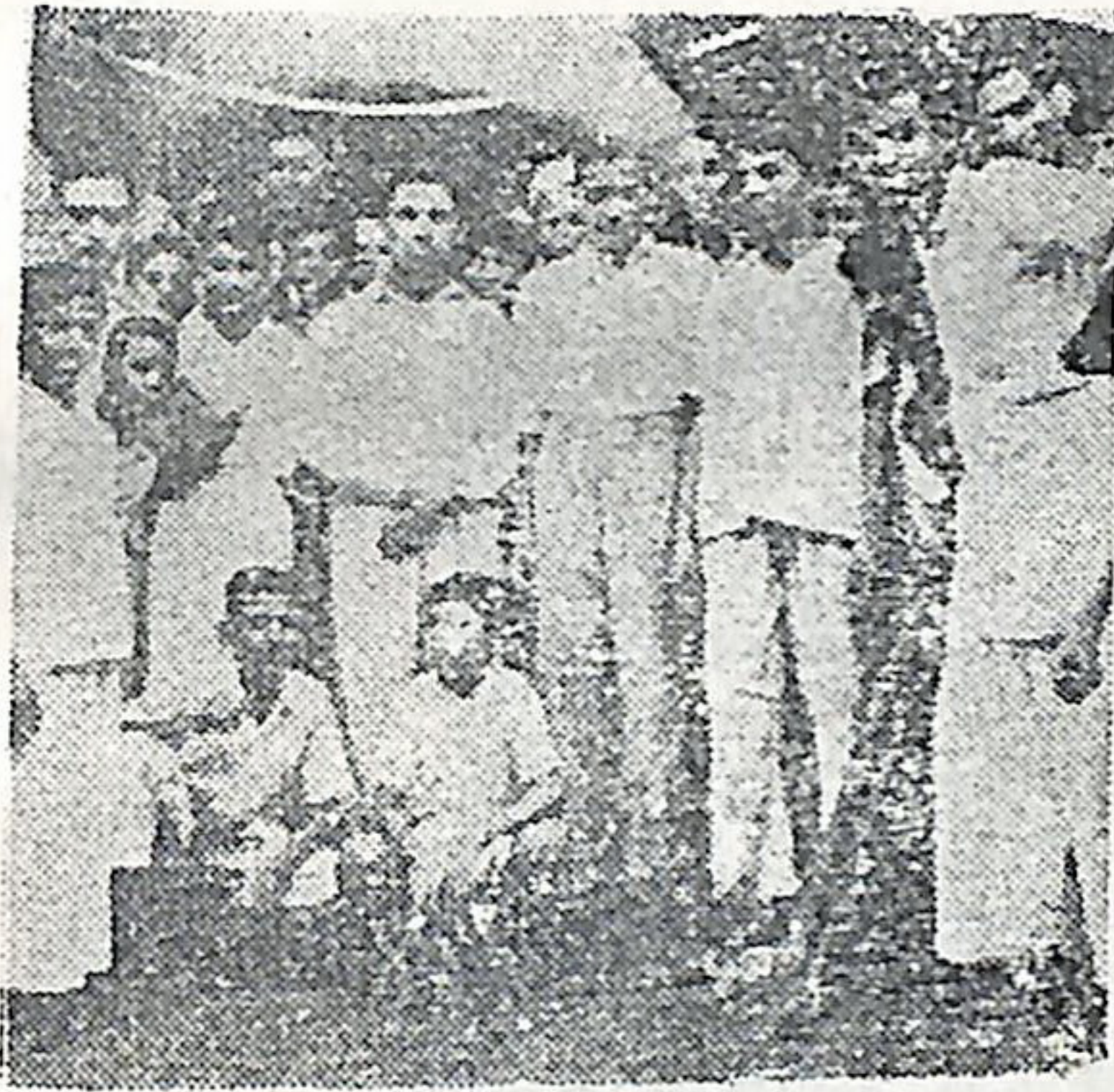
منتظمین تربیتی کلاس

خدّام لاہور شہر

الوداع
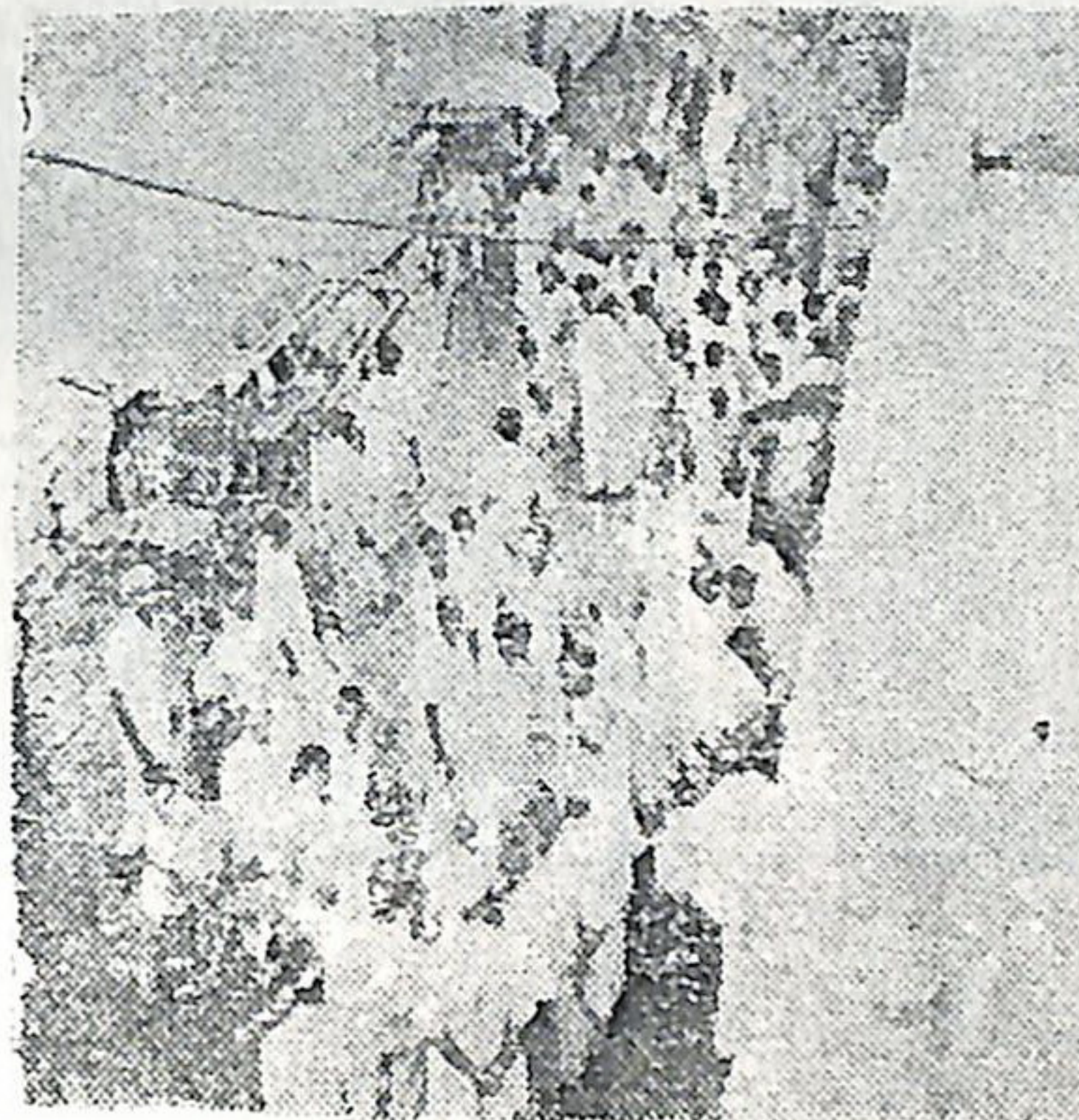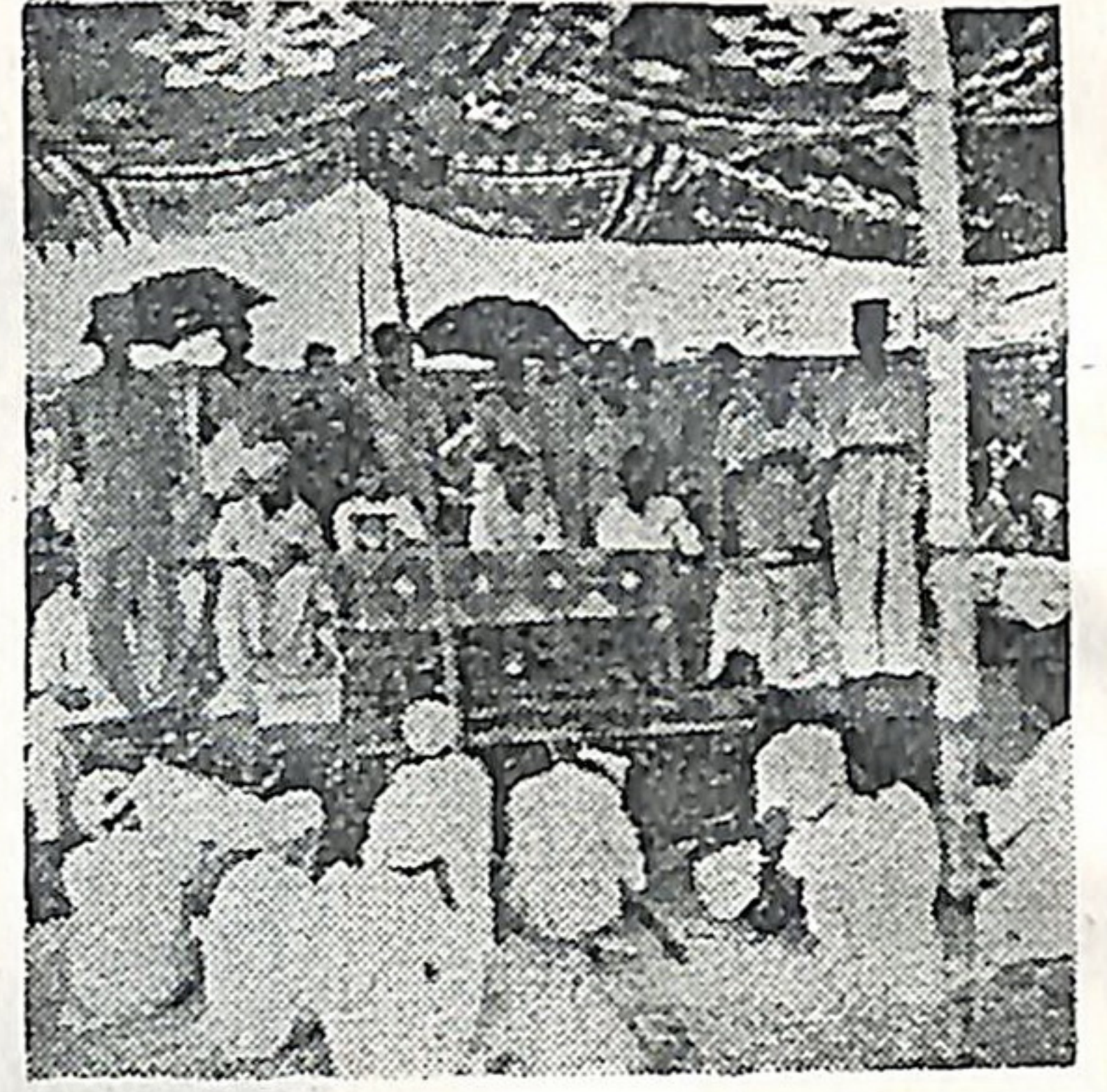
صدرِ محترم
جلسۂ تقسیمِ انعامات و
اسناد کی صدارت
فرما رہے ہیں!
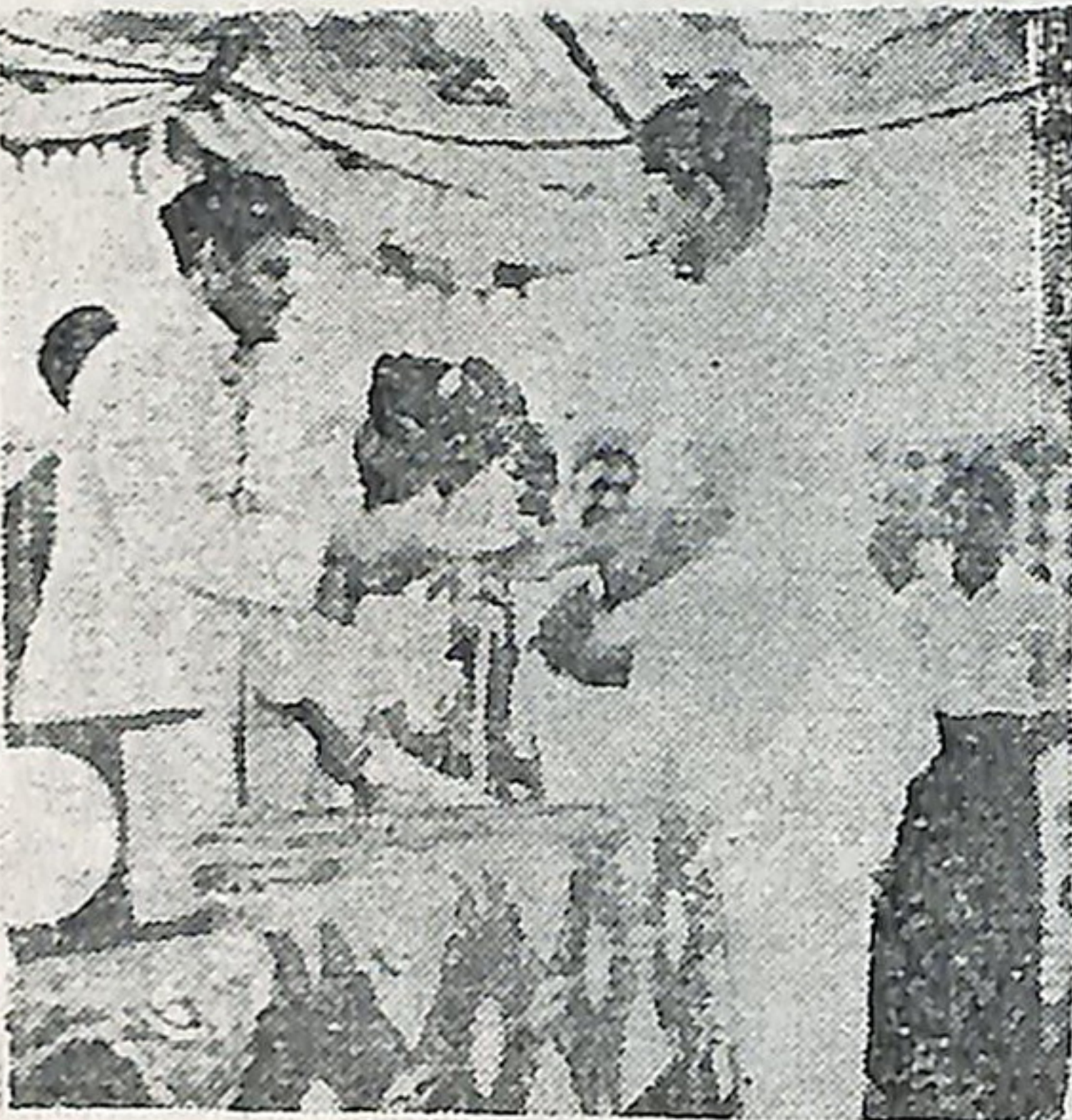
قائدین اضلاع کو اسناد عطا فرما رہے ہیں!

تقسیمِ انعامات

صدرِ محترم
واپس تشریف لے جا رہے ہیں

پیغامات

از

- حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی
- حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ
- محترم صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب
- محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب

نگران بورڈ کا ایک اہم فیصلہ

اجلاس منعقدہ یکم اکتوبر ۱۹۶۱ء

(از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی۔ صدر نگران بورڈ)

"........ نگران بورڈ نے اتفاقِ رائے سے اس خوش دلی کا اظہار کیا۔ کہ گوجرانوالہ میں جو چار ضلعوں (لاہور ڈویژن۔ ادارہ) کے خدام کا تربیتی اجتماع گذشتہ دنوں میں ہوا ہے وہ خدا کے فضل سے بہت کامیاب رہا ہے۔ اور اس کی وجہ سے اس علاقے کے نوجوانوں میں نئی زندگی کی لہر اور کام کا نیا جذبہ پیدا ہوا ہے۔ نگران بورڈ تجویز کرتا ہے کہ اس قسم کے اجتماعات مختلف مرکزوں میں ضرور وقفے وقفے کے ساتھ ہوتے رہنے چاہئیں۔ تاکہ جماعت کی بیداری اور نوجوانوں کی تربیت کا موجب ہوں۔ اسی طرح جو اجتماع عہدیداران جماعت ضلع شیخوپورہ کا گذشتہ دنوں شیخوپورہ میں ہوا ہے وہ بھی خدا کے فضل سے بہت کامیاب اور مفید اور نتیجہ خیز رہا ہے۔ اسی طرح کراچی اور راولپنڈی اور دیگر مقامات کے اجتماعات بھی ایک عرصہ سے بفضلہٖ تعالیٰ نہایت کامیاب نتائج پیش کر رہے ہیں۔ فیصلہ کیا گیا کہ نگران بورڈ کی طرف سے جماعت میں تحریک کی جائے کہ خدام اور انصار اللہ اور عہدیداران جماعت کے اجتماعات مناسب موقعہ پر مناسب مقامات میں ضرور وقتاً فوقتاً منعقد کئے جائیں تاکہ وہ خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ اور عہدیداران جماعت کی تربیت اور بیداری کا موجب ہوں اور نیکی اور خدمت اور قربانی اور اتحادِ جماعت کے جذبے کو ترقی دیں ...."

(روزنامہ الفضل ربوہ۔ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۶۱ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

وعلی عبدہ المسیح الموعود

اللہ تعالیٰ آپ کے تربیتی اجتماع کو اپنے فضل وکرم سے مبارک کرے اور احمدی نوجوانوں کے لئے مفید بنائے۔ تربیت کا معاملہ بڑا نازک اور بڑا اہم ہے کیونکہ اس کے ذریعہ اخلاق کو ایک سانچہ میں ڈھالا جاتا اور اس کے اندر بلندی پیدا کی جاتی ہے آپ لوگوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ احمدی کہلانا کچھ حقیقت نہیں رکھتا جب تک کہ نہ صرف آپ کے دلوں میں بلکہ آپ کی پیشانیوں پر بھی اسلام اور احمدیت کا نور جلوہ گر نظر نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ تقدیر ہے کہ وہ اسلام کے تنزل کے دور کے بعد اسے دوبارہ احمدیت کے ذریعہ بلند کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس تقدیر کے لئے عملی جدوجہد کرنا آپ لوگوں کا کام ہے آپ لوگوں کو چاہیئے کہ اول اپنے آپ کو سچے علم سے آراستہ کریں اور قرآن مجید اور احادیث نبوی اور کتب حضرت مسیح موعود اور دیگر کتب سلسلہ کے ذریعہ سچا علم حاصل کریں۔ اور پھر اس علم کو اپنی زندگیوں میں عملاً اُجاگر کریں۔ تاکہ آپ میں سے ہر فرد اسلام اور احمدیت کی جیتی جاگتی تصویر نظر آئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔

مرزا بشیر احمد

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ

برادر عزیز السلام علیکم

آپ کا خط لاہور سے ربوہ کا دور کر مجھے کراچی میں ملا میری طبیعت
میں آجکل کافی خراب رہی مضمون دینا تو لکھنے کی کبھی عادی نہیں
چند حروف نصیحت آپ نوجوانوں کے لئے ارسال ہیں
تاکہ محروم ثواب نہ رہوں اور جس جس کو بھی عملی
دیکھتی رہتی ہوں شاید اسکا ازالہ ہو شریک ہو کر
موجب اجر و رضائے الٰہی ہو

دستخط

مبارکہ

(پیغام آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

پیغام

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم صل علی محمد وبارک وسلم

میں نے بہت چھوٹی عمر سے آج تک جو سنا، دیکھا اور نتیجہ سامنے آیا وہ یہ کہ معترضین کبھی پھولے نہ پھلے۔ خود بھی ڈوبے اور بہت کمزور طبائع کو ساتھ لے ڈوبے۔ سو اے عزیز خدام! غور سے سنو کہ اس کیڑے کو دل و دماغ اور زبان میں پلنے نہ دو، پیس ڈالو، فنا کر دو، اگر اپنی روحانی بقا درکار ہے۔ دلوں کو صاف کرو۔ بدگمانی تباہ کن بیماری ہے۔ اعتراض اسی سے پیدا شدہ کیڑے ہیں جو پھیل کر قوموں کی جڑیں کھوکھلی کرنے کا موجب ہو سکتے ہیں۔

احمدیت کا خدا تعالیٰ حافظ و ناصر ہوگا۔ بہت دینی و روحانی ترقیاں بھی ہوں گی اور دنیوی بھی۔ مگر خدا نہ کرے کہ آپ لوگ ان میں سے ہو جائیں۔ جن کی زبان کے بے احتیاط وار نے ان کو گندی جڑی بوٹی کی مانند کانٹ چھانٹ کر اس باغ سے دور پھینک دیا ہو۔ خدا کے کام ہوتے رہیں گے اور ہوں گے۔ مگر اس کے فضلوں کے وارث، اس کا کام لینے کا ذریعہ کیوں نہ ہم اور ہماری اولادیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے کہ ہمارے گناہ ہم کو پیچھے ہٹا دیں اور ہمارا خدا اوروں کو اپنی خدمت کے لئے چن لے۔

معترض اپنی زبان بدگمانی یا بعض اوقات محض عادتاً کھولتا ہے کہ فلاں صاحب اقتدار میں یہ نقص ہے۔ فلاں ناظر ایسا، فلاں امیر ویسا، جماعت میں یہ کمزوری، وہ کمزوری، مگر نہیں سوچتا کہ یہ زہر سننے والوں کو بہت دور لے جا سکتا ہے۔ ان کا ایمان خراب کر سکتا ہے۔ ان کے دور ہوتے ہوتے بالکل دور ہو جانے کا امکان ہے۔ پس وہ خود ہی گنہگار نہیں ہوتا بلکہ بہتوں کی تباہی کا ذمہ دار ہے۔ ڈریں اور ڈر کر ہی ہمیشہ زبان کھولیں۔ نیک ظن رکھیں۔ نیک بات کی تشہیر کریں۔ جتنی بھی کرنے کو دل چاہے مگر اس بلا سے اپنے آپ کو اور اپنے بھائیوں کو بچالیں — اگر کوئی اعتراض پیدا ہو تو استغفار کریں، لاحول پڑھیں اور حسب ضرورت سوچ سمجھ کر طریق احسن اور نیک نیتی سے، کسی ذمہ دار ہستی سے باتیں کریں۔ تاکہ اگر آپ حق پر ہیں تو اس کا تدارک ہو سکے یا آپ کا شبہ دور کر دیا جائے۔

جو غیر ذمہ دار لوگوں کے سامنے اعتراض کی باتیں کرتا ہے خوب سمجھ لیں کہ وہ نیک نیت ہرگز نہیں۔ اس کا مقصد صرف فتنہ پھیلانا ہے — خدا تعالیٰ آپ سب کے ساتھ ہو۔ آپ کو اللہ تعالیٰ قلوب صافی بخشے۔ آپ نیک نمونے بنیں۔ آج خدام ہیں اور کل آپ انصار ہوں گے۔ اس وقت آپ نوجوانوں کے لئے ایسا نمونہ ہوں کہ جس کا گذشتہ ریکارڈ اور عمل قابل تقلید ہو۔ آمین

مبارکہ

محترم صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب

سابق نائب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ۔ ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر

برادران ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

برادرم مکرم مبارک محمود صاحب قائد علاقائی مجالس خدام الاحمدیہ لاہور ڈویژن نے خاکسار کو تحریک فرمائی ہے کہ لاہور ڈویژن کے خدام کی تربیتی کلاس تیئیس جولائی سے شروع ہو رہی ہے جس کے لئے خاکسار کوئی پیغام ارسال کرے۔ میرا یہ مقام تو نہیں کہ آپ لوگوں کو کسی پیغام کے ذریعہ مخاطب کروں مگر آپ کے قائد صاحب کی طرف سے تحریک کا احترام کرتے ہوئے اور اس وجہ سے بھی کہ میرا اور آپ کا تعلق ایک دینی بھائی کا ہے چند سطور لکھ رہا ہوں۔

آپ کو معلوم ہے کہ یہ زمانہ دینی لحاظ سے انتہائی نازک دور ہے۔ ایک طرف اسلام کے سچے خادم اور اللہ تعالےٰ کے مرسل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کمزور جماعت صحیح اسلام کی اشاعت میں کوشاں ہے تو دوسری طرف شیطان اپنے ہر قسم کے سامان سے بعض اللہ تعالیٰ کے بندوں کو گمراہی کی طرف کھینچ لانے میں میدان میں اُتر آیا ہے اور اس نے وہ حربے استعمال کرنے شروع کر دئے ہیں جو بظاہر بہت اچھے خوبصورت اور جاذب نظر ہیں۔ کہیں وہ قومیت کا جوش دلا کر لوگوں کے ذہن حقیقی دین سے دُور کرنے کی کوشش کرتا ہے تو کہیں دنیا کی زینت کا لالچ دیتا ہے۔ اس دور میں ایک مسلمان کے لئے اپنے تئیں محفوظ رکھنا بظاہر بالکل ناممکن نظر آتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کی نئی پود بھی شیطان کے ان حملوں سے کافی متاثر نظر آ رہی ہے مگر ہمارے لئے مایوسی کی ہرگز کوئی وجہ نہیں کیونکہ آج سے تہتر سال قبل اللہ تعالےٰ نے اپنے ایک حقیقی بندے کو اسلام کا حقیقی چہرہ دنیا میں دکھانے کے لئے کھڑا کیا اور اپنی قدرت سے اس کی اس طرح مدد فرمائی کہ مخالفین بھی انگشت بدنداں رہ گئے۔ اس مردِ خدا نے اسلام کی صحیح تعلیم کا عملی نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کیا اور اسلام کی تعلیم پر جو زنگ گذشتہ صدیوں میں چڑھ گیا تھا اس کو صاف کیا اور اس قدر تصانیف اس مقصد کے حصول کے لئے لکھیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ آپ کی یہ تصانیف اسی ایک

ایسا ہتھیار ہیں جن سے شیطان لعین کے ہر حملے کا جواب بڑی قوت سے دیا جا سکتا ہے اور جو شخص بھی آپ کی کتب کا مطالعہ التزام کے ساتھ جاری رکھے گا اس کی روح کی گندگی دھلتی جائے گی اور وہ ایک سچا مسلمان بن جائے گا اور شیطان اس پر کوئی اثر نہ ڈال سکے گا۔ پس اے میرے بھائیو اس نازک دور میں کہ جہاں ہر قدم پر ٹھوکر ہے صرف ایک ہی روشنی ہے کہ جو ہمیں بچا سکتی ہے اور وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصانیف ہیں جنہیں پڑھ کر انسان قرآن پاک اور حدیث شریف کی صحیح تعلیم کو حاصل کر سکتا ہے اور اپنے نفس کو گندگیوں اور آلائشوں سے پاک رکھ کر روحانیت میں ترقی کر سکتا ہے۔ مگر ایسا کرنا اپنے اوپر ایک موت وارد کرنا ہے۔ اور کوئی شخص اس موت کو وارد نہیں کر سکتا، جب تک کہ ہمارا پیارا رب ہماری مدد نہ فرمائے۔ ایسی موت وارد ہونے پر ہی ہمیں ایک ایسی نئی زندگی ملتی ہے جس میں کوئی خوف وخطرہ نہیں اور اس میں روح کو ایک تسکین حاصل ہوتی ہے۔ پس ہمارے سامنے اب صرف دو راستے ہیں۔ ایک یہ کہ شیطان کے جال میں پھنس کر ہم ایسی موت سے دوچار ہو جائیں جس میں ہمیشہ ہمیش کے لئے اندھیرا ہے۔ یا پھر صحیح اسلام کی تعلیم پر چل کر دنیاوی لحاظ سے ایسی موت اپنے اوپر وارد کر لیں کہ اس کے بعد پھر زندگی ہی زندگی ہے جس پر موت کبھی وارد نہیں ہوتی۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جو چند سال کی عیش وعشرت کی زندگی پر لات مار کر دینی مجاہدہ کی ایسی زندگی اختیار کرتا ہے جس کے بعد زندگی ہی زندگی ہے اور جس میں روح کو اطمینان اور قلب کو تسکین حاصل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے خاص فضل سے شیطان کے حملوں سے محفوظ رکھے اور ہمیں ایسی زندگی عطا فرمائے جو اس کی رضا پر چلنے والی ہو اور وہ ہمارا ہر آن ہر گھڑی حافظ وناصر ہو جائے۔ آمین اللھم آمین

وما توفیقنا الا باللہ

مرزا مسرور احمد

محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب

صدر مجلس خدام الاحمدیہ قادیان!

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ وعلی عبدہ المسیح الموعود۔

مجھ سے خدام الاحمدیہ لاہور ڈویژن کے عہدیداروں نے خواہش کی ہے کہ میں آپ کے نام کوئی پیغام ارسال کروں۔ لاہور ایسا شہر ہے جسے تاریخ احمدیت میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اس شہر میں متعدد بار قیام فرمایا۔ تقریریں کیں اور آپ کا وصال اکبر بھی اسی شہر میں ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی پہلی شادی اسی شہر کے ایک مشہور خاندان میں ہوئی۔ اور آپ کا اس شہر سے اتنا شدید تعلق رہا ہے کہ آپ نے اس کو اپنا دوسرا وطن قرار دیا۔ پھر آپ پر المصلح الموعود کی پیشگوئی کا انکشاف بھی اسی شہر میں ہوا اور داغ ہجرت کے بعد جماعت کا عارضی مرکز اسی شہر میں قائم ہوا۔ سیاسی، تمدنی اور تاریخی اعتبار سے بھی لاہور کو اتنی اہمیت حاصل ہے کہ یہاں کے لوگوں کا اثر سارے مغربی پاکستان میں پڑتا ہے۔ ایں میں حلقہ کے خدام کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں اور ان کے لئے ثواب کا بہت بڑا موقع ہے۔ جوانی اور صحت کے ایام خدا تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ اور اس کی قدر کرنی نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ یہ نعمت ایک دفعہ ہاتھ سے نکل جائے تو پھر اس کا حاصل ہونا ممکن نہیں۔ پس اے عزیزو اس نعمت کی قدر کرو اور اپنی طاقتوں کو دین کی خدمت میں پورے طور پر لگا دو۔ جہاں تک دنیوی ترقیات کا تعلق ہے آپ کے ذرائع اور اسباب اپنے پیش رو بزرگوں یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت اقدس مسیح موعود سے کہیں بڑھ کر ہیں لیکن کیا آپ کی قربانی کا جذبہ اطاعت اور اخلاص کے جذبہ اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے جذبہ میں اس نسبت سے ترقی ہوئی ہے۔ اگر نہیں تو یہی وجہ ہے کہ آپ کی جدوجہد اور کوشش اس رنگ میں ثمردار نظر نہیں آتی جیسی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تھی۔

آج کل ہمارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بوجہ طویل علالت کے پہلے کی طرح نوجوانوں کی ذاتی نگرانی نہیں فرما سکتے اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے وہ پاکباز ساتھی جن کے انفاس قدسیہ سے اللہ تعالیٰ کا نور و برکت حاصل ہوتا تھا، بھی ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے ہیں اور جو چند باقی ہیں وہ بھی چراغِ سحری ہیں۔ پس اعلائے کلمۂ اسلام کے لئے نوجوانانِ احمدیت پر ذمہ داریاں بہت زیادہ ہو گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ دوستوں اور عزیزوں کو توفیق دے کہ آپ اپنے پیش رو بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے اخلاص اور روحانیت کا وہ کامل نمونہ دکھائیں جس سے آئندہ تا قیامت تک آنے والی نسلیں مشعل راہ کا کام لے سکیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہم سب کا حافظ و ناصر ہو۔ آمین والسلام۔

مرزا وسیم

تقریب افتتاح پر

ایمان پرور خطابات

- جناب میر محمد بخش صاحب امیر جماعت احمدیہ ضلع گوجرانوالہ
- جناب شیخ مبارک احمد صاحب معتمد خدام الاحمدیہ مرکزیہ
- میاں محمد شریف صاحب قائد ضلع گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

افتتاحی تقریر

از جناب میر محمد بخش صاحب امیر جماعت احمدیہ ضلع گوجرانوالہ

بزرگو اور عزیزو! آج ہم یہاں اس لئے جمع ہیں کہ مجالس خدام الاحمدیہ لاہور ڈویژن کے لئے تربیتی کلاس کا افتتاح کیا جائے۔ یہ کام میرے ذمہ لگایا گیا ہے کہ میں اس تربیتی کلاس کا افتتاح کروں۔ گو میری خواہش یہ تھی کہ اس بابرکت کام کے لئے کسی بزرگ سلسلہ کو چنا جاتا لیکن اس کلاس کے منتظمین نے یہ کام میرے سپرد کیا ہے۔ اس لئے "الامر فوق الادب" کو مدنظر رکھتے ہوئے میں باوجود اپنی کمزوریوں کے اس کام کے لئے حاضر ہوں۔

اس کام کو شروع کرنے سے پہلے ہمارے لئے یہ معلوم کرنا ضروری ہوگا کہ حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے کن حالات میں اور کن مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مجلس کو جس کو خدام الاحمدیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ قائم کیا۔

احمدیت یعنی اصل اسلام کو آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کر لینے کے لئے حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے ضروری سمجھا کہ نوجوانوں کی ایک مجلس قائم کی جائے جن کی اس رنگ میں تربیت کی جائے کہ وہ احمدیت کی تعلیم کو اپنے اندر راسخ کر لیں۔ تاکہ وہ اسے آئندہ نسلوں تک اس کی صحیح صورت میں پہنچا سکیں۔ چنانچہ حضور کے ارشاد کے تحت مورخہ ۳۸/۲ء کو نوجوانوں کی ایک مجلس قائم کی گئی۔ جس کا نام حضور نے مجلس "خدام الاحمدیہ" رکھا اور حضور نے اپنے متعدد خطبات میں اس مجلس کے اغراض و مقاصد کی طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں:-

"میری غرض اس مجلس کے قیام سے یہ ہے کہ جو تعلیم ہمارے دلوں میں دفن ہے اسے ہوا نہ لگ جائے بلکہ وہ اسی طرح نسلاً بعد نسلٍ دلوں میں دفن ہوتی چلی جائے۔ آج وہ ہمارے دلوں میں دفن ہے تو کل وہ ہماری اولادوں کے دلوں میں۔ یہاں تک یہ تعلیم ہم سے وابستہ ہو جائے۔ ہمارے دلوں کے ساتھ چمٹ جائے اور ایسی صورت اختیار کر لے جو دنیا کے لئے مفید اور بابرکت ہو۔ اگر ایک یا دو نسلوں تک ہی یہ تعلیم محدود رہی تو کبھی ایسا پختہ رنگ نہ دے گی جس کی اس سے توقع ہے" (الفضل ۱۷ فروری ۱۹۳۹ء)

ایک دوسرے موقعہ پر فرماتے ہیں:-

"خدام الاحمدیہ کا کام کوئی معمولی کام نہیں۔ یہ نہایت ہی اہمیت رکھنے والا کام ہے اور درحقیقت خدام الاحمدیہ

میں داخل ہونا اور اس کے مقررکردہ قواعد کے ماتحت کام کرنا ایک اسلامی فوج تیار کرنا ہے۔ مگر ہماری فوج وہ نہیں جس کے ہاتھوں میں بندوقیں یا تلواریں ہوں۔ بلکہ دلائل مذہبی۔ دعائیں۔ اخلاق فاضلہ۔ یہی ہماری توپیں اور یہی ہماری تلواریں ہیں۔ ان ہی توپوں اور ان ہی تلواروں سے ہم نے دنیا کے تمام ادیان کو فتح کرکے اسلام کا پرچم لہرانا اور غلبہ واقتدار حاصل کرنا ہے" (الفضل ۷ اپریل ۳۹ء)

پھر ایک دوسرے مقام پر فرمایا:-

"میں نے خدام الاحمدیہ۔ انصاراللہ و لجنہ اماءاللہ کی تحریکات جاری کی ہیں۔ ان سب کا یہ کام ہے کہ نہ صرف اپنی ذات میں نیکی قائم کریں بلکہ دوسروں میں بھی پیدا کرنے کی کوشش کریں (الفضل ۲۱ فروری ۴۳ء)

نیز ایک دیگر موقعہ پر فرمایا:-

"خدام الاحمدیہ کی غرض درحقیقت یہی ہے کہ وہ تنظیم کے ماتحت جماعت کے ہر فرد کے اندر یہ احساس پیدا کردیں کہ ضرورت کے موقع پر بلا دریغ اور بلا وقفہ ہر شخص خدمت کے لئے حاضر ہو" (الفضل ۱۲ اگست ۴۷ء)

پھر فرمایا:-

"مجلس خدام الاحمدیہ میں جو بھی شامل ہو۔ وہ یہ اقرار کرے کہ میں آئندہ یہ ہی سمجھوں گا کہ احمدیت کا ستون میں ہی ہوں۔ اگر میں ذرا بھی ہلا اور میرے قدم ڈگمگائے تو میں یہ سمجھوں گا کہ احمدیت پر زد آگئی" (الفضل ۱۳ اپریل ۳۸ء)

اس مجلس کی اہمیت واضح کرنے کے لئے میں صرف ان چند اقتباسات پر اکتفا کرتا ہوں۔ کیونکہ ان کے ذریعہ سے اس کے اغراض و مقاصد کافی حد تک آپ کے سامنے آگئے ہوں گے۔ چنانچہ حضور کے ارشادات کی روشنی میں جو دستور اساسی اس مجلس کے لئے بنایا گیا ہے اس میں جو اغراض و مقاصد اس مجلس کے بیان کئے گئے ہیں۔ اُن میں سے پندرھواں مقصد یہ قرار دیا گیا ہے:-

"قوم کے بچوں کی اس رنگ میں تربیت و نگرانی کرنا کہ اُن کی آئندہ زندگیاں قوم کے لئے مفید ہوسکیں"

یہ تربیتی کلاس جس کا افتتاح آج کیا جارہا ہے۔ اسی مقصد کو حاصل کرنے کیلئے جاری کی گئی ہے۔ تاکہ لاہور ڈویژن کے ایسے نوجوان یہاں جمع ہوں جو اپنی تربیت بزرگان سلسلہ کی زیرنگرانی ایسے رنگ میں کریں کہ وہ نہ صرف خود اس مجلس کے اغراض و مقاصد کو صحیح طور پر پورا کرنے والے ہوں بلکہ اپنی اپنی جگہ جاکر وہ دوسرے نوجوانوں کی رہنمائی بھی کرسکیں۔ تاکہ وہ بھی ان اغراض و مقاصد کو پورا کرسکیں یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ منتظمین تربیتی کلاس نے جو لائحہ عمل آپ کے لئے بنایا ہے آپ اس پر عمل کرنے کی پوری کوشش کریں اور یہاں پر آپ کا کوئی لحہ ضائع نہ ہو۔ آپ کی یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ نوجوانوں کا یہ اجتماع میلہ کی صورت اختیار نہ کر جائے اور ان کا وقت لہو و لعب میں صرف نہ ہو۔ بلکہ ہر آن اُن کو تقویٰ میں ترقی دینے والی ہو اور خدا کا قرب حاصل کرنے میں ممد اور معاون ہو۔ دوسرے لوگوں کے اجتماع عیش و عشرت کے لئے ہوتے ہیں لیکن آپ کا اجتماع آپ کے اندر روحانی بالیدگی پیدا کرنے والا ہو۔

پروگرام تربیتی کلاس کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ منتظمین نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ آپ کی روحانی

اور جسمانی تربیت کے لئے ہر قسم کا سامان مہیا کریں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مرکز و دیگر مقامات سے بزرگان سلسلہ کو تکلیف دی گئی ہے کہ وہ اپنے علم، تقویٰ، طہارت اور تجربہ سے آپ کو مستفید فرمائیں۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ آپ اس نعمت سے فائدہ اٹھاویں اور اللہ تعالیٰ کے مزید انعامات کے اہل بنیں اور اس نعمت کا کفران کر کے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستوجب نہ بنائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لئن شکرتم لازیدنکم و لئن کفرتم ان عذابی لشدید۔ اس لائحہ عمل کے ذریعہ آپ کو قرآنی علوم سے آگاہ کیا جائے گا۔ نبی کریمؐ کی احادیث سے واقف کیا جائے گا۔ اسلام اور احمدیت کی تاریخ آپ کے سامنے لائی جائے گی۔ اور ہر ممکن طریق سے اسلامی تعلیم و عقائد سے باخبر کیا جائے گا۔ اور اس تعلیم پر عمل کرا کر اسلام کا صحیح نمونہ بننے کی مشق کرائی جائے گی۔ علاوہ اس کے جسمانی تربیت کا بھی پورا پورا خیال رکھا جائے گا۔ کیونکہ ایک صحت مند روح کے لئے صحت مند جسم کی اشد ضرورت ہے اور جب تک انسان کی جسمانی صحت درست نہ ہو۔ وہ کوئی بھی دین کا کام یا دینی خدمت صحیح طور پر ادا نہیں کر سکتا۔ اور ایک مومن کا فرض ہے کہ وہ اپنے جسم کی بھی پوری پوری نگہداشت رکھے۔ کیونکہ جسم روح کے لئے ایک گھوڑا ہے۔ جو اگر لاغر اور بیمار ہوگا تو روح اپنا کام صحیح طور پر نہ کر سکے گی۔ ہاں صرف اس امر کی احتیاط چاہیئے کہ جسم کی دیکھ بھال جسم کے لئے نہ ہو بلکہ نیت یہ ہو کہ اگر جسم مضبوط ہوگا تو دینی خدمت صحیح طور پر ادا ہو سکے گی اور ایسا شخص جو اس نیک نیت سے جسم کی پرورش کرتا ہے اُس کا یہ عمل بھی اُس کی نیکی میں شمار ہوگا۔

یہ تربیتی کلاس گو خدام الاحمدیہ کے لئے جاری کی جارہی ہے لیکن اس سے جماعت کے بزرگ اور بچے بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ چنانچہ منتظمین نے اس میں شمولیت کی دعوت ہر خاص و عام کو دی ہے۔ اور اس کے پروگرام کے وہ حصے جو خاص طور پر روحانی تربیت سے تعلق رکھتے ہیں وہ ہر عمر کے احمدی کے لئے سوائے بالکل چھوٹی عمر کے بچوں کے یکساں مفید اور قابل عمل ہیں۔ جہاں تک جسمانی تربیت کے پروگرام کا سوال ہے ایسے اشخاص جو اپنی عمر کے لحاظ سے اس کے بعض حصوں میں شامل نہیں ہو سکتے وہ کم از کم اس پروگرام پر عمل ہوتے دیکھ کر اس میں حصہ لینے والوں کی ہمت افزائی کر سکتے ہیں اور خود بھی محظوظ ہو سکتے ہیں۔ منتظمین نے اُن کے لئے بھی رہائش و خوراک کا معقول انتظام کیا ہوا ہے۔

میری اس افتتاحی تقریر اور دعا کے لئے ۱۵ منٹ کا وقت مقرر تھا اور میں چاہتا ہوں کہ وقت کے اندر اپنی اس تقریر اور دعا کو ختم کر دوں۔ کیونکہ پابندی وقت بھی تربیت کا ایک اہم پہلو ہے اور اس تربیتی کلاس کا یہ مقصد بھی ہے کہ نوجوانوں میں پابندی وقت کا احساس پیدا کیا جائے۔ یہ جماعتی ترقی کے لئے اشد ضروری ہے۔ اس لئے میں اس تربیتی پہلو کی ابتدا اپنی ذات سے شروع کرتا ہوں اور توقع رکھتا ہوں کہ جن بزرگان کو یہاں تشریف لا کر ہمارے اس پروگرام کی تکمیل کی تکلیف دی گئی ہے وہ بھی تربیت کے اس پہلو کو مدنظر رکھیں گے اور نوجوانوں کے لئے ایک نیک نمونہ پیش کریں گے۔ اب میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا کرے کہ جس مقصد کے لئے ہم یہاں جمع ہوئے ہیں اس کو مدنظر رکھیں اور اس کے حصول کے لئے پوری تن دہی سے کوشاں ہوں۔

خدام سے خطاب

(از مکرم جناب شیخ مبارک احمد صاحب معتمد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ)

احباب کرام! دنیا میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی آئندہ نسل ہر لحاظ سے بہتر ہو۔ دین میں بھی وہ اس سے آگے ہوں اور دنیا میں بھی لیکن یہ امر تبھی پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے جبکہ اپنی اولاد کی تربیت اور حفاظت کا پورا انتظام کیا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کی وحشی قوم میں وہ تغیر عظیم پیدا کیا کہ جس کو دیکھ کر حیرت آتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عربوں میں کوئی ایسی برائی نہ تھی جو نہ پائی جاتی ہو۔ چوری۔ ڈاکہ۔ شراب خوری اور زنا کاری یہ سب باتیں ان میں عام تھیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں ایسی تبدیلی پیدا کی کہ وہ لوگ تمام برائیوں سے مبرا ہو کر خدائے واحد کے پرستار بن گئے۔ دن رات خدا کی عبادت اور خدا تعالےٰ کے دین کے لئے قربانیاں کرنا ان کا شیوہ تھا۔ اس خوبی کی بدولت وہ لوگ آندھی کی طرح اٹھے اور مشرق سے مغرب تک چھا گئے اور کوئی طاقت ان کو روک نہ سکی۔ لیکن جونہی انہوں نے اپنی اولادوں سے تغافل برتا اسلام پر تنزل کا زمانہ شروع ہو گیا اور وہ حاکم کی بجائے ایک محکوم قوم بن گئے اور ذلت اور نکبت نے ان کو آگھیرا اور ان کی نسلیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے نکل کر عیسائیت کی آغوش میں آگئیں۔ اللہ تعالےٰ نے اسلام کو دوبارہ عروج بخشنے کے لئے اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا ہے۔ آپ کو اس لئے بھیجا گیا ہے تا اسلام کے باغ پر پھر سے بہار کا موسم آئے اور دنیا اس کے میٹھے پھلوں سے متمتع ہو سکے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارد گرد اکٹھے ہونے والے لوگ صحابہ کے مثیل تھے۔ انہوں نے دنیا کو چھوڑ کر دین کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔ اور اپنی خواہشوں کو خدا تعالیٰ کی مرضی پر قربان کر دیا تھا چنانچہ ان کی قربانی کی بدولت اسلام میں پھر ترو تازگی کے دن آنے شروع ہو گئے اور ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اسلام ساری دنیا پر غالب ہوتا نظر آرہا ہے لیکن یہ غلبہ تبھی مکمل ہو سکتا ہے اور تا قیامت رہ سکتا ہے جبکہ ہماری ہر نسل پہلی نسل سے بڑھ کر عبادت گزار۔ خدا پرست اور بنی نوع انسان کی خدمت کرنے والی ہو۔ اگر ہم نے اپنی اولاد کے بارے میں کوئی تغافل برتا تو ہم خدا تعالےٰ کے حضور سرخرو نہ ہو سکیں گے یہ امر کہ ہماری ہر نسل کا تعلق خدا تعالےٰ کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ ہو، تبھی پوری طرح حاصل ہو سکتا ہے جبکہ ہم ایسا انتظام کریں کہ ہر زمانہ میں ہماری آنے والی نسلیں نماز با جماعت کی پابند اور دعاؤں کے ساتھ شغف رکھتی ہوں۔

یہ ظاہر ہے کہ نماز میں ذوق وشوق تبھی پیدا ہو سکتا ہے جب نماز کا ترجمہ اور اس کا مطلب ہمیں سمجھ میں آتا ہو۔ اور قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے ہمارے پاس علم ہو تاکہ جب ہم قرآن مجید کو نمازوں میں پڑھیں یا ویسے اس کا مطالعہ کریں تو ہمیں یہ علم ہو کہ اللہ تعالےٰ

ہم سے کیا چاہتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی محبت کے بعد بنی نوع انسان کی خدمت بہت اہم چیز ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم بیواؤں اور یتیموں کا سہارا بنیں۔ بے کسوں اور مسکینوں کے مددگار ہوں۔ اسی طرح خدمت خلق کو تبھی ہم پورے طور پر بجا لا سکتے ہیں جبکہ ہم اپنے ہاتھ سے کام کرنا عار نہ سمجھیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے احمدیت کی آنے والی نسلوں میں یہ تمام باتیں پیدا کرنے کے لئے خدام الاحمدیہ کا لائحہ عمل ایسا مقرر فرمایا ہے کہ جس کی وجہ سے ایک طرف ہماری آئندہ آنے والی نسلیں خدا تعالیٰ سے تعلق رکھنے والی بن سکتی ہیں۔ اور دوسری طرف وہ حقوق العباد کو باحسن وجوہ پورا کر سکتی ہیں۔ چنانچہ حضور نے خدام کو بار بار اس طرف توجہ دلائی ہے کہ انہیں نماز باجماعت ادا کرنی چاہئیے اور اس بات کی نگرانی کرنی چاہئیے کہ کوئی خادم اس سے غفلت نہ برتے اور یہ کہ انہیں نماز کا ترجمہ آتا ہو اور قرآن مجید کے معانی سے وہ واقف ہوں تاکہ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط ہوتا جائے۔ پھر بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے بیواؤں، یتامیٰ اور مساکین کی خبرگیری کا خاص ارشاد فرمایا ہے۔ ہاتھ سے کام کرنے کے لئے وقار عمل کی تلقین فرمائی ہے۔

آج ہماری قوم جبکہ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے وہ اپنے ہاتھوں سے کام کرنے پر پھولا نہیں سماتی لیکن یہ فخر ہماری جماعت کو حاصل ہے کہ ان کے رہنما نے ان کو آج سے بائیس سال پیشتر اس راستہ پر چلا دیا۔ جس پر آج ہماری قوم نے چلنا شروع کیا ہے الغرض حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے خدام الاحمدیہ کو قائم کر کے ہر اس امر کو خدام کے لائحہ عمل میں رکھ دیا ہے جو کسی قوم کی ترقی کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائے جوانی سے ہی دو بڑے مشغلے تھے اول خدا تعالیٰ کی عبادت دوم بنی نوع انسان کی خدمت۔ چنانچہ آپ کئی کئی دن غار حرا میں جا کر عبادت فرماتے اور خدا تعالیٰ کی محبت کو حاصل کرنے کی کوشش فرماتے۔ پھر بنی نوع انسان کی خدمت جس جانفشانی سے آپ فرماتے اس کا ذکر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ایک بیان میں آتا ہے۔ جب آنحضرت صلعم کے پاس غار حرا میں فرشتہ خدا تعالیٰ کا پیغام لے کر آیا کہ آپ کو دنیا کی ہدایت کے لئے مامور کیا جاتا ہے اس وقت آپ گھبرا کر گھر پہنچے اور حضرت خدیجہ کو بتایا۔ اس پر وہ فوراً بول پڑیں کلا واللہ لا یخزیک اللہ ابدا انک لتصل الرحم وتکسب المعدوم وتحمل الکل وتعین علی نوائب الحق۔ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو کیسے ضائع کر سکتا ہے جبکہ آپ تمام رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ وہ اخلاق جو دنیا سے نابود ہو چکے ہیں انہیں قائم کرتے ہیں۔ ضعیفوں بیواؤں، یتیموں کے آپ سہارا ہیں۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو طریق کار تھا اسی طریق کار کو نوجوانوں میں قائم کرنے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے خدام الاحمدیہ کا قیام فرمایا ہے۔

بھائیو! ہم پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور یہ ذمہ داری اس وقت تک ادا نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ ہم میں سے ہر ایک شخص دیکھنے والی آنکھیں اور سننے والے کان اور سمجھنے والا دل نہ رکھے۔ ہمارے پیارے رہنما نے

ہمیں ترقی کی شاہراہ پر ڈال دیا ہے۔ اگر ہم آپ کے ارشادات پر عمل نہیں کرتے تو ہم خدا تعالےٰ کے حضور جواب دہ ہونگے خدام الاحمدیہ کی اہمیت اور احساس کو پیدا کرنے کے لئے اور اس کے پروگرام کی ٹریننگ دینے کے لئے مرکز میں اور دیگر مقامات پر تعلیمی اور تربیتی کلاسز کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ اور یہ بات بہت ہی خوش کن ہے کیونکہ اس سے بظاہر ہوتا ہے کہ نوجوانان احمدیت خدام الاحمدیہ کی اہمیت کو سمجھتے ہیں، پس ایسی کلاسز جہاں جہاں بھی شروع کی جائیں وہاں خدام کا فرض ہے کہ وہ اس میں پوری دلچسپی سے حصہ لیں اور کوشش کریں کہ جو کچھ انہیں تھوڑے عرصہ میں پڑھایا جاتا ہے اس کو یاد کریں اور اس تعلیم کو جس کی چاشنی انہیں چکھائی جاتی ہے اسے مکمل کرنے کی سعی کرتے رہیں۔ عبادت کا شوق پیدا کرنا، علم دین کا حاصل کرنا۔ قرآن مجید کا ترجمہ جاننا اور بنی نوع انسان کی ہمدردی کا دل میں جذبہ پیدا کرنا یہ سب ایسی باتیں ہیں جو انسان کو ترقی کی شاہراہ پر ڈال دیتی ہیں۔

پس ہم میں سے ہر ایک شخص کو یہ سارے اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے چاہئیں اور کوشش کرنی چاہیئے کہ ہماری اولادیں اپنے بزرگوں کی پوری طرح سے جانشین ہوں اور دعاؤں میں انہیں ایسا شغف ہو کہ جب وہ مصلیٰ پر جا کر اللہ تعالےٰ کے حضور عجز و نیاز کے آنسو بہائیں تو اللہ تعالےٰ انہیں قبول فرمائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر مجھے چالیس مومن مل جائیں تو دنیا میں ایک انقلاب آ سکتا ہے۔ پس اللہ تعالےٰ ہمیں ان لوگوں میں سے بنائے جن کے حصول کی خواہش حضرت مسیح پاک علیہ السلام کو تھی تا اسلام کا جھنڈا ساری دنیا پر لہرانے لگے اور دنیا پر صرف خدائے واحد کی عبادت کی جائے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی افضل الرسل یقین کیا جائے۔ اور آپ کے لائے ہوئے قرآن پر عمل کرنا ہی موجب نجات سمجھا جائے۔ اللھم آمین

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز جنہوں نے احمدیت کی قیامت تک کی نسلوں پر یہ احسان فرمایا ہے کہ انہیں ایسی راہ بتا دی ہے جس پر اگر وہ چلتے چلے جائیں تو کبھی تنزل کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔ وہ اس وقت بیمار ہیں اور آپ کی بیماری لمبی ہوتی جا رہی ہے۔ اس کے پیش نظر ہم نوجوانوں کا فرض ہے کہ ہم آپ کی صحت کے لئے گڑگڑا کر دعائیں کریں اور خدا تعالےٰ کے فضل کو جذب کریں تا اللہ تعالےٰ حضور کو پھر سے صحت اور کام کرنے والی زندگی دے کیونکہ وہ قادر مطلق ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کوئی بات اس کے سامنے انہونی نہیں۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو توفیق عطا کرے کہ ہم حضور کے ارشادات پر عمل کر کے سچے مومن بن سکیں۔ (اللھم آمین)

خوش آمدید

(از میاں محمد شریف صاحب قائد ضلع گوجرانوالہ)

یہ ہمارے لئے خوشی اور فخر کا مقام ہے کہ امسالی ڈویژنل تربیتی کلاس کے انعقاد کے لئے گوجرانوالہ شہر کو منتخب کیا گیا ہے اور آپ صاحبان نے ہمیں خدمت کا ایک انمول موقعہ مہیا کر دیا ہے۔ دنیا میں روزانہ ہزاروں اجتماع ہوتے ہیں اور اس وقت جبکہ ہم یہاں جمع ہیں مجھے یقین ہے کہ خدا تعالیٰ کی اس سرزمین پر مختلف شہروں میں کئی قسم کے اجتماع ہو رہے ہوں گے مگر ہمارے اجتماع اور ان کے اجتماع میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ہم کسی دنیاوی مقصد کے لئے نہیں۔ کسی سیاسی برتری کے لئے نہیں بلکہ محض اصلاح نفس کے لئے جمع ہو رہے ہیں اور زمانہ ایسے اجتماعات انبیاء کرام کے دور میں یا ان کی قائم کردہ جماعتوں میں ہی دیکھتا رہا ہے۔ انبیاء کرام کا زمانہ بھی یوم الجمعہ ہوا کرتا ہے۔ اور آپ سب حضرات اپنے دنیاوی کاروبار اور تجارتیں چھوڑ کر خدا تعالیٰ کی آواز پر اُس یوم الجمعہ کے قیام کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ یہ ایک ہفتہ کا دور ہوگا جو انسانی زندگی کے لحاظ سے معمولی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر یہ ایک ہفتہ مقاصد کے لحاظ سے کئی زندگیوں پر بھاری ہے۔ اس ایک ہفتہ کو زندگی، روحانیت اور علم و معلومات سے بھرپور کرنے کے لئے سلسلہ کے بزرگان تک کو تکلیف دی گئی ہے۔ چونکہ یہ روحانی اور تربیتی اجتماع شہر گوجرانوالہ میں ہو رہا ہے اور خوش قسمتی سے اس وقت شہر گوجرانوالہ کا قائد خاکسار ہے۔ اس لئے میں بزرگان سلسلہ کا خصوصاً شکریہ ادا کرتا ہوں جو اپنے قیمتی اوقات کی قربانی اور سفر کی تکالیف کو برداشت کر کے اس ناخوشگوار موسم میں ہماری استدعا پر تشریف لے آئے ہیں۔ محض اس لئے کہ سرمایہ علم و معلومات نوجوانوں کے قلوب و اذہان میں اُنڈیل سکیں۔ میں ان سب خدام کو خوش آمدید کہتا ہوں جو اصلاح نفس اور تربیت و تعلیم کی غرض سے اس مصروفیت اور ہما ہمی کے دور میں ایک ہفتہ قربان کر کے یہاں تشریف لاتے ہیں۔ میں اُن سے اُمید رکھتا ہوں کہ وہ اپنے اس وقت کی قدر اور اہمیت کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں گے۔ اور اس احساس سے کہ یہ مواقع بار بار نہیں آیا کرتے ان ایام سے پورا پورا ہی نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی کوشش کریں گے آگ کے قریب بیٹھنے سے انسان آگ میں تبدیل تو نہیں ہو جاتا مگر کچھ نہ کچھ حرارت ضرور اخذ کر لیتا ہے۔ بزرگوں عالموں اور صالحوں کی مجالس میں بیٹھنے ان کی گفتگو سننے اور اُن سے قلبی تعلقات رکھنے سے بھی ہم بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔ خدا کرے کہ آپ کا یہاں آنا اور اس اجتماع میں شامل ہونا نہ صرف آپ کے لئے ہی مبارک ہو

بلکہ آپ کے گھرانے، مجلس اور علاقہ کے لئے بھی روحانی برکات کا باعث بنے۔ آمین۔ میں بحیثیت ایک میزبان مجلس کے آپ سب کو خوش آمدید کہتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ جس نیک اور ارفع مقصد کے لئے آپ صاحبان اکٹھے ہوئے ہیں اور جس خدمت کی سعادت بخشی ہے خدا تعالیٰ اس مقصد میں آپ کو کامیاب و کامران کرے آمین!

روحانی، تربیتی اور اصلاحی

امور پر مشتمل

بلند پایہ مقالے

سیرۃ ابن ہشام

کے متعلق

حضرت میاں بشیر احمد صاحب ایم۔ اے کا خط شیخ محمد اسماعیل پانی پتی کے نام

مکرمی و محترمی شیخ صاحب: السلام علیکم: چند روز ہوئے آپ کی طرف سے کتاب "سیرۃ ابن ہشام" (اردو) موصول ہوئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں زمانہ کے لحاظ سے یہ کتاب دوسرا درجہ رکھتی ہے۔ پہلے درجہ پر امام زہری کا مجموعہ تھا مگر ان کی تصنیف اب نہیں ملتی۔ اس لئے سیرۃ ابن ہشام کو ہی اول درجہ حاصل ہے۔ یہ کتاب بڑی بسیط اور بڑی جامع ہے۔ اس کی اکثر باتیں چشم دید روایات پر مبنی ہیں جنہیں مشہور مورخ ابن اسحاق نے جمع کیا تھا اور ان کی کتاب ناپید ہونے پر ابن ہشام نے اس مجموعہ کو دوام کی زندگی عطا کی۔ ابن ہشام کی روایات بڑی مفصل اور بڑی جامع اور بڑی ہمہ گیر ہیں۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی ساری روایات درست ہیں مگر اس میں کلام نہیں کہ یہ ایک بڑی قابلِ قدر کتاب ہے۔ آپ نے اس کتاب کو اردو میں پیش کر کے مسلمانوں پر اور اردو لٹریچر پر بڑا احسان کیا ہے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ کتاب کی عبارت بہت سلیس اور سادہ اور بامحاورہ ہے اور آپ کی طرف سے فٹ نوٹوں نے اس کتاب میں مزید خوبی اور دلکشی پیدا کر دی ہے۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کو سیرۃ ابن ہشام بہت پسند تھی۔ حضور کی کتاب فصل الخطاب کے اکثر واقعات ابن ہشام سے ماخوذ ہیں۔ حضور نے اپنی سیرۃ ابن ہشام کے نسخہ پر جا بجا اپنے قلم سے نوٹ کئے ہوئے تھے جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ خاکسار مرزا بشیر احمد ۶ جولائی ۱۹۶۱ء

سیرۃ ابن ہشام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں سب سے زیادہ قدیم اور سب سے زیادہ مستند اور سب سے زیادہ مفصل سوانح عمری ہے جو دوسری صدی ہجری میں عربی میں لکھی گئی۔ اس کا یہ اردو ایڈیشن ہے جو حال میں بڑی خوبصورتی اور نفاست کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ مضبوط جلد، نہایت ہی خوشنما اور رنگین سرورق۔ شروع میں آنحضرت صلعم کے ایک تبلیغی خط کا فوٹو۔ جگہ جگہ مفید حواشی۔ تمام کتاب چھوٹے چھوٹے ذیلی عنوانات سے بھری ہوئی۔ قیمت دس روپے

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی کی بعض دوسری کتابیں

تاریخ تبلیغ اسلام در ہندوستان ۱/۸ - اللہ کی باتیں ۱۰/- رسول اللہ کی باتیں ۱۰/- دس بڑے مسلمان ۴/- رسول اللہ کے جانشین ۱/- مکتوبات سرسید ۱۲/- سرسید کا سفرنامہ لندن ۳/- شعرائے متغزلین ۱/۸ - مکاتیب حالی ۲/۸

شیخ محمد احمد پانی پتی کی عربی سے ترجمہ شدہ نہایت اعلیٰ کتابیں

خدیجہؓ ۲/- نبی امی ۵/- سید العرب ۳/- ابوبکر صدیق اکبرؓ ۴/۸ - خلفائے محمد ۱۰/- عائشہؓ ۲/۸ - الزہراؓ ۱/- الحسینؓ ۲/۴ - خالد سیف اللہ ۲/۴ - عمرو بن العاص ۵/- الفاروق ۲/۴ - معاویہؓ ۶/- خالد اور ان کی شخصیت ۴/- بلالؓ ۲/۴ - عہد نبوی کی اسلامی سیاست ۵/- اسلام کا نظام عدل ۴/- علی و عائشہ ۲/- آل محمد کربلا میں ۳/- ان کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک خط کا نہایت خوبصورت فوٹو بطور قطعہ ۵/

حالی بک ڈپو۔ رام گلی نمبر ۳۔ بلڈنگ نمبر ۱۸۔ لاہور ۔ ۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

ذات باری کا عرفان اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام

از جناب شیخ محمد احمد صاحب پانی پتی

(ناظم تعلیم مجلس خدام الاحمدیہ لاہور)

اللہ تعالیٰ کے نبی دنیا میں ہمیشہ اس لئے آتے ہیں کہ توحید کو دنیا میں قائم کریں اور راہ راست سے بھٹکی ہوئی دنیا کو اس کے حقیقی پروردگار کے آستانے پر لا کر لوگوں کے دلوں میں اس حی وقیوم کی سچی محبت پیدا کر دیں۔ دیگر انبیاء کی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد سے قبل بھی دنیا اپنے خداوند حقیقی کو بالکل فراموش کر چکی تھی۔ فلسفہ کے زیر اثر الحاد کی رو روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ جو لوگ زبان سے اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار کرتے تھے ان کی بھی حالت یہ تھی کہ نہ انہیں خدا تعالیٰ کی صفات کا علم تھا اور نہ دلوں میں اپنے پروردگار حقیقی کی محبت کی کوئی چنگاری باقی تھی۔ ابنائے زمانہ کی یہ حالت دیکھ کر قادیان کی بستی کے رہنے والے ایک شخص کا دل خون ہو گیا اور وہ تن من دھن سے دنیا میں خدا تعالیٰ کی توحید اور دلوں میں اس کی محبت قائم کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اس نے اس آواز کے ساتھ دنیا کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

"میری ہمدردی کے جوش کا اصل محرک یہ ہے کہ میں نے ایک سونے کی کان نکالی ہے اور مجھے جواہرات کے معدن پر اطلاع ہوئی ہے اور مجھے خوش قسمتی سے ایک چمکتا ہوا اور بے بہا ہیرا اس کان سے ملا ہے اور اس کی اس قدر قیمت ہے کہ اگر میں اپنے تمام بنی نوع بھائیوں میں وہ قیمت تقسیم کروں تو سب کے سب اس شخص سے زیادہ دولت مند ہو جائیں گے جس کے پاس آج دنیا میں سب سے بڑھکر سونا چاندی ہے، وہ ہیرا کیا ہے؟ سچا خدا۔" (اربعین نمبر ا صفحہ ۲)

جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کے وقت الحاد کی ایک عظیم الشان رو دنیا میں جاری تھی۔ اللہ کا یقین لوگوں کے دلوں سے اُٹھتا جا رہا تھا اور دہریت اپنے پاؤں آہستہ آہستہ مضبوط کرتی جا رہی تھی۔ مسیح پاک علیہ السلام نے اس رو کا مقابلہ کرنے کے لئے دو دھاری تلوار سے کام لیا۔ ایک طرف آپ نے اللہ تعالیٰ کی ہستی کے متعلق عقلی دلائل پیش کئے دوسری طرف انہیں کافی نہ سمجھتے ہوئے روحانی دلائل کو دنیا کے سامنے پیش کر کے دہریت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔ اس زمانہ میں جبکہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں سے انکار کیا جا رہا تھا، زبانوں پر تو اس کا نام تھا لیکن دل اس کی محبت سے خالی تھے، آپ نے اعلان کیا کہ اسلام کا خدا زندہ خدا ہے، جو ہر زمانہ میں اپنے نشانات اور معجزات سے اپنے موجود ہونے کا حتمی ثبوت دنیا کے سامنے پیش کرتا رہتا ہے آج تک خدا کی ہستی کے ثبوت میں عقلی دلائل ہی پیش کئے جاتے تھے جنہیں خدا کے منکر فلسفیانہ موشگافیوں کے ذریعہ رد کر دیتے تھے۔ لیکن جب خدا کے مسیح نے عقلی دلائل کے علاوہ روحانی دلائل بھی پیش کئے اور ان ہزارہا نشانات کو جو اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی کو ثابت کرنے کے لئے اپنے مقدس بندے کے ذریعہ نازل فرمائے تھے پیش کیا تو اللہ تعالیٰ کے وجود سے انکار کرنے والے حیران و ششدر رہ گئے، اُن کی زبانیں گنگ ہو گئیں اور وہ ان تازہ اور زندہ دلائل کا جواب دینے سے ہر طرح سے عاجز آ گئے۔

میں اپنے اس مضمون میں سب سے پہلے بعض ان عقلی دلائل کا ذکر کروں گا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت میں پیش کئے۔ اس کے بعد روحانی دلائل کا تذکرہ کروں گا اور بتاؤں گا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسلام کے خدا کو کس طرح زندہ خدا ثابت کیا۔ بعد ازاں ان صفات الٰہیہ کا ذکر کروں گا جنہیں لوگ فراموش کر چکے تھے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آکر انہیں از سر نو دنیا کے سامنے پیش کیا اور آخر میں یہ بتاؤں گا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی جماعت کو خدا شناسی کے کس مرتبہ پر دیکھنا چاہتے تھے اور خدا تعالیٰ سے تعلق کے سلسلہ میں حضور اپنے متبعین سے کس بات کی توقع رکھتے تھے۔ وباللہ التوفیق۔

خدا تعالیٰ کی ہستی پر عقلی دلائل

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیگر متکلمین کے برعکس خدا تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت میں اپنی طرف سے کچھ پیش نہیں کیا۔ بلکہ جو بھی دلائل پیش کئے وہ قرآن کریم سے اخذ کر کے پیش کئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس امر کو بار بار دنیا کے سامنے پیش کیا تھا کہ الہامی کتاب وہی ہو سکتی ہے جو دعوے کے ساتھ دلائل بھی دے۔ چونکہ حضور کا دعویٰ تھا کہ کامل الہامی کتاب جو اس زمانہ میں قابل عمل ہے وہ قرآن کریم ہے اس لئے حضور نے اپنی کتابوں میں اس امر کا التزام رکھا ہے کہ جو دعویٰ بھی پیش کرتے تھے اس کی دلیل قرآن کریم ہی سے پیش کرتے تھے۔ ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت میں بھی آپ نے اسی امر کو پیش نظر رکھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:-

عقلی طور پر قرآن شریف نے خدا کی ہستی پر کیا کیا عمدہ اور بے مثل دلائل دئے ہیں جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے ربنا الذی اعطی کل شیء خلقہ ثم ھدی یعنی خدا وہ ہے کہ جس نے ہر ایک شے کے مناسب حال اس کو پیدائش بخشی پھر اس شے کو اپنے کمالات مطلوبہ حاصل کرنے کے لئے راہ دکھلا دی۔ اب اگر اس آیت کے مفہوم پر نظر رکھ کر انسان سے لے کر تمام بحری اور بری جانوروں اور پرندوں کی بناوٹ تک دیکھا جائے تو خدا کی قدرت یاد آتی ہے کہ ہر ایک چیز کی بناوٹ اس کے مناسب حال معلوم ہوتی ہے۔

دوسری دلیل خدائے تعالیٰ کی ہستی پر قرآن شریف نے خدا تعالیٰ کا علت العلل ہونا قرار دیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے:- فانّ الی ربک المنتھی۔ یعنی تمام سلسلہ علل و معلولات کا تیرے رب پر ختم ہو جاتا ہے۔ تفصیل اس دلیل کی یہ ہے کہ نظر عمیق سے معلوم ہوگا کہ یہ تمام موجودات علل و معلول کے سلسلہ میں موجود ہے اور اسی وجہ سے دنیا میں طرح طرح کے علوم پیدا ہو گئے ہیں کیونکہ کوئی حصہ مخلوقات کا نظام سے باہر نہیں۔ بعض بعض کے لئے بطور اصول اور بعض بطور فروع کے ہیں اور یہ تو ظاہر ہے کہ علت یا تو خود اپنی ذات سے قائم ہوگی یا اس کا وجود کسی دوسری علت کے وجود پر منحصر ہوگا۔ اور پھر یہ دوسری علت کسی اور علت پر و علیٰ ہذا القیاس اور یہ تو جائز نہیں کہ اس محدود دنیا میں علل و معلول کا سلسلہ کہیں جا کر ختم نہ ہو اور غیر متناہی ہو تو بالضرورت ماننا پڑا کہ یہ سلسلہ ضرور کسی اخیر علت پر جا کر ختم ہو جاتا ہے پس جس پر اس تمام کی انتہا ہے وہی خدا ہے۔ آنکھ کھول کر دیکھ لو کہ آیت وان الی ربک المنتھی اپنے مختصر لفظوں میں اسی دلیل مذکورہ بالا کو بیان فرما رہی ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ انتہا تمام سلسلہ کی تیرے رب تک ہے۔

پھر ایک اور دلیل اپنی ہستی پر یہ دی جیسا کہ فرماتا ہے لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر ولا اللیل سابق النھار و کل فی فلک یسبحون یعنی آفتاب چاند کو پکڑ نہیں سکتا اور نہ رات جو مظہر ماہتاب ہے دن پر جو مظہر آفتاب ہے کچھ تسلط کر سکتی ہے یعنی کوئی ان میں سے اپنی حدود مقررہ سے باہر نہیں جاتا۔ اگر ان کا درپردہ کوئی مدبر نہ ہو تو یہ تمام سلسلہ درہم برہم ہو جائے یہ دلیل ہیئت پر غور کرنے والوں کے لئے نہایت فائدہ بخش ہے کیونکہ اجرام فلکی کے اتنے بڑے عظیم الشان اور بے شمار گولے ہیں جن کے تھوڑے سے بگاڑ سے تمام دنیا تباہ ہو سکتی ہے۔ یہ کیسی قدرت حق ہے کہ وہ آپس میں نہ ٹکراتے ہیں نہ بال بھر رفتار بدلتے اور نہ اتنی مدت تک کام دینے سے کچھ گھسے اور نہ ان کی کلوں پرزوں میں کچھ فرق آیا۔ اگر سر پر کوئی محافظ نہیں تو کیونکر اتنا بڑا کارخانہ بے شمار برسوں سے خود بخود چل رہا ہے۔ انہیں حکمتوں کی طرف اشارہ کر کے خدا تعالیٰ دوسرے مقام میں فرماتا ہے افی اللہ شک فاطر السموٰت والارض۔ یعنی کیا خدا کے وجود میں شک ہو سکتا ہے جس نے ایسے آسمان اور ایسی زمین بنائی۔

پھر ایک لطیف دلیل اپنی ہستی پر فرماتا ہے اور وہ یہ ہے کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام یعنی ہر ایک چیز معرض زوال میں ہے اور جو باقی رہنے والا ہے وہ خدا ہے جو جلال والا ہے بزرگی والا ہے۔ اب دیکھو

کہ اگر ہم فرض کرلیں کہ ایسا ہو کہ زمین ذرہ ذرہ ہو جائے اور اجرام فلکی بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور ان پر معدوم کرنے والی ایک ایسی ہوا چلے جو تمام نشان ان چیزوں کے مٹا دے مگر پھر بھی عقل اس بات کو مانتی اور قبول کرتی ہے بلکہ صحیح کانشنس اس کو ضروری سمجھتا ہے کہ اس تمام نیستی کے بعد بھی ایک چیز باقی رہ جائے جس پر فنا طاری نہ ہو اور تبدّل اور تغیر کو قبول نہ کرے اور اپنی پہلی حالت پر باقی رہے۔ پس وہ وہی خدا ہے جو تمام فانی صورتوں کو ظہور میں لایا۔

پھر ایک اور دلیل اپنی ہستی پر قرآن شریف میں پیش کرتا ہے الست بربکم قالوا بلٰی یعنی میں نے روحوں کو کہا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ قصہ کے رنگ میں روحوں کی اس خاصیت کو بیان فرماتا ہے جو ان کی فطرت میں اس نے رکھی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی روح فطرت کی رو سے خدا تعالیٰ کا انکار نہیں کر سکتی۔ صرف منکروں کو اپنے خیال میں دلیل نہ ملنے کی وجہ سے انکار ہے مگر باوجود اس انکار کے وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ ہر ایک حادث کے واسطے ضرور ایک محدث ہے۔ دنیا میں ایسا کوئی نادان نہیں کہ اگر مثلاً بدن میں کوئی بیماری ہو تو اس بات پر اصرار کرے کہ در پردہ اس بیماری کے ظہور کی کوئی علت نہیں۔ اگر یہ سلسلہ دنیا کا علل اور معلول سے مربوط نہ ہوتا تو قبل از وقت یہ بتا دینا کہ فلاں تاریخ طوفان آئے گا یا آندھی یا خسوف ہو گا یا کسوف ہو گا یا فلاں وقت بیمار مر جائے گا یا فلاں وقت تک ایک بیماری کے ساتھ فلاں بیماری لاحق ہو جائے گی۔ یہ تمام باتیں غیر ممکن ہو جاتیں۔ پس ایسا محقق اگرچہ خدا کے وجود کا اقرار نہیں کرتا مگر ایک طور سے تو اس نے اقرار کر ہی دیا کہ وہ بھی ہماری طرح معلولات کے لئے علل کی تلاش میں ہے۔ یہ بھی ایک قسم کا اقرار ہے اگرچہ کامل اقرار نہیں۔ ماسوا اس کے اگر کسی ترکیب سے ایک منکر وجود باری تعالیٰ کو ایسے طور سے بیہوش کیا جائے کہ وہ اس سفلی زندگی کے خیالات سے بالکل الگ ہو کر اور تمام ارادوں سے معطّل رہ کر اعلیٰ ہستی کے قبضہ میں ہو جائے تو وہ اس صورت میں خدا کے وجود کا اقرار کرے گا انکار نہیں کرے گا۔ جیسا کہ اس پر بڑے بڑے مجربین کا تجربہ ہے۔ سو ایسی حالت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے اور مطلب آیت یہ ہے کہ انکار وجود باری صرف سفلی زندگی تک ہے۔ ورنہ اصل فطرت میں اقرار بھرا ہوا ہے۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی ۵۹ تا ۶۲)

برتر ہستی کی تلاش۔ خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک اور عقلی دلیل اسی ضمن میں خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک اور عقلی دلیل پیش کرتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے جو اس کی فطرت کو لازم پڑی ہوئی ہیں ایک اس برتر ہستی کی تلاش ہے جس کے لئے اندر ہی اندر انسان کے دل میں ایک کشش موجود ہے اور اس تلاش کا اثر اسی وقت سے محسوس ہونے لگتا ہے جبکہ بچہ ماں کے رحم سے باہر آتا ہے کیونکہ بچہ پیدا ہوتے ہی پہلے روحانی خاصیت اپنی جو دکھاتا ہے وہ یہی ہے کہ ماں کی طرف جھکا جاتا ہے اور طبعاً اپنی ماں کی محبت رکھتا ہے اور پھر جیسے جیسے حواس اس کے کھلتے جاتے ہیں اور شگوفہ فطرت اس کا کھلتا جاتا ہے یہ کشش محبت جو اس کے اندر چھپی ہوئی تھی اپنا

رنگ و روپ نمایاں طور پر دکھاتی چلی جاتی ہے پھر تو یہ ہوتا ہے کہ بجز اپنی ماں کے گود کے کسی جگہ آرام نہیں پاتا اور پورا آرام اس کا اسی کے کنار عاطفت میں ہوتا ہے اور اگر ماں سے علیحدہ کر دیا جائے اور دور ڈال دیا جائے تو تمام عیش اس کا تلخ ہو جاتا ہے اور اگرچہ اس کے آگے نعمتوں کا ڈھیر ڈال دیا جائے تب بھی وہ اپنی سچی خوشحالی ماں کی گود میں ہی دیکھتا ہے اور بغیر اس کے کسی طرح آرام نہیں پاتا سو وہ کشش محبت جو اس کو اپنی ماں کی طرف پیدا ہوتی ہے وہ کیا چیز ہے؟

درحقیقت یہ وہی کشش ہے جو معبود حقیقی کے لئے بچہ کی فطرت میں رکھی گئی ہے بلکہ ہر ایک جگہ جو انسان تعلق محبت پیدا کرتا ہے درحقیقت وہی کشش کام کر رہی ہے اور ہر ایک جگہ جو یہ عاشقانہ جوش دکھلاتا ہے درحقیقت اسی محبت کا وہ ایک عکس ہے گویا دوسری چیزوں کو اٹھا اٹھا کر ایک گم شدہ چیز کو تلاش کر رہا ہے جس کا اب نام بھول گیا ہے۔ سو انسان کا مال یا اولاد یا بیوی سے محبت کرنا یا کسی خوش آواز کے گیت کی طرف اس کی روح کا کھینچے جانا درحقیقت اسی گمشدہ محبوب کی تلاش ہے" (اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۵۱ تا ۵۳)

خدا تعالیٰ کی ہستی پر روحانی دلائل

معرفت الٰہی کا پہلا ذریعہ۔ مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ

عقلی دلائل پر غور کرنے سے یہ تو واضح ہو جاتا ہے کہ اس کارخانہ عالم کا ایک خدا ہونا چاہیئے لیکن یہ یقین کہ وہ موجود ہے حاصل نہیں ہوتا۔ ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں اپنی معرفت تامہ پیدا کرنے کے لئے معقولی قویٰ کے ساتھ روحانی قویٰ بھی انہیں دیتا تا ان روحانی قویٰ سے کام لے کر انسان اپنے خالق حقیقی کی شناخت کر سکتا اور اس کے اور اس کے رب کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ رہتا۔ چنانچہ یہ روحانی قویٰ مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ کی صورت میں اسے دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ہستی کو منوانے کے لئے اپنے کسی کامل بندہ پر اپنا الہام نازل کرتا ہے اور آسمانی نشانات کے ساتھ اس کی مدد کرتا ہے۔ اس طرح وہ اپنا حقیقی جلوہ دنیا کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس دلیل کو تفصیل کے ساتھ بار بار اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ چند ارشادات ملاحظہ ہوں:۔

معرفت کاملہ کے حصول کے لئے معقولی قوتوں کے علاوہ روحانی قویٰ کا ہونا بھی ضروری ہے

"محض معقولی قوتوں کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی شناخت کامل طور پر نہیں ہو سکتی وجہ یہ کہ معقولی قوتیں جو انسان کو دی گئی ہیں ان کا تو صرف اس حد تک کام ہے کہ زمین و آسمان کے ذرہ ذرہ پا ان کی ترتیب محکم اور ابلغ پر نظر کر کے یہ حکم دیں کہ اس عالم جامع الحقائق اور پر حکمت کا کوئی صانع ہونا چاہیئے یہ

تو اُن کا کام نہیں ہے کہ یہ حکم بھی دیں کہ فی الحقیقت وہ صانع موجود بھی ہے لیکن ظاہر ہے کہ بغیر اس کے کہ انسان کی معرفت اس حد تک پہنچ جائے کہ درحقیقت وہ صانع موجود ہے صرف ضرورت صانع کو محسوس کرنا کامل معرفت نہیں کہلا سکتی کیونکہ یہ قول کہ ان مصنوعات کا کوئی صانع ہونا چاہیئے اس قول سے ہرگز برابر نہیں ہو سکتا کہ وہ صانع جس کی ضرورت تسلیم کی گئی ہے فی الحقیقت موجود بھی ہے۔ لہٰذا حق کے طالبوں کو اپنا سلوک تمام کرنے کے لئے اور اس فطرتی تقاضا کو پورا کرنے کے لئے جو معرفت کاملہ کے لئے ان کی طبائع میں مرکوز ہے اس بات کی ضرورت ہوئی کہ علاوہ معقولی قوتوں کے روحانی قویٰ بھی ان کو عطا ہوں تا اگر ان روحانی قوتوں سے پورے طور پر کام لیا جائے اور درمیان میں کوئی حجاب نہ ہو تو وہ اُس محبوب حقیقی کا چہرہ ایسے صاف طور پر دکھلا سکیں جس طور سے صرف عقلی قوتیں اُس چہرہ کو دکھلا نہیں سکتیں۔ پس وہ خدا جو کریم و رحیم ہے جیسا کہ اُس نے انسانی فطرت کو اپنی کامل معرفت کی بھوک اور پیاس لگا دی ہے ایسا ہی اُس نے اس معرفت کاملہ تک پہنچانے کے لئے انسانی فطرت کو دو قسم کے قویٰ عنایت فرمائے ہیں۔ ایک معقولی قوتیں جن کا منبع دماغ ہے اور ایک روحانی قوتیں جن کا منبع دل ہے اور جن کی صفائی دل کی صفائی پر موقوف ہے اور جن باتوں کو معقولی قوتیں کامل طور پر دریافت نہیں کر سکتیں۔ روحانی قوتیں ان کی حقیقت تک پہنچ جاتی ہیں اور روحانی قوتیں صرف انفعالی طاقت اپنے اندر رکھتی ہیں یعنی ایسی صفائی پیدا کرنا کہ مبدأ فیض کے فیض ان میں منعکس ہو سکیں۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۴۵)

جب تک خود خدا تعالیٰ اپنے کلام کے ذریعہ اپنے موجود ہونے کو ظاہر کرے تب تک صرف کلام کا ملاحظہ تسلی بخش نہیں

"جب تک خود خدا تعالیٰ اپنے موجود ہونے کو اپنے کلام سے ظاہر نہ کرے جیسا کہ اس نے اپنے کلام سے ظاہر کیا تب تک صرف کلام کا ملاحظہ تسلی بخش نہیں ہے مثلاً اگر ہم ایک ایسی بند کوٹھڑی دیکھیں جس میں یہ بات عجیب ہو کہ اندر سے کنڈیاں لگائی گئی ہیں تو اس فعل سے ہم ضرور اوّل یہ خیال کریں گے کہ کوئی انسان اندر ہے جس نے اندر سے زنجیر کو لگایا ہے کیونکہ باہر سے اندر کی زنجیروں کو لگانا غیر ممکن ہے۔ لیکن جب ایک مدت تک بلکہ برسوں تک باوجود بار بار آواز دینے کے اس انسان کی طرف سے کوئی آواز نہ آوے تو آخر یہ رائے ہماری کہ کوئی اندر ہے بدل جائے گی اور یہ خیال کریں گے کہ اندر کوئی نہیں بلکہ کسی حکمت عملی سے اندر کی کنڈیاں لگائی گئی ہیں۔ یہی حال ان فلاسفروں کا ہے جنہوں نے صرف فعل کے مشاہدہ پر اپنی معرفت کو ختم کر دیا ہے۔ یہ بڑی غلطی ہے جو خدا کو ایک مردہ کی طرح سمجھا جائے جسے قبر سے نکالنا صرف انسان کا کام ہے۔ اگر خدا ایسا ہے جو صرف انسانی کوشش نے اس کا پتہ لگایا ہے تو ایسے خدا کی نسبت ہماری سب امیدیں عبث ہیں بلکہ خدا تو وہی ہے جو ہمیشہ سے اور قدیم سے آپ انا الموجود کہہ کر لوگوں کو اپنی طرف بلاتا رہا ہے۔ یہ بڑی گستاخی ہوگی کہ اگر ہم ایسا خیال کریں کہ اس کی معرفت میں انسان کا احسان اس پر ہے اور اگر فلاسفر نہ ہوتے تو گویا وہ گم کا گم ہی رہتا۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۵۴ تا ۵۷)

کامل علم کا ذریعہ خدا تعالیٰ کا الہام ہے

"اے عزیزو! اے پیارو! کوئی انسان خدا کے ارادوں میں اس سے لڑائی نہیں کر سکتا۔ یقیناً سمجھ لو کہ کامل علم کا ذریعہ خدائے تعالیٰ کا الہام ہے۔ کیا تم خدا کو بغیر خدا کی تجلی کے پا سکتے ہو؟ کیا تم بغیر اس آسمانی روشنی کے اندھیرے میں دیکھ سکتے ہو؟ اگر دیکھ سکتے ہو تو شاید اس جگہ بھی دیکھ لو۔ مگر ہماری آنکھیں گو بینا ہوں تاہم آسمانی روشنی کی محتاج ہیں اور ہمارے کان گو شنوا ہوں تاہم اس ہوا کے حاجت مند ہیں جو خدا کی طرف سے چلتی ہے۔ وہ خدا سچا خدا نہیں ہے جو خاموش رہے اور سارا مدار ہماری اٹکلوں پر ہے بلکہ کامل اور زندہ خدا وہ ہے جو اپنے وجود کا آپ پتہ دیتا رہا ہے اور اب بھی اس نے یہی چاہا ہے کہ آپ اپنے وجود کا پتہ دیوے۔ آسمانی کھڑکیاں کھلنے کو ہیں۔ عنقریب صبح صادق ہونے والی ہے مبارک ہیں جو اُٹھ بیٹھیں اور اب سچے خدا کو ڈھونڈیں۔" (اسلامی اصول کی فلاسفی صد ۱۲۹ و ۱۳۰)

معرفت الٰہی کا دوسرا ذریعہ۔ انبیاء و مقربین الٰہی کا وجود

اس دلیل پر کہ خدا تعالیٰ کی ہستی پر پورا یقین مکالمہ و مخاطبات الٰہیہ ہی کے ذریعے پیدا ہو سکتا ہے ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں بہت کم لوگ ہیں جنہیں مکالمات و مخاطبات الٰہیہ سے مشرف ہونے کا دعوٰی ہے۔ آخر باقی کروڑہا مخلوق کو اپنے وجود کا پتہ دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کیا طریق مقرر فرمایا ہے اور وہ کونسی راہ ہے جس پر چل کر ایک آدمی کو جسے الہام کی نعمت میسر نہیں اپنے خدا کا حقیقی چہرہ دکھائی دے سکے؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور مقربین کے ذریعہ اس مشکل کو حل کر دیا ہے۔ انبیاء دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم الشان نشان لے کر آتے ہیں اور وہ نشان روز روشن کی طرح پورے ہو جاتے ہیں انہیں دیکھ کر کوئی قسی القلب شخص ہی ہوگا جو خدا تعالیٰ کے وجود پر حقیقی ایمان نہ لے آئے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:-

انبیاء اپنے نشانات اور معجزات کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے وجود کو ظاہر کرتے ہیں

"یاد رہے کہ خدا کے وجود کا پتہ دینے والے اور اس کے واحد لاشریک ہونے کا علم لوگوں کو سکھانے والے صرف انبیاء علیہم السلام ہیں اور اگر یہ مقدس لوگ دنیا میں نہ آتے تو صراط مستقیم کا یقینی طور پر پانا ایک ممتنع اور محال امر تھا۔ اگرچہ زمین و آسمان پر غور کرکے اور ان کی ترتیب ابلغ اور محکم پر نظر ڈال کر ایک صحیح الفطرت اور سلیم العقل انسان دریافت کر سکتا ہے کہ اس کارخانۂ پر حکمت کا بنانے والا کوئی ضرور ہونا چاہیئے۔ لیکن اس فقرہ میں کہ ضرور ہونا چاہیئے اور اس فقرہ میں کہ واقعی وہ موجود ہے بہت فرق ہے۔ واقعی وجود پر اطلاع دینے والے صرف انبیاء علیہم السلام ہیں جنہوں نے ہزارہا نشانوں اور معجزات سے دنیا پر ثابت کر دکھایا کہ وہ ذات جو مخفی در مخفی اور تمام طاقتوں کی جامع ہے درحقیقت موجود ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس قدر عقل بھی کہ نظام عالم کو دیکھ کر صانع حقیقی کی ضرورت محسوس ہو یہ

مرتبہ عقل بھی نبوت کی شعاعوں سے ہی مستفیض ہے اگر انبیاء علیہم السلام کا وجود نہ ہوتا تو اس قدر عقل بھی کسی کو حاصل نہ ہوتی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگرچہ زمین کے نیچے پانی بھی ہے مگر اس پانی کا بقاء اور وجود آسمانی پانی سے ہے البتہ جب کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ آسمان سے پانی نہیں برستا تو زمینی پانی بھی خشک ہو جاتے ہیں۔ اور جب آسمان سے پانی برستا ہے تو زمین سے بھی پانی جوش مارتا ہے۔ اسی طرح انبیا علیہم السلام کے آنے سے عقلیں تیز ہو جاتی ہیں اور عقل جو زمینی پانی ہے اپنی حالت میں ترقی کرتی ہے اور پھر جب ایک مدت دراز اس بات پر گزرتی ہے کہ کوئی نبی مبعوث نہیں ہوتا تو عقلوں کا زمینی پانی گندہ اور کم ہونا شروع ہو جاتا ہے اور دنیا میں بت پرستی اور شرک اور ایک قسم کی بدی پھیل جاتی ہے۔ پس جس طرح آنکھ میں ایک روشنی ہے اور وہ باوجود اس روشنی کے پھر بھی آفتاب کی محتاج ہے اسی طرح دنیا کی عقلیں جو آنکھ سے مشابہ ہیں ہمیشہ آفتاب نبوت کی محتاج رہتی ہیں اور جبھی کہ وہ آفتاب پوشیدہ ہو جاتے ان میں فی الفور کدورت اور تاریکی پیدا ہو جاتی ہے۔ کیا تم صرف آنکھ سے کچھ دیکھ سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح تم بغیر نبوت کی روشنی کے بھی کچھ نہیں دیکھ سکتے۔"

(حقیقۃ الوحی صد ۱۱۱)

توحید حقیقی محض نبی کے ذریعہ مل سکتی ہے

"کوئی شخص فلسفیوں کی کشتی پر بیٹھ کر طوفان شبہات سے نجات نہیں پا سکتا بلکہ ضرور غرق ہوگا اور ہرگز ہرگز شربت توحید خالص اس کو میسر نہیں آئے گا۔ اب سوچو کہ یہ خیال کس قدر باطل اور بدبودار ہے کہ بغیر وسیلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے توحید میسر آسکتی ہے اور اس سے انسان نجات پا سکتا ہے۔ اے نادانو! جب تک خدا کی ہستی پر یقین کامل نہ ہو اس کی توحید پر کیونکر یقین ہو سکے۔ پس یقیناً سمجھو کہ توحید یقینی محض نبی کے ذریعہ سے ہی مل سکتی ہے جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے دہریوں اور بد مذہبوں کو ہزارہا آسمانی نشان دکھلا کر خدا تعالیٰ کے وجود کا قائل کر دیا اور اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور کامل پیروی کرنے والے اُن نشانوں کو دہریوں کے سامنے پیش کرتے ہیں بات یہی سچ ہے کہ جب تک زندہ خدا کی زندہ طاقتیں انسان مشاہدہ نہیں کرتا شیطان اُس کے دل میں سے نہیں نکلتا اور نہ سچی توحید اُس کے دل میں داخل ہوتی ہے اور نہ یقینی طور پر خدا کی ہستی کا قائل ہو سکتا ہے اور یہ پاک اور کامل توحید صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ملتی ہے۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۱۸)

راست باز کی معجزانہ زندگی مشاہدہ کے پیرایہ میں خدا تعالیٰ کی ہستی کو دکھلاتی ہے

"یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک راست باز کی معجزانہ زندگی زمین اور آسمان سے زیادہ تر خدائے تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتی ہے کیونکہ کسی نے نہیں دیکھا کہ زمین اور آسمان کو خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا۔ صرف اس عالم کی پُرحکمت صنعت کو دیکھ کر اور اس کی ترتیب کو ابلغ اور محکم پا کر عقل سلیم اس بات کی ضرورت سمجھتی ہے کہ ان بے مثل مصنوعات کا کوئی

صانع ہونا چاہیئے مگر عقل اپنی معرفت میں اس حد تک نہیں پہنچتی کہ فی الواقع وہ صانع موجود بھی ہے کیونکہ اس نے اس صانع کو بناتے نہیں دیکھا اور عقلی خدا شناسی کا تمام مدار صرف ضرورت صانع پر رکھا گیا ہے نہ یہ کہ اس کا ہونا مشاہدہ کیا گیا لیکن راستباز کی معجزانہ زندگی واقعی طور پر اور مشاہدہ کے پیرایہ میں خدائے تعالیٰ کی ہستی کو دکھلاتی ہے کیونکہ راستباز اپنی سب ابتدائی حالت میں ایک ذرہ بے مقدار کی طرح ہوتا ہے یا ایک رائی کے بیج کی طرح جس کو ایک کسان نے بویا اور نہایت ذلیل حالت میں پڑا ہوا ہوتا ہے تب وحی کے ذریعہ سے خدا دنیا کو اطلاع دیتا ہے کہ دیکھو میں اس کو بناؤں گا۔ میں ستاروں کی طرح اس میں چمک ڈالوں گا اور آسمان کی طرح اس کو بلند کروں گا اور ایک ذرہ کو ایک پہاڑ کی طرح کر دکھاؤں گا۔ پھر بعد اس کے باوجود اس بات کے کہ دنیا کے تمام شریر چاہتے ہیں کہ وہ ارادہ الٰہی معرض التوا میں رہے اور ناخنوں تک زور لگاتے ہیں کہ وہ امر نہ ہونے پائے مگر وہ رک نہیں سکتا جب تک پورا نہ ہو اور خدا کا ہاتھ سب روکوں کو دور کر کے اس کو پورا کرتا ہے۔ وہ ایک گمنام کو اپنی پیشگوئی کے مطابق ایک عظیم الشان جماعت بنا دیتا ہے وہ تمام مستعد لوگوں کو اس کی طرف کھینچتا ہے۔ وہ اس گمنام کو ایسی شہرت دیتا ہے کہ کبھی اس کے باپ دادوں کو نصیب نہ ہوئی وہ ہر میدان میں اس کا ہاتھ پکڑتا ہے اور ہر ایک جنگ میں اس کو فتح دیتا ہے اور ایک دنیا کو اس کا غلام کرتا ہے اور لاکھوں انسانوں کو اس کی طرف کھینچ لاتا ہے اور اس کی تعلیم ان کے دلوں میں بٹھا دیتا ہے اور روح القدس سے ان کی مدد کرتا ہے۔ وہ اس کے دشمنوں کا دشمن اور اس کے دوستوں کا دوست ہو جاتا ہے اور اس کے دشمن سے وہ آپ لڑتا ہے۔ اسی لئے میں نے کہا ہے کہ راستباز کی معجزانہ زندگی آسمان و زمین سے زیادہ خدا تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتی ہے کیونکہ لوگوں نے زمین و آسمان کو بچشم خود خدا کے ہاتھ سے بنتے نہیں دیکھا لیکن وہ بچشم خود دیکھ لیتے ہیں کہ خدا راستباز کے اقبال کی عمارت کو اپنے ہاتھ سے بناتا ہے وہ ایک زمانۂ دراز پہلے خبر دے دیتا ہے کہ میں ایسا کروں گا اور ایسا اس کو بنا دوں گا اور پھر باوجود سخت روکوں اور شدید مزاحمتوں کے جو شریر انسانوں کی طرف سے ہوتی ہیں ایسا ہی کر کے دکھلا دیتا ہے۔

پس یہ نشان حق کے طالب کو حق الیقین تک پہنچاتا ہے اور وہ خدائے تعالیٰ کے وجود پر ایک قطعی دلیل ہوتی ہے مگر ان کے لئے جو خدائے تعالیٰ کے طالب ہیں اور تکبر نہیں کرتے اور حق کو پاکر انکسار سے قبول کر لیتے ہیں۔"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۲۹، ۳۰)

خدا تعالیٰ نشانوں کے ذریعہ اپنا جلوہ دکھاتا ہے

"زندہ ایمان لانا ہرگز ممکن نہیں جب تک انسان زندہ خدا کی تجلیات اور آیات عظیمہ سے فیضیاب نہ ہو یوں تو بجز دہریہ لوگوں کے تمام دنیا کسی نہ کسی رنگ میں خدا تعالیٰ کے وجود کی قائل ہے مگر چونکہ وہ قائل ہونا صرف اپنا خود تراشیدہ خیال ہے اور زندہ خدا کی اپنی ذاتی تجلی سے نہیں ہے اس لئے ایسے خیال سے زندہ ایمان حاصل نہیں ہو سکتا جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے انا الموجود کی آواز زور دار طاقتوں کے ساتھ معجزانہ رنگ میں اور خارق عادت کے طور پر سنائی نہ دے اور فعلی طور پر اس کے ساتھ دوسرے زبردست نشان نہ ہوں اس وقت تک اس زندہ خدا پر ایمان آ نہیں سکتا۔ ایسے لوگ محض سنی سنائی باتوں کا نام خدا یا پرمیشر کرتے ہیں اور صرف گلے پڑا ڈھول بجا رہے ہیں اور اپنی شناسائی کی حد سے زیادہ لاف و گزاف اپنا پیشہ بنا رکھا ہے۔

حقیقی خدا دانی تمام اسی میں منحصر ہے کہ اس زندہ خدا تک رسائی ہو جائے کہ جو اپنے مقرب انسانوں سے نہایت صفائی سے ہم کلام ہوتا ہے اور اپنی پر شوکت اور لذیذ کلام سے ان کو تسلی اور سکینت بخشتا ہے اور جس طرح ایک انسان دوسرے انسان سے بولتا ہے ایسا ہی یقینی طور پر جو کھلی شک و شبہ سے پاک ہے ان سے باتیں کرتا ہے ان کی بات سنتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے اور ان کی دعاؤں کو سن کر دعا کے قبول کرنے سے ان کو اطلاع بخشتا ہے اور ایک طرف لذیذ اور پر شوکت قول سے اور دوسری طرف معجزانہ فعل سے اور اپنے قوی اور زبردست نشانوں سے ان پر ثابت کر دیتا ہے کہ میں ہی خدا ہوں۔ وہ اول پیشگوئی کے طور پر ان سے اپنی حمایت اور نصرت اور خاص طور کی دستگیری کے وعدے کرتا ہے اور پھر دوسری طرف اپنے وعدوں کی عظمت بڑھانے کے لئے ایک دنیا کو ان کے مخالف کر دیتا ہے اور وہ لوگ اپنی تمام طاقت اور تمام مکر و فریب اور ہر ایک قسم کے منصوبوں سے کوشش کرتے ہیں کہ خدا کے ان وعدوں کو ٹال دیں جو اس کے ان مقبول بندوں کی حمایت اور نصرت اور غلبہ کے بارے میں ہیں اور خدا ان کی تمام کوششوں کو برباد کرتا ہے وہ شرارت کی تخم ریزی کرتے ہیں اور خدا اس کی جڑ باہر پھینکتا ہے۔ وہ آگ لگاتے ہیں اور خدا اس کو بجھا دیتا ہے۔ وہ ناخنوں تک زور لگاتے ہیں آخر خدا ان کے منصوبوں کو انہی پر الٹا کر مارتا ہے۔ خدا کے مقبول اور راستباز نہایت سیدھے اور سادہ طبع اور خدا تعالیٰ کے سامنے ان بچوں کی طرح ہوتے ہیں جو ماں کی گود میں ہوں اور دنیا اُن سے دشمنی کرتی ہے کیونکہ وہ دنیا میں سے نہیں ہوتے اور طرح طرح کے مکر و فریب ان کی بیخ کنی کے لئے کئے جاتے ہیں۔ قومیں ان کے ایذا دینے کے لئے متفق ہو جاتی ہیں اور تمام نااہل لوگ ایک ہی کمان سے ان کی طرف تیر چلاتے ہیں اور طرح طرح کے افتراء اور تہمتیں لگائی جاتی ہیں تا کسی طرح وہ ہلاک ہو جائیں اور ان کا نشان نہ رہے مگر آخر خدا تعالیٰ اپنی باتوں کو پوری کر کے دکھلا دیتا ہے"۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۲۲، ۲۳)

خدا تعالیٰ کی معرفت کا تیسرا ذریعہ۔ قبولیت دُعا

ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام

نے قبولیت دعا کو بھی ایک زبردست ہتھیار کے طور پر پیش کیا ہے آپ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے پروردگار کے آگے گڑگڑا کر عاجزی وانکساری سے دعائیں مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا رحم جوش میں آتا ہے اور وہ اس کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشتا ہے۔ قبولیت دعا کے نتیجہ میں اس کو خدا کی ہستی پر جو یقین حاصل ہوتا ہے دیگر ہزارہا دلائل سے بھی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :-

خدا تعالیٰ دُعا کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے

"دعا ہے جس سے خدا پہچانا جاتا ہے اور اس ذوالجلال کی ہستی کا پتہ لگتا ہے جو ہزاروں پردوں میں مخفی ہے۔ دعا کرنے والوں کے لئے آسمان زمین سے نزدیک آجاتا ہے اور دعا قبول ہو کر مشکل کشائی کے لئے نئے اسباب پیدا کئے جاتے ہیں اور ان کا علم پیش از وقت دیا جاتا ہے اور کم سے کم یہ کہ میخ آہنی کی طرح قبولیت دعا کا یقین غیب سے دل میں بیٹھ جاتا ہے۔ سچ یہی ہے کہ اگر یہ دعا نہ ہوتی تو کوئی انسان خدا شناسی کے بارے میں حق الیقین تک نہ پہنچ سکتا۔ دعا سے الہام ملتا ہے۔ دعا سے ہم خدا تعالیٰ کے ساتھ کلام کرتے ہیں۔ جب انسان اخلاص اور توحید اور صدق اور صفا کے قدم سے دعا کرتا کرتا فنا کی حالت تک پہنچ جاتا ہے تب وہ زندہ خدا اس پر ظاہر ہوتا ہے جو لوگوں سے پوشیدہ ہے۔

دعا کی ضرورت نہ صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم اپنے دنیوی مطالب کو پا دیں بلکہ کوئی انسان بغیر ان قدرتی نشانیوں کے ظاہر ہونے کے جو دعا کے بعد ظاہر ہوتے ہیں اس سچے ذوالجلال خدا کو پا ہی نہیں سکتا جس سے بہت سے دل دور پڑے ہوئے ہیں۔ نادان خیال کرتا ہے کہ دعا ایک لغو اور بیہودہ امر ہے مگر اسے معلوم نہیں کہ صرف ایک دعا ہی ہے جس سے خداوند ذوالجلال ڈھونڈنے والوں پر تجلی کرتا اور انا القادر کا الہام ان کے دلوں پر ڈالتا ہے۔ ہر ایک یقین کا بھوکا اور پیاسا یاد رکھے کہ اس زندگی میں روحانی روشنی کے طالب کے لئے صرف دعا ہی ایک ذریعہ ہے جو خدا تعالیٰ کی ہستی پر یقین بخشتا اور تمام شکوک وشبہات دور کر دیتا ہے کیونکہ جو مقاصد بغیر دعا کے کسی کو حاصل ہوں وہ نہیں جانتا کہ کیونکر اور کہاں سے اس کو حاصل ہوئے۔ بلکہ صرف تدبیروں پر زور مارنے والا اور دعا سے غافل رہنے والا یہ خیال نہیں کر سکتا کہ یقیناً وحقاً خدا تعالیٰ کے ہاتھ نے اس کے مقاصد کو اس کے دامن میں ڈالا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص دعا کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ سے الہام پا کر کسی کامیابی کی بشارت دیا جاتا ہے وہ اس کام کے ہونے پر خدا تعالیٰ کی شناخت اور معرفت اور محبت میں آگے قدم بڑھاتا ہے اور اس قبولیت دعا کو اپنے حق میں ایک عظیم الشان نشان دیکھتا ہے اور اسی طرح وقتاً فوقتاً یقین سے پر ہو کر جذبات نفسانی اور ہر ایک قسم کے گناہ سے ایسا مجتنب ہو جاتا ہے کہ گویا صرف ایک روح رہ جاتا ہے لیکن جو شخص دعا کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کے رحمت آمیز نشانوں کو نہیں دیکھتا وہ باوجود تمام عمر کی کامیابیوں اور بے شمار دولت اور مال اور اسباب تنعم کے دولت حق الیقین سے بے بہرہ ہوتا ہے اور وہ کامیابیاں اس

کے دل پر کوئی نیک اثر نہیں ڈالتیں بلکہ جیسے جیسے دولت اور اقبال پاتا ہے غرور اور تکبر میں بڑھتا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ پر اگر اس کو کچھ ایمان بھی ہو تو ایسا ایمان مردہ ایمان ہوتا ہے جو اس کو نفسانی جذبات سے روک نہیں سکتا اور حقیقی پاکیزگی بخش نہیں سکتا۔" (ایام الصلح ص۱۲)

اسلام کا خدا زندہ خدا ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جس زمانہ میں مبعوث ہوئے وہ مذاہب کی کثرت کا زمانہ تھا۔ ہر مذہب کے پیرؤں نے خدا تعالیٰ کے متعلق بعض مخصوص تصورات گھڑ رکھے تھے۔ جو خدا تعالیٰ کی واقعی اور حقیقی صفات سے نہ صرف بکلی مغایر تھے بلکہ ان کے باعث خدا تعالیٰ کی ہستی نعوذ باللہ داغدار نظر آتی تھی۔ اور تو اور خود مسلمان کہلانے والے بھی اس عقیدہ پر قائم تھے کہ خدا تعالیٰ کسی زمانہ میں تو واقعی بولتا تھا لیکن اب اس کی یہ صفت ہمیشہ کے لئے معطل ہو گئی ہے اور اب وہ کسی سے کلام نہیں کر سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صرف عظیم الشان دلائل سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت پیش کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو جن پر مذاہب عالم کے پیرؤں نے گندے پردے ڈالے ہوتے تھے نہایت روشن کر کے بڑے دلکش طریقے سے دنیا کے سامنے پیش کیا اور بتایا کہ تمہارا خدا وہ نہیں جس کی صفات پر تم نے اپنے خود تراشیدہ پردے ڈالے ہوتے ہیں جس سے اس کا تمام حسن اور خوبصورتی زائل ہو گئی ہے بلکہ خدا وہ ہے جو ہر ایک نقص سے پاک اور تمام خوبیوں کا جامع ہے اور جس کی صفت کسی زمانے میں بھی معطل نہیں ہوئی۔ جیسا وہ پہلے سنتا تھا آج بھی اسی طرح سنتا ہے اور جس طرح پہلے بولتا تھا آج بھی اسی طرح بولتا ہے۔ اس طرح آپ نے خدا کو دنیا کے سامنے زندہ خدا کی حیثیت میں پیش کیا۔ اس ضمن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند ارشادات ملاحظہ فرمائیے جن میں حضورؑ نے خدا تعالیٰ کی صفات کو جامع طور پر پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ صرف اسلام کا پیش کردہ خدا زندہ خدا ہے۔ حضور فرماتے ہیں:۔

خدا تعالیٰ کی عظیم الشان صفات جن سے اس کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے

"کوئی عقلمند اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ جو خدا کی طرف سے شریعت ہے اس کے قیام سے دو ہی ٹکڑے ہوتے آئے ہیں۔

۱۔ بڑا اور پہلا ٹکڑا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو اُس کی تمام صفات کاملہ کے ساتھ واحد لاشریک مان لیا جائے اور اُس کی ذات اور صفات میں کوئی شریک نہ ٹھہرایا جائے اور اس بات پر ایمان لایا جائے کہ وہ مبدار ہے تمام فیوض کا اور سرچشمہ ہے تمام ظہورات کا اور خالق ہے ہر ایک وجود کا اور قادر ہے ہر ایک ایسے امر پر جو اس کی عظمت اور شان اور جلال کے لائق ہے اور اس کی صفات کاملہ کے منافی نہیں ہے اور اوّل ہے ہر ایک موجود سے اور مرجع ہے تمام کائنات کا اور مستجمع ہے تمام صفات کاملہ کا اور پاک ہے اس سے کہ کسی وقت صفات اس کی بیکار ہو جائیں یا یہ کسی

وقت بیکار تھیں وہ قدیم سے خالق اور قدیم سے رازق اور قدیم سے قادر ہے کسی کو علم نہیں کہ پہلے اُس نے کیا کیا اور آگے کیا کیا کرے گا۔ اس کی قدرتوں پر کوئی احاطہ نہیں ہوسکتا اور وہ واحد ہے اپنی ذات میں اور اپنی صفات میں اور افعال میں اور اس کی طرح کوئی بھی کسی خاص صفت سے مخصوص نہیں اور پاک ہے ہر ایک عیب اور نقص سے اور نزدیک ہے باوجود دوری کے اور دور ہے باوجود نزدیکی کے۔ وہ برتر اور بلند ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اس کے نیچے کوئی اور بھی ہے۔ وہ پوشیدہ در پوشیدہ ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ وہ ظاہر نہیں وہ اپنے ظہور میں سب سے زیادہ ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ وہ پوشیدہ نہیں

آفتاب میں چمک اُسی سے ہے اور چاند میں اس کے انوار ہیں مگر نہیں کہہ سکتے کہ وہ آفتاب ہے یا چاند ہے بلکہ یہ سب چیزیں اس کی مخلوق ہیں اور کافر ہے وہ شخص جو اُس کو خدا کہے۔ وہ نہاں در نہاں ہے پھر بھی سب چیزوں سے زیادہ ظاہر ہے۔ ہر ایک روح کو اسی سے قوتیں اور صفات ملی ہیں۔ ہر ایک ذرہ نے اسی سے خواص پائے ہیں اور اگر وہ صفات اور قوتیں اور طاقتیں چھین لی جائیں تو پھر نہ روح کچھ چیز ہے اور نہ ذرہ کچھ حقیقت رکھتا ہے۔ اس لئے انسان کی معرفت کا انتہائی نقطہ یہی ہے کہ یہ سب چیزیں اس کے ہاتھ سے نکلی ہیں اور خدا اور روحوں میں رشتہ محبت کا بھی اسی وجہ سے ہے کہ یہ سب چیزیں اس کے ہاتھ سے نکلی ہوئی ہیں اور اسی نے اُن کی فطرت میں اپنی محبت کا نمک چھڑکا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو عشق الٰہی محال تھا کیونکہ جانبین میں کوئی تعلق نہ تھا۔ بچہ ماں سے اسی وجہ سے محبت کرتا ہے کہ اس کے پیٹ سے نکلا ہے اور ماں بھی اسی وجہ سے اُس سے محبت کرتی ہے کہ وہ اس کے جگر کا ٹکڑا ہے۔ پس چونکہ ہر ایک روح خدا کے ہاتھ سے نکلی ہے اس لئے اس محبوب حقیقی کی طلب میں ہے ۔۔۔۔۔۔

اور شریعت کا دوسرا ٹکڑا یہ ہے کہ انسان ان تمام گناہوں سے پرہیز کرے جن کی جڑ بنی نوع پر ظلم ہے جیسے زنا کرنا، چوری کرنا، خون کرنا، جھوٹی گواہی دینا اور ہر قسم کی خیانت کرنا اور نیکی کرنے والے کے ساتھ بدی کرنا اور انسانی ہمدردی کا حق ادا نہ کرنا۔ پس اس دوسرے حصہ شریعت کو حاصل کرنا بھی پہلے حصہ کے حصول پر موقوف ہے اور ابھی ہم لکھ چکے ہیں کہ پہلا حصہ یعنی خداشناسی کسی طرح ممکن نہیں جب تک خدا کو اس کی تازہ قدرتوں اور نشانیوں کے ساتھ شناخت نہ کیا جاوے ۔۔۔۔۔۔

پس اے عزیزو! وہ قادر خدا جس کی ہم سب کو ضرورت ہے وہ اسلام ہی نے پیش کیا ہے۔ اسلام خدا کی قدرتوں کو ایسا ہی پیش کرتا ہے جیسا کہ وہ پہلے ظہور میں آئی تھیں۔ یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ بغیر اس کے کہ خدا کی قدرتیں اور خدا کے چمکتے ہوئے نشان ظاہر ہوں کوئی شخص خدا پر ایمان نہیں لا سکتا۔ یہ سب جھوٹے قصے ہیں کہ ہم پرمیشر پر ایمان لائے ہیں۔ خدا کی شناخت کرنے والے اُس کے نشان ہیں اور اگر نشان نہیں تو خدا بھی نہیں۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۱۵، ۶۱۶)

خدا تعالیٰ کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک اور جگہ فرماتے ہیں :-

"کیا اس میں شک ہے کہ ایک اعلیٰ ذات تمام طاقتوں والی موجود ہے جس کے ارادہ اور حکم سے ہم جیتے اور مرتے

ہیں اور جس طرف اس کا ارادہ جھکتا ہے تمام نظام زمین اور آسمان کا اسی طرف جھک جاتا ہے۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ کسی ملک کی حالتِ صحت کسی وقت عمدہ ہو تو ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن سے پانی اُس ملک کا ہر ایک عفونت سے محفوظ رہے اور ہوا میں کوئی تغیر غیر طبعی پیدا نہ ہو اور غذائیں صالح میسر آویں اور دوسرے تمام مخفی اسباب کیا ارضی اور کیا سماوی جو مضرِ صحت ہیں ظہور اور بروز نہ کریں اور اگر وہ کسی ملک کے لئے وبا اور موت کو چاہتا ہے تو وبا کے پیدا کرنے والے اسباب پیدا کر دیتا ہے کیونکہ تمام ملکوت السموٰت والارض اسی کے ہاتھ میں ہے اور ہر ایک ذرہ دوا اور غذا اور اجرام اور اجسام کا اس کی آواز سنتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ دنیا کو پیدا کر کے معطل اور بے اختیار کی طرح الگ ہو کر بیٹھ گیا ہے بلکہ اب بھی وہ دنیا کا خالق ایسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ چند سال میں ہمارے جسم کے پہلے اجزاء تحلیل پا جاتے ہیں اور دوسرے اجزاء ان کی جگہ آجاتے ہیں۔ سو یہ سلسلہ خلق اور آفرینش ہے جو برابر جاری رہتا ہے۔ ایک عالم فنا پذیر ہوتا ہے اور دوسرا عالم اس کی جگہ پکڑتا ہے۔ ایسا ہی ہمارا خدا قیوم العالم بھی ہے جس کے سہارے سے ہر ایک چیز کی بقا ہے۔ یہ نہیں کہ اس نے کسی روح اور جسم کو پیدا نہیں کیا یا پیدا کر کے الگ ہو گیا بلکہ وہ فی الواقع ہر ایک جان کی جان ہے اور ہر ایک موجود محض اس سے فیض پا کر قائم رہ سکتا ہے اور فیض پا کر ابدی زندگی حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم بغیر اس کے جی نہیں سکتے۔ ایسا ہی بغیر اس کے ہمارا وجود کبھی پیدا نہیں ہوا۔ پس جبکہ وہ ایسا خدا ہے کہ ہماری حیات اور زندگی اسی کے ہاتھ میں ہے اور اسی کے حکم سے ہمارے وجود کے ذرات ملتے اور علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں تو پھر اس کے مقابل پر یہ کہنا کہ بغیر اس کی امداد اور فضل کے ہم محض اپنی تدبیروں پر بھروسہ کر کے جی سکتے ہیں کس قدر فاش غلطی ہے۔ نہیں بلکہ ہماری تدبیریں بھی اسی کی طرف سے آتی ہیں۔ ہمارے ذہنوں میں تبھی روشنی پیدا ہوتی ہے جب وہ بخشتا ہے پانی اور ہوا پر بھی ہمارا تصرف نہیں۔ بہت سے اسباب ہیں جو ہمارے اختیار سے باہر اور صرف قبضہ قدرت خدائے تعالیٰ میں ہیں جو ہماری صحت یا عدم صحت پر بُرا اثر ڈالنے والے ہیں جیسا کہ اللہ جل شانہ قرآن شریف میں فرماتا ہے وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لآیات لقوم یعقلون یعنی ہواؤں اور بادلوں کو پھیرنا یہ خدائے تعالیٰ کا ہی کام ہے اور اس میں عقلمندوں کو خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کے اختیار کامل کا پتہ لگتا ہے۔" (ایام الصلح صفحہ ۱۵)

ایک اور جگہ حضور تعالیٰ کی صفات کا تذکرہ بڑے دلکش انداز سے کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اے سننے والو سنو! کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔ بس یہی کہ تم اُسی کے ہو جاؤ اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو۔ نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ ہمارا خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا اور اب بھی وہ بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے بولتا تھا۔ اور اب بھی وہ سنتا ہے جیسا کہ پہلے سنتا تھا۔ یہ خیال خام ہے کہ اس زمانہ میں وہ سنتا تو ہے مگر بولتا نہیں بلکہ وہ سنتا ہے اور بولتا بھی ہے اس کی تمام صفات ازلی ابدی ہیں کوئی صفت بھی معطل نہیں اور نہ کبھی ہو گی۔ وہ وہی وحدہٗ لاشریک

ہے جس کا کوئی بیٹا نہیں اور جس کی کوئی بیوی نہیں۔ اور وہ وہی بے مثل ہے جس کا کوئی ثانی نہیں اور جس کی طرح کوئی خاص صفت سے مخصوص نہیں اور جس کا کوئی ہمتا نہیں۔ جس کا کوئی ہم صفات نہیں، اور جس کی کوئی طاقت کم نہیں۔ وہ قریب ہے باوجود دور ہونے کے اور دور ہے باوجود نزدیک ہونے کے۔ وہ تمثل کے طور پر اہل کشف پر اپنے تئیں ظاہر کر سکتا ہے مگر اس کے لئے نہ کوئی جسم ہے اور نہ کوئی شکل ہے اور وہ سب سے اوپر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اس کے نیچے کوئی اور بھی ہے اور وہ عرش پر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ زمین پر نہیں۔ وہ مجمع ہے تمام صفات کاملہ کا اور مظہر ہے تمام محامد حقّہ کا اور سرچشمہ ہے تمام خوبیوں کا اور جامع ہے تمام طاقتوں کا اور مبدا ہے تمام فیضوں کا اور مرجع ہے ہر ایک شئے کا اور مالک ہے ہر ایک ملک کا اور متصف ہے ہر ایک کمال سے اور منزّہ ہے ہر ایک عیب اور ضعف سے۔ اور مخصوص ہے اس امر میں کہ زمین والے اور آسمان والے اُسی کی عبادت کریں اور اُس کے آگے کوئی بات بھی انہونی نہیں اور تمام روح اور ان کی طاقتیں اور تمام ذرات اور اُن کی طاقتیں اُسی کی پیدائش ہیں۔ اس کے بغیر کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی۔ وہ اپنی طاقتوں اور قدرتوں اور اپنے نشانوں سے اپنے تئیں آپ ظاہر کرتا ہے اور اُس کو اُسی کے ذریعہ سے ہم پا سکتے ہیں اور وہ راستبازوں پر ہمیشہ اپنا وجود ظاہر کرتا رہتا ہے اور اپنی قدرتیں ان کو دکھلاتا ہے۔ اسی سے وہ شناخت کیا جاتا ہے اور اُسی سے اُس کی پسندیدہ راہ شناخت کی جاتی ہے۔

اور وہ دیکھتا ہے بغیر جسمانی آنکھوں کے اور سنتا ہے بغیر جسمانی کانوں کے اور بولتا ہے بغیر جسمانی زبان کے۔ اسی طرح نیستی سے ہستی کرنا اس کا کام ہے۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ خواب کے نظارہ میں بغیر کسی مادہ کے ایک عالم پیدا کر دیتا ہے اور ہر ایک فانی اور معدوم کو موجود دکھلا دیتا ہے۔ پس اسی طرح اس کی تمام قدرتیں ہیں۔ نادان ہے وہ جو اُس کی قدرتوں سے انکار کرے۔ اندھا ہے وہ جو اس کی عمیق طاقتوں سے بے خبر ہے۔ وہ سب کچھ کرتا ہے اور کر سکتا ہے بغیر اُن امور کے جو اُس کی شان کے مخالف ہیں یا اُس کے مواعید کے برخلاف ہیں اور وہ واحد ہے اپنی ذات میں اور صفات میں اور افعال میں اور قدرتوں میں"

(الوصیت صفحہ ۱۲ و ۱۳)

خدا تعالیٰ سے کامل تعلق ہی انسان کو نجات کے دروازہ تک پہنچاتا ہے

اللہ تعالیٰ کی ہستی کو مبرہن طور پر دنیا کے سامنے پیش کرنے اور اس کی اعلیٰ صفات سے دنیا کو روشناس کرانے کے علاوہ حضرت

مسیح موعود علیہ السلام نے بار بار لوگوں کو اپنے محسن خدا سے تعلق قائم کرنے اور اسے اپنی عزیز سے عزیز تر چیز سے زیادہ عزیز رکھنے کی تلقین کی۔ کیونکہ محض خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کی صفات پر ایمان لانا کافی نہیں جب تک انسان خدا تعالیٰ سے کامل تعلق قائم نہ کرے ایسا تعلق کہ دنیوی رشتوں میں اس کی نظیر کہیں بھی نہ پائی جائے۔ انسان کی حقیقی زندگی اسی میں ہے کہ اس کا خدا سے کامل تعلق ہو اور اس کی تمام خواہشات خدا کی خواہشات کے ماتحت ہوں۔ اسی ضمن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالیٰ کی ہستی پر کامل یقین پیدا کرنے کے متعلق خصوصیت سے بے حد زور دیا کیونکہ جب تک خدا تعالیٰ کی ہستی پر پورا یقین نہ ہو انسان گناہوں سے نہیں رک سکتا۔ یقین ہی اس سے گناہ چھڑاتا ہے اور یقین ہی کی بدولت اسے اعمال صالحہ بجا لانے کی توفیق ملتی ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

گناہ سے بچنے کے لئے خدا کی ہستی پر کامل یقین پیدا کرنا ضروری ہے

اے خدا کے طالب بندو! کان کھولو اور سنو کہ یقین جیسی کوئی چیز نہیں۔ یقین ہی ہے جو گناہ سے چھڑاتا ہے۔ یقین ہی ہے جو نیکی کرنے کی قوت دیتا ہے۔ یقین ہی ہے جو خدا کا عاشق صادق بناتا ہے کیا تم گناہ کو بغیر یقین کے چھوڑ سکتے ہو کیا تم جذبات نفس سے بغیر یقینی تجلی کے رک سکتے ہو؟ کیا تم بغیر یقین کے کوئی تسلی پا سکتے ہو، کیا تم بغیر یقین کے کوئی سچی تبدیلی پیدا کر سکتے ہو، کیا تم بغیر یقین کے کوئی سچی خوشحالی حاصل کر سکتے ہو؟ تم یاد رکھو کہ بغیر یقین کے تم تاریک زندگی سے باہر نہیں آ سکتے اور نہ روح القدس تمہیں مل سکتا ہے۔ مبارک وہ جو یقین رکھتے ہیں کیونکہ وہی خدا کو دیکھیں گے۔ مبارک وہ جو شبہات اور شکوک سے نجات پا گئے ہیں کیونکہ وہی گناہ سے نجات پائیں گے۔ مبارک تم جب کہ تمہیں یقین کی دولت دی جائے کہ اس کے بعد تمہارے گناہ کا خاتمہ ہوگا۔ گناہ اور یقین جمع نہیں ہو سکتے۔ کیا تم ایسے سوراخ میں ہاتھ ڈال سکتے ہو جس میں تم ایک سخت زہریلے سانپ کو دیکھ رہے ہو؟ کیا تم ایسی جگہ کھڑے رہ سکتے ہو جس جگہ کوہ آتش فشاں سے پتھر برستے ہیں یا بجلی پڑتی ہے۔ یا ایک خونخوار شیر کے حملہ کرنے کی جگہ ہے۔ یا ایک ایسی جگہ ہے جہاں ایک مہلک طاعون نسل انسان کو معدوم کر رہی ہے؟ پھر اگر تمہیں خدا پر ایسا ہی یقین ہے جیسا کہ سانپ پر یا بجلی پر یا شیر پر یا طاعون پر تو ممکن نہیں کہ اس کے مقابل پر تم نافرمانی کر کے سزا کی راہ اختیار کر سکو یا صدق و وفا کا اس سے تعلق توڑ سکو۔

اے وہ لوگو! جو نیکی اور راستبازی کے لئے بلائے گئے ہو تم یقیناً سمجھو کہ خدا کی کشش اس وقت تم میں پیدا ہوگی اور اسی وقت تم گناہ کے مکروہ داغ سے پاک کئے جاؤ گے جبکہ تمہارے دل یقین سے بھر جائیں گے۔ شاید تم کہو گے کہ ہمیں یقین حاصل ہے۔ سو یاد رہے کہ یہ تمہیں دھوکا لگا ہوا ہے۔ یقین تمہیں ہرگز حاصل نہیں۔ کیونکہ اس کے لوازم حاصل نہیں وجہ یہ کہ تم گناہ سے باز نہیں آتے تم ایسا قدم آگے نہیں اٹھاتے جو اٹھانا چاہیئے۔ تم ایسے طور سے نہیں ڈرتے جو ڈرنا چاہیئے۔ خود سوچ لو کہ جس کو یقین ہے کہ فلاں سوراخ میں سانپ ہے وہ اس سوراخ میں کب ہاتھ ڈالتا ہے اور جس کو یقین ہے کہ اس کے کھانے میں زہر ہے وہ اس کھانے کو کب کھاتا ہے اور جو یقینی طور پر دیکھ رہا ہے کہ اس فلاں بن میں ایک ہزار خونخوار شیر ہے اس

کا قدم کیونکر بے احتیاطی اور غفلت سے اس بن کی طرف اُٹھ سکتا ہے۔ سو تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں اور تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں کیونکر گناہ پر دلیری کر سکتی ہیں۔ اگر تمہیں خدا اور جزا سزا پر یقین ہے ؟ گناہ یقین پر غالب نہیں ہو سکتا اور جب کہ تم ایک بھسم کرنے اور کھا جانے والی آگ کو دیکھ رہے ہو تو کیونکر اس آگ میں اپنے تئیں ڈال سکتے ہو اور یقین کی دیواریں آسمان تک ہیں۔ شیطان ان پر چڑھ نہیں سکتا۔ ہر ایک جو پاک ہوا وہ یقین سے پاک ہوا۔ یقین دکھ اُٹھانے کی قوت دیتا ہے یہاں تک کہ ایک بادشاہ کو تخت سے اتارتا ہے اور فقیری جامہ پہناتا ہے یقین ہر ایک دکھ کو سہل کر دیتا ہے۔ یقین خدا کو دکھاتا ہے ہر ایک کفارہ جھوٹا ہے اور ہر ایک فدیہ باطل ہے اور ہر ایک پاکیزگی یقین کی راہ سے آتی ہے۔ وہ چیز جو گناہ سے چھڑاتی اور خدا تک پہنچاتی اور فرشتوں سے بھی صدق اور ثبات میں آگے بڑھا دیتی ہے وہ یقین ہے۔ ہر ایک مذہب جو یقین کا سامان پیش نہیں کرتا وہ جھوٹا ہے ہر ایک مذہب جو یقینی وسائل سے خدا کو دکھا نہیں سکتا وہ جھوٹا ہے۔"

(کشتی نوح صفحہ ۱۱۲ تا ۱۱۶)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کا مقصد یہ تھا کہ انسان نہ صرف اپنے پروردگار کو حقیقی طور پر شناخت کرلے بلکہ اپنی ساری زندگی خدا تعالیٰ کے لئے وقف کر دے۔ اس کا مرنا، اس کا جینا، اس کا اٹھنا، اس کا بیٹھنا، اس کا سونا، اس کا جاگنا اس کا کھانا، اس کا پینا محض خدا تعالیٰ کے لئے ہو جائے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بار بار اپنی کتابوں میں جماعت کو خدا تعالیٰ سے حقیقی تعلق پیدا کرنے، اس کی راہ میں اپنی زندگی وقف کرنے اور اس کا وصال حاصل کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ اور تنبیہ فرمائی ہے کہ جب تک تم اپنا سر خدا تعالیٰ کے آگے نہ رکھو گے اور اس کے غیر پر اس کو ہر لحاظ سے مقدم نہ رکھو گے۔ اس وقت تک تم اس کے حقیقی بندے کہلانے اور اس کی رضا حاصل کرنے کے مستحق نہ بنو گے۔ اس ضمن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند روح پرور اشارات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں:۔

خدا کو ہر چیز پر مقدم رکھنا چاہیئے

پیروی کرنے کے لیئے یہ باتیں ہیں کہ وہ یقین کریں کہ ان کا ایک قادر اور قیوم اور خالق الکل خدا ہے جو اپنی صفات میں ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے۔ نہ وہ کسی کا بیٹا نہ کوئی اس کا بیٹا۔ وہ دکھ اُٹھانے اور صلیب پر چڑھنے اور مرنے سے پاک ہے، وہ ایسا ہے کہ باوجود دور ہونے کے نزدیک ہے اور باوجود نزدیک ہونے کے وہ دور ہے اور باوجود ایک ہونے کے اس کی تجلیات الگ الگ ہیں۔

انسان کی طرف سے جب ایک۔ نئے رنگ کی تبدیلی ظہور میں آوے تو اس کے لیئے وہ ایک نیا خدا بن جاتا ہے اور ایک نئی تجلی کے ساتھ اس سے معاملہ کرتا ہے اور انسان بقدر اپنی تبدیلی کے خدا میں بھی تبدیلی دیکھتا ہے مگر یہ نہیں کہ خدا میں کچھ تغیر آ جاتا ہے بلکہ وہ ازل سے غیر متغیر اور کمال تام رکھتا ہے۔ لیکن انسانی تغیرات کے وقت جب نیکی کی طرف انسان کے تغیر ہوتے ہیں تو خدا بھی ایک نئی تجلی سے اس پر ظاہر ہوتا ہے اور ہر ایک ترقی یافتہ حالت کے وقت جو انسان سے ظہور میں

آتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی قادرانہ تجلّی بھی ایک ترقی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ وہ خارق عادت قدرت اسی جگہ دکھلاتا ہے جہاں خارق عادت تبدیلی ظاہر ہوتی ہے۔ خوارق اور معجزات کی یہی جڑ ہے۔ یہ خدا ہے جو ہمارے سلسلہ کی شرط ہے۔ اس پر ایمان لاؤ اور اپنے نفس پر اور اپنے آراموں پر اور اپنے کل تعلقات پر اس کو مقدم رکھو اور عملی طور پر بہادری کے ساتھ اس کی راہ میں صدق و وفا دکھلاؤ۔ دنیا اپنے اسباب اور اپنے عزیزوں پر اس کو مقدم نہیں رکھتی مگر تم اس کو مقدم رکھو تا تم آسمان پر اس کی جماعت لکھے جاؤ۔ رحمت کے نشان دکھلانا قدیم سے خدا کی عادت ہے مگر تم اس حالت میں اس عادت سے حصہ لے سکتے ہو کہ تم میں اور اس میں کچھ جدائی نہ رہے اور تمہاری مرضی اس کی مرضی اور تمہاری خواہشیں اس کی خواہشیں ہو جائیں اور تمہارا سر ہر ایک وقت اور ہر ایک حالت مرادیابی اور نامرادی میں اس کے آستانہ پر پڑا رہے۔ تا جو چاہے سو کرے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم میں وہ خدا ظاہر ہوگا جس نے مدت سے اپنا چہرہ چھپا لیا ہے۔ کیا کوئی تم میں ہے جو اس پر عمل کرے اور اس کی رضا کا طالب ہو جائے اور اس کی قضا و قدر پر ناراض نہ ہو؟"

(کشتی نوح ۲۱ تا ۲۳)

خدا تعالیٰ کے انعامات جو دوسرے لفظوں میں

خدا کے انعامات انہی پر نازل ہوتے ہیں جو اس کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیتے ہیں

فیوض کہلاتے ہیں انہی پر نازل ہوتے ہیں جو اپنی زندگی کی خدا کی راہ میں قربانی دے کر اور اپنا تمام وجود اس کی راہ میں وقف کر کے اور اس کی رضا میں محو ہو کر پھر اس وجہ سے دعائیں لگے رہتے ہیں کہ تا جو کچھ انسان کو روحانی نعمتوں اور خدا کے قرب اور وصال اور اس کے مکالمات اور مخاطبات میں سے مل سکتا ہے وہ سب ان کو ملے اور اس دعا کے ساتھ اپنے تمام قویٰ سے عبادت بجا لاتے ہیں اور گناہ سے پرہیز کرتے ہیں اور آستانہ الٰہی پر پڑے رہتے ہیں اور جہاں تک ان کے لئے ممکن ہے اپنے تئیں بدی سے بچاتے ہیں اور غضب الٰہی کی راہوں سے دور رہتے ہیں۔ اور چونکہ وہ ایک اعلیٰ ہمت اور صدق کے ساتھ خدا کو ڈھونڈتے ہیں اس لئے اس کو پا لیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی پاک معرفت کے پیالوں سے سیراب کئے جاتے ہیں ....

سچا اور کامل فیض جو روحانی عالم تک پہنچاتا ہے کامل استقامت سے وابستہ ہے اور کامل استقامت سے مراد ایک ایسی حالت صدق و وفا ہے جس کو کوئی امتحان ضرر نہ پہنچا سکے یعنی ایسا پیوند ہو جس کو نہ تلوار کاٹ سکے نہ آگ جلا سکے اور نہ کوئی دوسری آفت نقصان پہنچا سکے۔ عزیزوں کی موتیں اس سے علیحدہ نہ کر سکیں۔ پیاروں کی جدائی اس میں خلل انداز نہ ہو سکے بے آبروئی کا خوف کچھ رعب نہ ڈال سکے۔ ہولناک دکھوں سے مارا جانا ایک ذرا دل کو نہ ڈرا سکے سو یہ دروازہ نہایت تنگ ہے اور یہ راہ نہایت دشوار گزار ہے ...... سچ تو یہ ہے کہ جب تک ہم خود نہ مریں زندہ خدا نظر نہیں آ سکتا۔ خدا کے ظہور کا دہی دن ہوتا ہے کہ جب ہماری جسمانی زندگی پر موت آوے۔ ہم اندھے ہیں جب تک غیر کے دیکھنے سے اندھے نہ ہو جائیں۔ ہم مردہ ہیں۔ جب تک خدا کے ہاتھ میں مردہ کی طرح نہ ہو جائیں۔ جب ہمارا منہ ٹھیک ٹھیک اس کے محاذات میں پڑے گا تب وہ واقعی استقامت جو تمام نفسانی جذبات پر غالب آتی ہے ہمیں حاصل ہو گی اس سے پہلے نہیں۔ اور یہی وہ استقامت

ہے جس سے نفسانی زندگی پر موت آجاتی ہے۔ ہماری استقامت یہ ہے کہ جیسا کہ وہ فرماتا ہے کہ بلیٰ من اسلم وجهه لله وهو محسن یعنی یہ کہ قربانی کی طرح میرے آگے گردن رکھ دو۔ ایسا ہی ہم اس وقت درجہ استقامت حاصل کریں کہ جب ہمارے وجود کے تمام پرزے اور ہمارے نفس کی تمام قوتیں اسی کام میں لگ جائیں اور ہماری موت اور ہماری زندگی اسی کے لئے ہو جائے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین یعنی کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب خدا کے لئے ہے اور جب انسان کی محبت خدا کے ساتھ اس درجہ تک پہنچ جائے کہ اس کا مرنا اور جینا اپنے لئے نہیں بلکہ خدا کے لئے ہو جائے تب خدا جو ہمیشہ سے پیار کرنے والوں کے ساتھ پیار کرتا آیا ہے اپنی محبت کو اس پر اتارتا ہے اور ان دونوں محبتوں کے ملنے سے انسان کے اندر ایک نور پیدا ہوتا ہے جس کو دنیا نہیں پہچانتی اور نہ سمجھ سکتی ہے"۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۷۱ تا ۷۵)

جو شخص خدا کی راہ میں مرتا ہے وہی زندگی پاتا ہے

"جاننا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نہایت کریم و رحیم ہے جو شخص اس کی طرف صدق اور صفا سے رجوع کرتا ہے وہ اس سے بڑھ کر اپنا صدق و صفا اس سے ظاہر کرتا ہے اس کی طرف صدق دل سے قدم اٹھانے والا ہرگز ضائع نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ میں بڑے بڑے محبت اور وفاداری اور فیض اور احسان اور کرشمۂ خدائی دکھلانے کے اخلاق ہیں مگر وہی ان کو پورے طور پر مشاہدہ کرتا ہے جو پورے طور پر اس کی محبت میں محو ہو جاتا ہے اگرچہ وہ بڑا کریم و رحیم ہے مگر غنی اور بے نیاز ہے اس لئے جو شخص اس کی راہ میں مرتا ہے وہی اس سے زندگی پاتا ہے اور جو اس کے سب کچھ کھوتا ہے اسی کو آسمانی انعام ملتا ہے۔

خدا تعالیٰ سے کامل تعلق پیدا کرنے والے اس شخص سے مشابہت رکھتے ہیں جو اول دور سے آگ کی روشنی دیکھے اور پھر اس سے نزدیک ہو جائے یہاں تک کہ اس آگ میں اپنے تئیں داخل کر دے اور تمام جسم جل جائے اور صرف آگ ہی باقی رہ جائے۔ اسی طرح کامل تعلق والا دن بدن خدا تعالےٰ کے نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ محبت الٰہی کی آگ میں تمام وجود اس کا پڑ جاتا ہے اور شعلۂ نور سے قالب نفسانی جل کر خاک ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ آگ لے لیتی ہے۔ یہ انتہا اس مبارک محبت کا ہے جو خدا سے ہوتی ہے۔ یہ امر کہ خدا تعالیٰ سے کسی کا کامل تعلق اس کی بڑی علامت یہ ہے کہ صفات الٰہیہ اس میں پیدا ہو جاتی ہیں اور بشریت کے رذائل شعلۂ نور سے جل کر ایک نئی ہستی پیدا ہوتی ہے اور ایک نئی زندگی نمودار ہوتی ہے جو پہلی زندگی سے بالکل مغائر ہوتی ہے اور جیسا کہ لوہا جب آگ میں ڈالا جائے اور آگ اس کے تمام رگ و ریشہ میں پورا غلبہ کر لے تو وہ لوہا بالکل آگ کی شکل پیدا کر لیتا ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ آگ ہے گو خواص آگ کے ظاہر کرتا ہے اسی طرح جس کو شعلہ محبت الٰہی سر سے پیر تک اپنے اندر لیتا ہے وہ بھی مظہر تجلیات الٰہیہ ہو جاتا ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ وہ خدا ہے بلکہ ایک بندہ ہے جس کو اس آگ نے اپنے اندر لے لیا ہے اور اس آگ کے غلبہ کے بعد ہزاروں علامتیں کامل محبت کی پیدا ہو جاتی ہیں کوئی ایک علامت نہیں ہے تا وہ ایک زیرک اور طالب حق پر مشتبہ ہو سکے بلکہ وہ تعلق صدہا علامتوں کے ساتھ شناخت

کیا جاتا ہے ..... یہ وہ قدم ہے کہ کوئی اپنے پیارے بیٹے سے ایسی محبت نہیں کرے گا جیسا کہ خدا ان لوگوں سے کرتا ہے جو دل و جان سے اُس کے ہو جاتے ہیں وہ ان کے لئے عجائب کام دکھلاتا ہے اور ایسی اپنی قوت دکھلاتا ہے کہ جیسا ایک سوتا ہوا شیر جاگ اُٹھتا ہے۔ خدا مخفی ہے اور اس کے ظاہر کرنے والے یہی لوگ ہیں۔ وہ ہزاروں پردوں کے اندر ہے اور اُس کا چہرہ دکھلانے والی یہی قوم ہے"۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴ تا ۱۹)

جو خدا کا ہو جاتا ہے خدا اُس کا ہو جاتا ہے

"عزیز خدا کا نام ہے وہ اپنی عزت کسی کو نہیں دیتا مگر انہیں کو جو اس کی محبت میں کھوئے گئے ہیں۔ ظاہر خدا کا نام ہے وہ اپنا ظہور کسی کو نہیں بخشتا مگر انہی کو جو اس کے لئے بمنزلہ اُس کی توحید اور تفرید کے ہیں اور ایسے اس کی دوستی میں محو ہوئے ہیں جو اب بمنزلہ اُس کی صفات کے ہیں۔ وہ اُن کو نور دیتا ہے اپنے نور میں سے اور علم دیتا ہے اپنے علم میں سے تب وہ اپنے سارے دل اور ساری جان اور ساری محبت سے اس یار یگانہ کی پرستش کرتے ہیں اور اس کی رضا کو ایسا چاہتے ہیں جیسا کہ وہ خود چاہتا ہے

انسان خدا کی پرستش کا دعویٰ کرتا ہے مگر کیا پرستش صرف بہت سے سجدوں اور رکوع اور قیام سے ہو سکتی ہے یا بہت مرتبہ تسبیح کے دانے پھیرنے والے پرستار الٰہی کہلا سکتے ہیں بلکہ پرستش اس سے ہو سکتی ہے جس کو خدا کی محبت اس درجہ پر اپنی طرف کھینچے کہ اس کا اپنا وجود درمیان سے اُٹھ جائے اول خدا کی ہستی پر پورا یقین ہو اور پھر خدا کے حسن و احسان پر پوری اطلاع ہو اور پھر اُس سے محبت کا تعلق ایسا ہو کہ سوزش محبت ہر وقت سینہ میں موجود ہو اور یہ حالت ہر ایک دم چہرہ پر ظاہر ہو اور خدا کی عظمت دل میں ایسی ہو کہ تمام دنیا اُس کی ہستی کے آگے مردہ متصور ہو اور ہر ایک خوف اُسی کی ذات سے وابستہ ہو اور اُسی کی درد میں لذت ہو اور اُسی کی خلوت میں راحت ہو اور اُس کے بغیر دل کو کسی کے ساتھ قرار نہ ہو۔ اگر ایسی حالت ہو جائے تو اس کا نام پرستش ہے مگر یہ حالت بجز خدا تعالیٰ کی خاص مدد کے کیونکر پیدا ہو اسی لئے خدا تعالیٰ نے یہ دعا سکھلائی ایاك نعبد و ایاك نستعین یعنی ہم تیری پرستش تو کرتے ہیں مگر کہاں حق پرستش ادا کر سکتے ہیں جب تک تیری طرف سے خاص مدد نہ ہو۔ خدا کو اپنا حقیقی محبوب قرار دے کر اس کی پرستش کرنا یہی ولایت ہے جس سے آگے کوئی درجہ نہیں مگر یہ درجہ بغیر اس کی مدد کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کے حاصل ہونے کی نشانی یہ ہے کہ خدا کی عظمت دل میں بیٹھ جائے۔ خدا کی محبت دل میں بیٹھ جائے اور دل اُسی پر توکل کرے اور اسی کو پسند کرے اور ہر ایک چیز پر اسی کو اختیار کرے اور اپنی زندگی کا مقصد اسی کی یاد کو سمجھے اور اگر ابراہیم کی طرح اپنے ہاتھ سے اپنی عزیز اولاد کے ذبح کرنے کا حکم ہو یا اپنے تئیں آگ میں ڈالنے کے لئے اشارہ ہو تو ایسے سخت احکام کو بھی محبت کے جوش سے بجا لائے اور رضا جوئی اپنے آقائے کریم میں اس حد تک کوشش کرے کہ اس کی اطاعت میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔ یہ بہت تنگ دروازہ ہے اور یہ شربت بہت ہی تلخ شربت ہے تھوڑے لوگ ہیں جو اس دروازہ میں سے داخل ہوتے ہیں اور اس شربت کو پیتے ہیں۔ زنا سے بچنا کوئی بڑی بات نہیں اور کسی کو ناحق قتل نہ کرنا بڑا کام نہیں اور جھوٹی گواہی نہ دینا کوئی بڑا ہنر نہیں مگر ہر ایک چیز پر خدا کو اختیار کر لینا اور اُس کے لئے

سچی محبت اور سچے جوش سے دنیا کی تمام تلخیوں کو اختیار کرنا بلکہ اپنے ہاتھ سے تلخیاں پیدا کر لینا۔ یہ وہ مرتبہ ہے کہ بجز صدیقوں کے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ عبادت ہے جس کے ادا کرنے کے لئے انسان مامور ہے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۵۰ تا ۵۳)

خدا کی رضا مل ہی نہیں سکتی جب تک اس کی راہ میں تلخی اختیار نہ کی جائے

اور چاہیئے کہ تم بھی ہمدردی اور اپنے نفسوں کے پاک کرنے سے روح القدس سے حصہ لو کہ بجز روح القدس کے حقیقی تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتی اور نفسانی جذبات کو چھوڑ کر خدا کی رضا کے لئے وہ راہ اختیار کرو جو اس سے زیادہ کوئی راہ تنگ نہ ہو۔ درد جس سے خدا راضی ہو اس لذت سے بہتر ہے جس سے خدا ناراض ہو جائے اور وہ شکست جس سے خدا راضی ہو اس فتح سے بہتر ہے جو موجب غضب الٰہی ہو۔ اُس محبت کو چھوڑ دو جو خدا کے غضب کے قریب کرے۔ اگر تم صاف دل ہو کر اس کی طرف آ جاؤ تو ہر ایک راہ میں وہ تمہاری مدد کرے گا اور کوئی دشمن تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ خدا کی رضا کو تم کسی طرح پا ہی نہیں سکتے جب تک تم اپنی رضا کو چھوڑ کر، اپنی عزت کو چھوڑ کر، اپنا مال چھوڑ کر، اپنی جان چھوڑ کر اس کی راہ میں تلخی نہ اٹھاؤ جو موت کا نظارہ تمہارے سامنے پیش کرتی ہے لیکن اگر تم تلخی اُٹھا لو گے تو ایک پیارے بچے کی طرح خدا کی گود میں آ جاؤ گے اور تم ان راستبازوں کے وارث کئے جاؤ گے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور ہر ایک نعمت کے دروازے تم پر کھولے جائیں گے لیکن تھوڑے ہیں جو ایسے ہیں....

دیکھو میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ آدمی ہلاک شدہ ہے جو دین کے ساتھ کچھ دنیا کی ملونی رکھتا ہے اور اس نفس سے جہنم بہت قریب ہے جس کے تمام ارادے خدا کے لئے نہیں ہیں بلکہ کچھ خدا کے لئے اور کچھ دنیا کے لئے۔ پس اگر تم دنیا کی ایک ذرہ بھی ملونی اپنے اغراض میں رکھتے ہو تو تمہاری تمام عبادتیں عبث ہیں۔ اس صورت میں تم خدا کی پیروی نہیں کرتے بلکہ شیطان کی پیروی کرتے ہو۔ تم ہرگز توقع نہ کرو کہ ایسی حالت میں خدا تمہاری مدد کریگا بلکہ تم اس حالت میں زمین کے کیڑے ہو اور تھوڑے ہی دنوں تک تم اس طرح ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح کہ کیڑے ہلاک ہوتے ہیں۔ اور تم میں خدا نہیں ہو گا بلکہ تمہیں ہلاک کر کے خدا خوش ہو گا۔ لیکن اگر تم اپنے نفس سے درحقیقت مر جاؤ گے تب تم خدا میں ظاہر ہو جاؤ گے اور خدا تمہارے ساتھ ہو گا اور وہ گھر بابرکت ہو گا جس میں تم رہتے ہو گے اور ان دیواروں پر خدا کی رحمت نازل ہو گی جو تمہارے گھر کی دیواریں ہیں اور وہ شہر بابرکت ہو گا جہاں ایسا آدمی رہتا ہو گا۔ اگر تمہاری زندگی اور تمہاری موت اور تمہاری ہر ایک حرکت اور تمہاری نرمی اور گرمی محض خدا کے لئے ہو جائے گی اور ہر ایک تلخی اور مصیبت کے وقت تم خدا کا امتحان نہیں کرو گے اور تعلق کو نہیں توڑو گے بلکہ آگے قدم بڑھاؤ گے تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک خاص قوم ہو جاؤ گے۔ تم بھی انسان ہو

جیسا کہ میں انسان ہوں اور وہی میرا خدا تمہارا خدا ہے۔ پس اپنی پاک قوتوں کو ضائع مت کرو۔ اگر تم پورے طور پر خدا کی طرف جھکو گے تو دیکھو میں خدا کی منشاء کے موافق تمہیں کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک قوم برگزیدہ ہو جاؤ گے خدا کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اس کی توحید کا اقرار نہ صرف زبان سے بلکہ عملی طور پر کرو تا خدا بھی عملی طور پر اپنا لطف و احسان تم پر ظاہر کرے۔"

(الوصیت صفحہ ۹ و ۱۰)

خدا تعالیٰ صادق اور وفادار پر ہی اپنے عجائبات ظاہر کرتا ہے

آخر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے ایک روح پرور ارشاد پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"ہمارے خدا میں بے شمار عجائبات ہیں مگر وہی دیکھتے ہیں جو صدق و وفا سے اس کے ہو گئے ہیں وہ غیروں پر جو اس کی قدرتوں پر یقین نہیں رکھتے اور اس کے صادق وفادار نہیں ہیں وہ عجائبات ظاہر نہیں کرتا کیا بدبخت وہ انسان ہے جس کو اب تک یہ پتہ نہیں کہ اس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں، کس دف سے میں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سن لیں اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔

اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔ تم سوئے ہوئے ہو گے اور خدا تعالیٰ تمہارے لئے جاگے گا۔ تم دشمن سے غافل ہو گے اور خدا اسے دیکھے گا اور اس کے منصوبے کو توڑے گا۔ تم ابھی تک نہیں جانتے کہ تمہارے خدا میں کیا کیا قدرتیں ہیں اور اگر تم جانتے تو تم پر کوئی دن ایسا نہ آتا کہ تم دنیا کے لئے سخت غمگین ہو جاتے۔ ایک شخص جو ایک خزانہ اپنے پاس رکھتا ہے کیا وہ ایک پیسہ کے ضائع ہونے سے روتا ہے اور چیخیں مارتا ہے اور ہلاک ہونے لگتا ہے، پھر اگر تم کو اس خزانہ کی اطلاع ہوتی کہ خدا تمہارا ہر ایک حاجت کے وقت کام آنے والا ہے تو تم دنیا کے لئے ایسے بے خود کیوں ہوتے۔ خدا ایک پیارا خزانہ ہے اس کی قدر کرو کہ وہ تمہارے ہر ایک قدم میں تمہارا مددگار ہے تم بغیر اس کے کچھ بھی نہیں اور نہ تمہارے اسباب اور تدبیریں کچھ چیز ہیں۔"

(کشتی نوح صفحہ ۴۴ تا ۴۵)

اللہ تعالے سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان فرمودات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم خدا کے سچے بندے بن کر اس کے بیش بہا انعامات کے وارث بنیں۔ ہم اس سے راضی ہوں اور وہ ہم سے راضی ہو اور ہم میں اور اس میں وہ تعلق قائم ہو جائے کہ دنیوی رشتوں میں اس کی نظیر نہ پائی جائے۔ آمین یارب العالمین۔

اطمینان قلب صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر سے حاصل ہو سکتا ہے

(از مکرم و محترم جناب صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب)

والذین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولٰئک علیھم اللعنۃ ولھم سوء الدار۔ اللہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر وفرحوا بالحیٰوۃ الدنیا وما الحیٰوۃ الدنیا فی الآخرۃ الا متاع۔ ویقول الذین کفروا لولا اُنزل علیہ آیۃ من ربہ قل ان اللہ یضل من یشاء ویھدی الیہ من اناب الذین آمنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب الذین آمنوا وعملوا الصالحات طوبیٰ لھم وحسن مآب .... مثل الجنۃ التی وعد المتقون تجری من تحتھا الانھار اُکلھا دائم وظلھا تلک عقبی الذین اتقوا وعقبی الکافرین النار ہ

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف طبیعتیں، مختلف استعدادیں اور مختلف فطرتیں دے کر پیدا کیا ہے اور جس طرح کوئی دو انسان ظاہری شکل میں ایک دوسرے سے کلی مشابہت نہیں رکھتے اسی طرح اپنی فطرت اور سیرت کے لحاظ سے بھی کوئی دو ایسے انسان نہیں ملیں گے جو بالکل باہم مطابقت اور مشابہت رکھتے ہوں۔ پھر یہ اختلاف افراد ہی کی حد تک نہیں بلکہ قوموں اور ملکوں میں بھی باہم اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان کی عادات ان کا طریق فکر ان کی رسوم اور رہن سہن کے طریق ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ لیکن اس وسیع اور شدید اختلاف کے باوجود تمام انسان ایک بات میں متفق اور متحد ہیں یعنی ہر انسان راحت، اطمینان قلب سرخوشی اور سکون کی تلاش میں ہے اور اگر انسانوں کی کوششوں کی کنہہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے تو یقیناً یہی پتہ لگے گا کہ سب اسی دولت کے حصول کی خاطر ہیں اور تمام جدوجہد کا منتہا یہی ہے کہ کسی طرح اطمینان قلب اور سکون حاصل ہو جائے۔ اطمینان قلب ہے کیا؟ اور اس کے حصول کے ذرائع کیا ہیں؟ اس بارہ میں تو شدید اختلاف ہو گا لیکن اس کے باوجود کسی انسان سے پوچھ کر دیکھ لو کہ تیری جدوجہد کا مقصد کیا ہے تو کیوں محنت کرتا ہے تو کیوں راتوں کو جاگتا اور دن کو دھوپ کی تپش برداشت کرتا ہے تو اس کے جواب سے یہی معلوم ہو گا کہ وہ خوشی اور اطمینان قلب اور سکون کی تلاش میں ہے۔

غرض یہ یقینی بات ہے کہ انسان کی تمام کوشش اور جدوجہد اور تمام فکر اور تمام سوچ بچار صرف اس لئے ہوتی ہے

کہ اسے اطمینان حاصل ہو جائے کیونکہ اطمینان کے بغیر خوشی حاصل نہیں ہوتی اور انسان دکھ درد اور خوف سے جو اس کی خوشیوں کے دشمن ہیں رہائی حاصل نہیں کر سکتا۔ آگے اطمینان کے حصول کے لئے جو ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں وہ مختلف ہوتے ہیں کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ دولت کے ذریعہ اطمینان قلب کو حاصل کر سکتا یا یوں کہو کہ خرید سکتا ہے سو وہ دولت کے حصول میں لگ جاتا ہے۔ دوسرا اسے طاقت اور رسوخ کے بل بوتہ پر حاصل کرنا چاہتا ہے اور زیادہ سے زیادہ طاقت پیدا کرنے اور رسوخ بڑھانے کے ذرائع کی طرف مائل ہو جاتا ہے کوئی اس پری کو علم کے شیشہ میں اتارنا چاہتا ہے اور رات دن علم کے حصول اور علمی تحقیقاتوں میں لگا رہتا ہے کوئی شاعرانہ تخیلات میں کھو کر دوسروں کی واہ واہ حاصل کرنے کو ہی اطمینان کا ذریعہ اور روح کی بے چینی کا مداوا سمجھ لیتا ہے کوئی اسے دوستوں کی وفاداری میں تلاش کرتا ہے کوئی بیوی بچوں کی محبت میں، لیکن جب حاصل نہیں کر پاتا تو اپنی کوششوں کو اور تیز کر دیتا ہے یہاں تک کہ اس کی جدوجہد دیوانگی اور وارفتگی کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ وہ پہلے سے بڑھ کر دولت کے انبار لگانے لگتا ہے اور اس کوشش میں اسے یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ وہ اس طرح اپنے جیسے بہت سارے انسانوں کو بھوکا مار رہا ہے اس کے دماغ میں ایک ہی خیال ہوتا ہے کہ کسی طرح زیادہ سے زیادہ روپیہ حاصل کرے، خواہ کسی بھی قیمت پر ملے اطمینان قلب مل تو جائے وہ پہلے سے بڑھ کر طاقت حاصل کرنے لگتا ہے اور اس راہ میں دوسروں کا خون بہانے اور معصوم اور کمزور عورتوں اور بچوں کو بے گھر اور بے در کرنے سے بھی نہیں چوکتا کہ شاید دل کی خوشی زیادہ طاقت سے حاصل ہو جائے۔ کبھی وہ اس کی تلاش میں زمین کی گہرائیوں کی طرف جھکتا ہے۔ کبھی آسمان کی بلندیوں میں اسے تلاش کرتا ہے کبھی پہاڑوں سے سر ٹکراتا ہے کبھی صحراؤں میں سرگرداں پھرتا ہے۔ کبھی سمندروں کے سینے چاک کر کے اس کی گہرائیوں میں اس آبدار موتی کو تلاش کرتا ہے لیکن افسوس کہ کہیں نہیں پاتا۔ نہ ہوائی جہاز اور راکٹ آسمان کی بلندیوں سے اطمینان قلب کا تحفہ لاتے ہیں نہ آبدوز کشتیاں سمندر کی گہرائیوں میں اسے حاصل کر پاتی ہیں، نہ لیبارٹریوں میں اس کے حصول کا کوئی نسخہ تیار ہوا ہے نہ درسگاہوں میں کوئی ایسی کتاب پڑھائی جاتی ہے جس میں اس کے حصول کی ترکیب بتائی گئی ہو نہ نیو یارک اور لندن اکسچینج میں اس متاع کی تجارت ہوتی ہے، نہ ہٹلر نے اسے پایا نہ خروشچیف و کینیڈی اس کا منہ دیکھیں گے، مجھے ایک تاریخی واقعہ یاد آتا ہے اور جب بھی میں اس کے متعلق سوچتا ہوں میرا دل ان لوگوں کے لئے جو دنیا طلبی ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور حصول راحت اور سرخوشی کے اصل ذریعہ کو بھولے ہوئے ہیں حسرت اور تأسف سے بھر جاتا ہے الحکم جو اسلامی سپین کا سب سے زیادہ طاقتور، دولت مند، پر دبدبہ اور پر شوکت نہایت ہی دانشمند اور مدبر بادشاہ تھا اور جس نے پچپن سال تک بغیر کسی ناکامی کا منہ دیکھے نہایت شان سے حکومت کی ہے، کہتا ہے کہ ایک دفعہ میں نے سوچا کہ میں نے اتنی لمبی حکومت کی اتنی طاقت اور دولت جمع کی۔ مجھے اس سے کیا حاصل ہوا میری زندگی میں کتنے دن آئے جو واقعی خوشی کے دن تھے تو بہت سوچنے کے بعد بھی مجھے دس دن سے زیادہ ایسے نظر نہیں آتے جنہیں میں خوشی کے دن کہہ سکتا۔ سوچو اور غور کرو کہ کیسا عبرتناک انجام ہے کتنی حسرت اور بے بسی ہے۔ مادی ذرائع

میں سے ہر چیز حاصل ہونے کے باوجود اور اتنی لمبی عمر پانے کے باوجود جو اسّی سال کے قریب تھی، ایک شہنشاہ کی زندگی میں خوشی کے صرف چند دن اور وہ دن بھی حقیقی خوشی کے نہیں تھے کیونکہ جو خوشی گزر جائے اور جسے حسرت سے یاد کیا جائے وہ کوئی خوشی نہیں حقیقی خوشی جو اطمینان کا باعث ہوتی ہے وہی ہوتی ہے جس کے زوال کا ڈر نہ ہو۔

غرض اطمینان قلب اور سکون دلی اور راحت اور امن جو ہر قسم کے خوف اور حزن کو دل سے نکال کر دل کو تسلی دیتا اور حرقت اور جلن اور بے چینی اور اضطراب کو دور کرتا ہے مادی ذرائع سے نہ کبھی حاصل ہوا نہ ہو سکتا ہے لیکن قبل اس کے کہ میں یہ بتاؤں کہ اطمینان کیوں مادی ذرائع سے نہیں ملتا اور باوجود ہر قسم کی کوشش اور جدوجہد کے یہ متاع کیوں حاصل نہیں ہو سکتی یہ بتانا ضروری ہے کہ اطمینان ہے کیا چیز اور وہ کونسی حالت ہے جس میں کہہ سکتے ہیں کہ انسان کے دل کا اضطراب اور قلق دور ہو کر اُس کے دل کو امن اور بے خوفی کی برودت اور تسلی حاصل ہو جاتی ہے سو یاد رہے کہ اطمینان لغت کی رُو سے سکون اور امن کی حالت کو کہتے ہیں اور یہ حالت تب حاصل ہوتی ہے جبکہ انسان کو اس کے مقاصد حاصل ہو جائیں اور وہ ہر شر سے محفوظ ہو جائے اور اس کا مستقبل بھی محفوظ ہو اور حاسد دل اور دشمنوں اور بد باطن اور بد اندیش لوگوں کے شر سے محفوظ رہنے کی ضمانت حاصل ہو جائے غرض ہر لحاظ سے خوف اس کے دل سے دُور کیا جائے اور ضمیر کی ملامت سے بچایا جائے اور آئندہ ہر قسم کے گناہوں اور ناپاکیوں اور ہر تاریکی اور جہالت اور ہر اس چیز سے جو اُس کی روح کی صحت کو خراب کرنے والی ہو بچایا جائے اور علم اور معرفت کا نور اور یقین کا تسلی بخش ہاتھ اُس کے دل کی جلن کو دور کر دے اور کوئی ایسا جانی دوست مل جائے جس کی طاقت اور قدرت اور وفاداری اور وقت پر کام آنے کی صلاحیت پر پورا پورا بھروسہ کیا جا سکے اور جب اُس جانی دوست کے متعلق یہ یقین کامل حاصل ہو کہ جو کچھ کرے گا ہمارے فائدہ کے لئے کرے گا اور پھر اطمینان اسوقت حاصل ہوتا ہے جبکہ انسان کو ہر قسم کے درد اور دکھ اور جلن اور اضطراب سے نجات دی جائے یا پھر ایسا جذبہ بخشا جائے کہ انسان محبت کی راہ میں ہر دکھ کو لذت اور ہر تکلیف کو انعام سمجھے اور پکار اُٹھے کہ

اے محبت عجب آثار نمایاں کردی ٭ زخم مرہم بہ رہ یار تو یکساں کردی

اب ہر شخص سوچ سکتا ہے کہ یہ باتیں مادی ذرائع سے حاصل نہیں ہو سکتیں کیونکہ وہ ذرائع تو خود ناپائدار ہیں ان پر ایک پائدار مستقبل کی بنیاد کس طرح رکھی جا سکتی ہے؟ دولت اور طاقت اور صحت جو آنی جانی چیزیں ہیں اور مجازی محبوب جن کے حسن میں صدہا نقائص ہوتے ہیں اور جو بالآخر بے وفائی کر جاتے ہیں علم ظاہری جو اپنے اندر شک اور بے یقینی کی خلش رکھتا ہے۔ دوست جو وقت پر کام نہیں آتے یا نہیں آ سکتے اولاد جو ناخلف ثابت ہوتی ہے یا مر کر ہمیشہ کی مفارقت کا داغ دے جاتی ہے کیونکر کسی کی خوشحالی کے ضامن ہو سکتے ہیں؟ اور اگر بفرض محال یہ مان لیا جائے کہ مادی ذرائع سے بھی خوشی اور اطمینان قلب حاصل ہو سکتا ہے تو وہ خوشی بہت عارضی اور صرف حال سے تعلق رکھتی ہے اس لئے کہ مادی ذرائع زیادہ سے زیادہ حال کا ذمہ لے سکتے ہیں ماضی اور مستقبل پر ان کا کوئی اثر اور اختیار نہیں۔ نہ وہ کامل حفاظت کا موجب ہو سکتے ہیں کیونکہ انسان تو یہ

بھی نہیں جانتا کہ اس کو کس سے اور کس طرف سے خطرہ لاحق ہے پھر کوئی دولت وباؤں کو نہیں روک سکتی اور کوئی طاقت زلازل اور دوسری سماوی بدروں کا مقابلہ نہیں کر سکتی اگر مادی ذرائع سے حقیقی خوشی اور سچا اطمینان حاصل ہو سکتا تو انسان ان چیزوں کو کبھی قربان نہ کرتا لیکن انسانی تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی انسانوں پر خطرہ آیا ہے تو انہوں نے ان تمام چیزوں کو جن کے حصول میں دن رات لگے رہتے تھے اپنے آپ کو خطرہ سے بچانے کے لئے قربان کر دیا ہے اور اُن چیزوں کی جن کو پہلے اس سے سب کچھ خیال کرتے تھے ذرہ بھر قدر نہ کی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لو ان لھم ما فی الارض جمیعًا ومثلہ معہ لافتدوا بہٖ (رعد) یعنی جب عذاب آئے گا تو نہ صرف وہ دولت جو یہ جمع کر رہے ہیں بلکہ اگر انہیں تمام دنیا کی دولت اور اتنی ہی اور دولت اگر کہیں سے مل جائے تو سب کچھ اپنے بچاؤ کے لئے قربان کر دیں گے اس میں پیشگوئی ہے کہ جب خطرہ آئے گا تو مومن تو ہرگز اپنی دولت یعنی ایمان کو کسی قیمت پر قربان کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے لیکن کفار اپنی دولت کو قربان کر دیں گے جو اس بات کا ثبوت ہوگا کہ مومن کو دولت ذکر اور ایمان نے حقیقی راحت اور سچا اطمینان بخشا تھا لیکن کافر کی دولت نے اسے کوئی اطمینان نہ بخشا تھا پھر فرماتا ہے یود المجرم یومئذٍ لو یفتدی من عذاب یومئذٍ ببنیہ وصاحبتہ واخیہ وفصیلتہ التی تؤویہ ومن فی الارض جمیعًا ثم ینجیہ (المعارج)۔ کافر اس دن چاہے گا کہ اپنے آپ کو عذاب سے بچانے کے لئے اپنے بچوں کو اور اپنی بیویوں کو اور اپنے بھائیوں کو اور اپنے خاندان کو جو وقت پڑ اس کے کام آتا اور اسے پناہ دیا کرتا تھا بلکہ ہر ایک کو جو زمین پر پایا جاتا ہے قربان کر دے اور اس طرح اپنے آپ کو بچا لے پس خود انسانی فطرت اور انسانی تاریخ اسبات کی گواہ ہے کہ انسان نے کبھی مادی ذرائع سے حقیقی خوشی اور اطمینان حاصل نہیں کیا اور نہ کر سکتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جتنا انسان ان چیزوں کے پیچھے بھاگتا ہے اُتنی ہی اس کی خوشی اس سے روٹھتی جاتی ہے اتنا ہی ماتم اس کے گھر میں زیادہ ہوتا جاتا ہے اتنی ہی اس کی حرقت اور جلن اور تڑپ بڑھتی جاتی ہے۔ اس لئے کہ اس طرح سے وہ اپنی فطرت پر ظلم کر رہا ہوتا ہے اور اپنی روح سے جنگ کر رہا ہوتا ہے اور اُس صدق اور وفا کے آفتاب سے اور اُس خوشی اور اطمینان کے سرچشمہ سے دور ہو رہا ہوتا ہے جس سے پیوند ہونے اور وصال حاصل کرنے کے لئے اسے پیدا کیا گیا تھا اور اس طرح اس وعید کا مصداق ہو جاتا ہے ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمی (طہ) یعنی جو میرے ذکر سے اعراض کرتا ہے اس کے لئے تنگی کی زندگی مقدر کی گئی ہے اس دنیا میں اور اس دنیا میں بھی ہم اسے اندھا ہونے کی حالت میں اٹھائیں گے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان ذرائع سے جن کو عام طور پر انسان خوشی اور اطمینان کے حاصل کرنے کے لئے اختیار کرتا ہے خوشی حاصل نہیں ہوتی تو کیا دنیا میں خوشی اور اطمینان کا کوئی وجود ہی نہیں اور سکون اور راحت محض وہمی چیزیں ہیں یا یہ کہ یہ دولت پائی تو جاتی ہے لیکن اس کے حصول کا ذریعہ کوئی اور ہے ، جسے انسان بھولا ہوا ہے ہو معلوم ہو کہ یہ دولت یقیناً

موجود ہے اور ہرگز کوئی وہمی اور خیالی چیز نہیں اور ہر زمانہ میں خوش قسمت انسان اس کو حاصل کرتے رہے ہیں اور اب بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ رعد کی اُن آیات میں جو میں نے شروع میں تلاوت کی ہیں اللہ تعالیٰ نے اسی حقیقت کو ظاہر فرمایا ہے۔ فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ سے پختہ عہد کرنے کے بعد اسے توڑ دیتے ہیں یعنی ربوبیت باری کا اقرار جس کا عہد اُن کی فطرت سے لیا گیا تھا اور اس تعلق کو توڑ دیتے ہیں جس کے ساتھ ان کے وجود کا خمیر اٹھایا گیا تھا اور پھر انبیاء کو بھیج کر بھی اُن کو اس رشتہ کے قائم رکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ وہ رشتہ جو سب رشتوں سے زیادہ قابل قدر سب سے زیادہ پیارا اور سب سے زیادہ حقیقی رشتہ ہے۔ بس وہ جو اس رشتہ کو توڑ کر فساد فی الارض کا موجب ہوتے ہیں ان لوگوں پر خدا کی لعنت ہے یعنی وہ اُس نور اور برکت اور خوشی اور اطمینان کے سرچشمہ سے دور کئے جائیں گے اور ان کے لئے برا انجام مقدر ہے، یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں رزق ہے وہ اپنی حکمت سے جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے اس لئے کہ رزق کی کمی بیشی کا حقیقی راحت اور سچی خوشحالی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ لیکن یہ لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے اور دنیا کی زندگی اور دنیا کے سامانوں پر نازاں ہو جاتے ہیں اور بھول جاتے ہیں اُس ذات کو جس نے زندگی اور زندگی کے سامان دئے اور انہیں یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ پر بالکل بے حقیقت چیز ہے اور یہ کافر لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس رسول پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشان کیوں نازل نہیں ہوا تو انہیں کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ نے کی مشیت حقہ جس کو اس کا اہل سمجھتی ہے گمراہ کر دیتی ہے اور انہیں کو ہدایت دیتی ہے جو اُس کی طرف جھکتے ہیں یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور ان کے دل اس کے ذکر سے کامل تسلی اور کامل اطمینان پاتے ہیں یاد رکھو کہ اطمینان قلب کے حصول کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور اس کے حسن اور احسان کے تذکروں سے اپنے دل کی سُونی بستی کو آباد کرے اور اس کے جمال کے نور سے اپنے سینہ کی تنویر کرے تاکہ اُس سے کامل محبت پیدا ہو کر مکمل اتصال ہو جائے۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ کا عشق خدا تعالیٰ کی ذات سے اور ان کا شوق اس کے ذکر کو بلند کرنے کا اور وہ خوشی اور اطمینان جو انہیں اُس کی یاد میں حاصل ہوتا تھا آنحضور صلعم کی صداقت کی دلیل ہے اور دوسروں کے لئے اسوۂ کامل جس پر انہیں چلنا چاہیئے اور سوچنا چاہیئے کہ آخر انہیں کوئی بہت ہی بڑی دولت ملی ہو گی اور کوئی بہت ہی بڑا خوشیوں کا خزانہ ہاتھ لگا ہو گا جس کی وجہ سے نہ وہ اپنی جانوں کی پرواہ کرتے تھے نہ مالوں کی، نہ اپنے بیوی بچوں کی نہ دوستوں اور عزیزوں کی اور خدا کی محبت میں دیوانہ وار اپنے سر کٹانے اور خون بہانے کے لئے نکل کھڑے ہوتے تھے پھر باقی ترجمہ ان آیات کا یہ ہے کہ وہ لوگ جن کا ذکر کیا گیا ہے یعنی جو خدا تعالیٰ پر ایمان لاتے اور اپنے دعویٰ ایمان کے مطابق نیک کام کرتے ہیں انہیں خیر و سعادت سے معمور قابل صد رشک، پُر لذت اور پر حلاوت اچھی زندگی دی جائے گی اور اُن کا انجام اچھا ہو گا پھر اس انعام کا ذکر فرماتا ہے جو ان کو دیا جائے گا فرماتا ہے کہ وہ جنت جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی حقیقت کو کوئی سمجھ بھی نہیں سکتا۔ تمثیلی رنگ میں یوں سمجھو کہ اس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یعنی ان کے قلوب میں علم و معرفت کی نہریں جاری کی جائیں

گی اُس جنت کے پھل دائمی ہوں گے کبھی منقطع نہیں ہوں گے اور اس کے سائے بھی یعنی مومن کے اعمال اور اذکار کے اثمار اور برکات دائمی ہوں گے یہ ہے متقیوں کا انجام لیکن کافروں کا انجام آگ ہوگا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نہایت وضاحت کے ساتھ بدلائل یہ بتا دیا ہے کہ سچی خوشی اور کامل اطمینان اور پاک سکون صرف انہی کو حاصل ہو سکتا ہے جو اس کا ذکر بلند کرتے ہیں اور اس کی یادوں میں گم ہو جاتے ہیں لیکن جو لوگ اس پاک رشتہ کو جو خالق اور مخلوق کے درمیان ہے قطع کر دیتے ہیں اور جن کی روح بلیٰ کا عہد بھول جاتی ہے اُن کو کسی دوسرے ذریعہ سے خوشی حاصل نہیں ہو سکتی اور دولت دنیا کے انبار بھی ان کے کسی کام نہیں آسکتے بلکہ وہ خدا کی لعنت کے نیچے آجاتے ہیں اور اس سرچشمۂ فیض و برکت سے دُور اور مہجور کیے جاتے ہیں اس لیے کہ ہر برکت اور ہر نور کا سرچشمہ اللہ ہی کی ذات ہے اور ہر کامیابی اور راحت اور خوشی اُسی سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا قل بفضل اللہ وبرحمتہ وبذالک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون تو ان سے کہدے کہ میرے سارے کام اللہ کے فضل اور رحم پر منحصر ہیں اور تم بھی جو برکت حاصل کرتے ہو اس کے فضل اور رحم ہی سے حاصل کر سکتے ہو اور خدا کا فضل اور رحم ہی وہ دولت ہے کہ جس کے حصول پر خوش ہونا چاہیئے کیونکہ یہ دولت ہر اس دولت سے جسے وہ جمع کرتے ہیں بہتر ہے۔

ذکر الٰہی کے فوائد اب میں قرآن کریم اور حدیث نبوی کے حوالوں سے یہ بتاؤں گا کہ ذکر الٰہی کے کیا کیا فوائد ہیں جن پر غور کرنے سے خود بخود ثابت ہو جائے گا کہ اگر اطمینان قلب کوئی چیز ہے اور انسان کی قسمت میں اس کا حصول مقدر ہے تو وہ اسی ایک ہی ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ پس سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں ذکر کے معنی کسی کو یاد کرنے اور اس کے حسن و جمال کے تذکرہ کرنے اور کسی کی تصویر کو اپنے دل میں جمانے کے ہوتے ہیں۔ پس اس لحاظ سے دراصل ذکر اور محبت لازم و ملزوم ہیں جب کسی سے محبت ہوگی تو لازماً انسان اس کا ذکر بھی کرے گا اور جب کسی کا ذکر کریگا اور اس کے حسن و احسان کا تصور کرے گا تو آہستہ آہستہ وہ صورت جمال دل پر نقش ہو کر اُس وجود کی محبت بھی پیدا ہو جائے گی۔ پس ذکر الٰہی کا جو ہمیں قرآن کریم میں بار بار حکم دیا گیا ہے اور اس پر شدید تاکید ہے اس کی یہی وجہ ہے کہ یہ محبت الٰہی کے پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ بعض لوگ تو محبت الٰہی ماں کے پیٹ سے لے کر آتے ہیں لیکن بعض میں یہ پاک مادہ کسی قدر دبا ہوا ہوتا ہے اور ان کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ذریعہ اس چنگاری کو ہوا دے کر شعلہ بنائیں کیونکہ خدا تعالیٰ کی محبت کے بغیر انسان خبث اور گند سے نجات پا کر دائمی جنت کا وارث نہیں ہو سکتا جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں

بے عشق دلے پاک شود من نہ پذیرم   عشق است کہ زیں دام بیک دم برہاند

یعنی میرا مذہب تو یہ ہے کہ عشق الٰہی کے بغیر دل پاک نہیں ہو سکتا۔ عشق ہی ہے جو نفس اور شیطان کے دام سے رہائی دلاتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: الذین آمنوا اشد حبا للہ کہ مومن ہر پیاری سے پیاری چیز سے بڑھکر اپنے خدا سے محبت کرتا ہے۔ الغرض ذکر الٰہی اور محبت الٰہی لازم و ملزوم ہیں اور ذکر الٰہی پر اسی لئے زور دیا جاتا ہے کہ یہ محبت

الہی کے پیدا کرنے کا ذریعہ ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ کو اپنے ذکر سے شروع کیا اور اپنی حمد اور اپنے حسن و احسان کے تذکرہ سے اس کی ابتدار کی اور اِیاكَ نَعبُدُ پر اس مضمون کو ختم کیا۔ یہ بتانے کے لئے کہ جو شخص بھی سچے دل سے ان صفات پر غور کرے گا اور حسن و احسان کی اس کامل ترین تصویر کو اپنی نظر کے سامنے رکھے گا تو آخر ایک دن محبت الہی کا شعلہ اس کے دل پر پڑکر غیر اللہ کے خیال کو اور نفس کی ملونی کو خس و خاشاک کی طرح جلاکر رکھ دے گا اور اُس کے وجود کا ذرہ ذرہ اور اس کے جسم کا رواں رواں پکار اُٹھے گا اِیاكَ نَعبُدُ، اِیاكَ نَعبُدُ۔ اے ان خوبیوں اور محبوبیوں کے مالک ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور ہماری روح صرف تجھی کو سجدہ کرتی ہے اور ہمارا دل تیرا ہی خلوت خانہ ہے جس میں ہم تیرے غیر کو آنے نہیں دیتے۔ جب انسان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ محبت الہی کا شعلہ بھڑک کر غیر اللہ کے گندے دل کی سرزمین کو پاک کر دیتا ہے تب ہی ہم کسی کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ اس میں حقیقت اسلام پیدا ہوگئی ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے حضور صلعم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ اسلام کے احکام بہت ہیں میرے لئے اُن سب کا یاد رکھنا مشکل ہے۔ آپ مجھے کوئی ایسی اصولی بات بتائیں جس پر عمل کرکے میں حقیقت اسلام کو پالوں فرمایا لا یزال لسانك رطبیا من ذکر اللہ (ریاض الصالحین) یعنی اپنی زبان کو ہر دم خدا کے ذکر سے تر رکھا کرو۔ تب ہی حقیقت اسلام پیدا ہو سکتی ہے اور حقیقت اسلام یہ ہے کہ انسان خدا کی محبت میں ایسا وارفتہ ہو اور حق کا ایسا شیدائی ہو کہ اللہ تعالیٰ کی امانت کامل طور پر اس کے سپرد کر دے۔ اپنا جسم بھی اور اپنا دل اور اس کے جذبات بھی اور اپنی روح اور اس کی جمیع طاقتیں بھی اور اپنے تمام ارادے اور تمام مرضیات کو چھوڑ کر اُس کی مرضی کو اختیار کرلے اور وہ حالت پیدا ہو جاتے جسے صوفیا کی اصطلاح میں فنا کہتے ہیں اور جسے قرآن کریم میں استقامت کا نام دیا گیا ہے۔ اس حقیقت اسلام کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ بلیٰ من اسلم وجھہ للہ اور جب یہ حقیقت اسلام کسی انسان میں پیدا ہو جاتی ہے تو ایسا انسان آہستہ آہستہ ترقی کرتے کرتے ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی اعلیٰ تجلیات تمام حجابوں سے نکل کر اس کا رخ کرتی ہیں اور طرح طرح کی برکات اس پر نازل ہوتی ہیں اور اسے ملکوت الہی کی سیر کرائی جاتی ہے تا وہ یقین اور معرفت میں مرتبہ کامل حاصل کرے اور اس کی زبان اور بیان اور اقوال اور افعال اور حرکات و سکنات میں برکت رکھ دی جاتی ہے اور اُسے غیر معمولی شجاعت اور ہمت اور استقامت عطا کی جاتی ہے اور شرح صدر کا اعلیٰ مقام اسے عطا ہوتا ہے اور تنگ دلی اور خست اور بخل اور بار بار کی لغزش اور غلامی شہوات اور رذائت اخلاق سے پاک کرکے ربانی اخلاق کا نور اس میں بھر دیا جاتا ہے اور اس کی وہ حالت ہو جاتی ہے جس کے متعلق آنحضرت فداہ ابی و امی و روحی نے فرمایا ہے کہ خدا فرماتا ہے لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی اکون سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدیہ الذی یبطش بہ و رجلیہ الذی یمشی بہ کہ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ (یعنی ان اذکار اور عبادات کے ذریعہ جو فرض نہیں بلکہ بندہ اپنی محبت اور خوشی سے بجالاتا ہے) میرے قریب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ

وہ اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ دوئی باقی نہیں رہتی اور میں ہی اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن کے ذریعہ وہ اپنے دشمن کو پکڑتا ہے اور پاؤں ہو جاتا ہوں جن کے ذریعہ وہ چلتا ہے یعنی ایسے بندہ کا اپنا کوئی ارادہ اور کوئی فعل نہیں رہتا وہ خدا سے دیکھتا خدا سے سنتا اور اس کی پکڑ خدا کی پکڑ اور خدائی قہر ہو جاتی ہے اور وہ خدا تعالیٰ کے اُن دوستوں میں شامل ہو جاتا ہے جن کے متعلق فرمایا:۔
الا ان اولیاء اللہ لاخوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون الذین آمنوا وکانوا یتقون۔ لھم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الاخرۃ لاتبدیل لکلمات اللہ وذلک ھوالفوز العظیم۔ یعنی یاد رکھو کہ خدا کے دوستوں کے لئے کوئی خوف نہیں ہے اور نہ گذشتہ باتیں اور قصور جو ان سے ہو گئے انہیں غمزدہ کر سکتی ہیں اولیاء اللہ وہ ہیں جو خدا تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں (اور عبادات اور اذکار کے ذریعہ) اس کا تقویٰ اپنے دل میں پیدا کر لیتے ہیں۔ ان کے لئے بشریٰ ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی یعنی فرشتے ان پر نازل ہوتے ہیں اور ان کا دل بندھاتے ہیں۔ اور ان کی تسلی اور اطمینان کا باعث ہوتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اپنے دوستوں کے متعلق اور خدا کے فیصلے کبھی بدلا نہیں کرتے یہی سب سے بڑی کامیابی ہے گویا کہ اولیاء اللہ کو جو امن اور سکینت اور اطمینان قلب اور خوشی عطا ہوتی ہے وہ عارضی نہیں ہوتی بلکہ دائمی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر دم اور ہر آن ان کا کفیل ہوتا ہے۔ نہ ماضی ایک مردہ بوجھ کی طرح ان کی گردن میں پڑ کر ان کو ترقیات اور خوشیوں سے محروم رکھتا ہے نہ مستقبل کے متعلق ان کو کوئی فکر ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کو ایک ایسا طاقت ور اور جانی دوست مل جاتا ہے جو ان کی ہر ذمہ داری اپنے اوپر لے لیتا ہے اور ان کی تمام ضروریات پوری کرنے کا آپ متکفل ہو جاتا ہے کوئی دشمن ان کو گزند نہیں پہنچا سکتا کیونکہ وہ ایک بڑی مضبوط حصار میں آجاتے ہیں نہ انہیں نفس سے خطرہ ہوتا ہے نہ شیطان سے اب بتاؤ کہ اگر کسی کو واقعی یہ نعمتیں حاصل ہو جائیں تو کیا اس کے مطمئن اور مامون ہونے میں کوئی شبہ باقی رہ جاتا ہے۔

دوئم یہ ایک حقیقت ہے کہ جو چیز جس کام کے لئے پیدا کی جائے وہی اس کو اچھا لگتا ہے جیسا کہ کہتے ہیں کہ جس کا کام اُسی کو ساجھے"۔ لیکن جب کوئی چیز اپنے مقصد سے علیحدہ ہو جائے اور اپنے مرکز کو چھوڑ دے تو پھر خرابی (Disintegration) پیدا ہونا لازمی امر ہے۔ دیکھو اگر کمپاس کی سوئی کا رخ قطب شمالی کی طرف سے پھیر دیا جائے تو کس طرح اس میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے اور کس طرح وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپتی ہے اور نہیں قرار پاتی جب تک کہ اس کا رخ پھر سے شمال کی طرف نہ ہو جائے۔ یہ طبعی قانون جو عقل کے عین مطابق ہے ہر موجود میں کام کرتا نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات ایک انسان کو سب کچھ حاصل ہوتا ہے صحت، دولت، طاقت، عزت، علم دوست احباب سب موجود ہوتے ہیں لیکن اطمینان قلب حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن ایک دوسرا انسان ہوتا ہے کہ اسے دنیا کی متاع میں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن طمانیت اور سکینت اس طرح اُس کے بشرے اور اس کی ہر حرکت سے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہوتی ہے کہ ہر دیکھنے والا اس سے متاثر ہوتا ہے اور یقین کرتا ہے کہ اسے کوئی خفیہ خزانہ مل گیا ہے۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ انسان جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے پیدا کیا ہے اور جس کی پیدائش کا مقصد

یہ ہے کہ وہ اللہ کا عبد بنے اور اللہ کی صفات اس کے ذریعہ ظاہر ہوں بے قرار اور بے چین اور مضطرب اور بے حال رہتا ہے جب تک کہ پھر اپنے مرکز کی طرف لوٹ نہ آئے اور پھر سے اُس کے قویٰ اُسی مقصد کے حصول میں نہ لگ جائیں اور اس کا چھٹا ہوا گھر اُسے واپس نہ مل جائے اور جب تک محبت کی لگی نہ بجھے کیونکہ انسان کا خمیر خدا کی محبت سے اٹھایا گیا ہے اور اس کا وجود علق کے مادہ سے بنایا گیا ہے جیسا کہ فرمایا خَلَقَ الانسان من علق یعنی انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی گئی ہے کہ وہ خدا سے تعلق قائم کرنا چاہتا ہے پس جب تک یہ علق کی آگ ذکر کے پانی سے نہ بجھے اس کی خاک ٹھکانے نہیں لگتی اور وہ اس وقت تک اطمینان نہیں پاتا کہ ؎

آخر گل اپنی صرف در میکدہ ہوئی پہنچی وہیں یہ خاک جہاں کا خمیر تھا

کا مصداق نہ ہو جائے۔ خواہ انسان کی عقل اُسے کتنے بھی دھوکے دے اُس کی روح اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانتی ہے اور اس کی شیفتہ ہے اور اس کے بغیر قرار نہیں پاتی۔

سوئم۔ یہ ایک قاعدے کی بات ہے جو انسانی تجارب سے ثابت ہے کہ وہی چیز کسی دوسری چیز کا اثر قبول کرتی ہے اور اس کا فیض پاتی ہے جو فیض دینے والے وجود کی طرف منہ کرے اور اس کے عین محاذات میں آجائے یوں تو سورج کی شعاعیں اپنا اثر تاریک ترین گوشوں تک بھی کسی قدر پہنچا دیتی ہیں اور کوئی تاریک سے تاریک مکان بھی ایسا نہیں ہوتا کہ جس میں سورج کی شعاعیں کسی نہ کسی حد تک داخل نہ ہوتی ہوں۔ لیکن پورا اثر اور کامل فیض زمین کے وہی حصے حاصل کرتے ہیں جو عین سورج کی شعاعوں کے مقابل پر پڑے ہوں تب سورج کی شعاعیں اس کے ہر زاویہ اور کونہ میں گھس کر تاریکی کو کلی شکست دیتی ہیں اور اُس قطعہ زمین کا ہر حصہ جو اس طرح اپنے آپ کو سورج کی شعاعوں کے سامنے ڈال دیتا ہے جگمگا اُٹھتا ہے یہی حال اس شخص کا ہے جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا اور اس کے ذکر کو بلند کرتا ہے کہ اس طرح سے وہ اپنے وجود کو کلی طور پر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی شعاعوں کے سامنے کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں اس کے وجود کا ہر حصہ اپنے رب کے نور سے چمک اٹھتا اور اس کے فیض سے مستفیض ہوتا ہے اور اُس کے قوائے روحانی کی تمام شاخوں کی فیض الٰہی سے آبیاری ہوتی ہے جیسا کہ وہ جل شانہٗ خود فرماتا ہے کہ فاذکرونی اذکرکم یعنی اگر تم مجھے بھلاؤ نہیں اور مجھ سے منہ نہ موڑو بلکہ میری یاد میں لگے رہو تو میں بھی تمہیں یاد کروں گا یعنی تم میری ربوبیت کا کامل فیض پاؤ گے اور میری رحمانیت کا سایہ تم پر ہوگا اور میری رحیمیت تمہاری کوششوں کو بارآور کرے گی اور میری مالکیت اور میری بادشاہت تمہارے ذریعہ سے ظاہر ہوگی پس اللہ تعالیٰ کے کامل فیض کو وہی حاصل کرتا ہے جو اس کی طرف منہ کرتا اور ہمیشہ رو بحق رہتا اور اس کے ذکر کو اپنی روح کی غذا بناتا ہے اور اسی حد تک نہیں کہ وہ خود فیض اٹھاتا ہے بلکہ اس شیشہ کی طرح جسے سورج کی طرف کیا جائے تو وہ اس کی شعاعوں کو جذب کر کے REFLECT کرتا ہے ذاکر کا دل بھی صیقل ہو کر فیض الٰہی کو اپنے اندر جذب کر کے پھر اس نور کو دوسروں تک پہنچاتا اور ایک اعلیٰ درجہ کا فیض رساں وجود ہو جاتا ہے اور اس میں ایسا حسن اور ایسی کشش پیدا ہو جاتی ہے کہ قلوب اس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں اور اس کی مقبولیت اس کے فیض کی طرح عام ہو جاتی ہے۔

چہارم ذکر کرنے والے کے لئے حصول مقاصد کی تمام راہیں کھول دی جاتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خود اسے وہ باتیں سکھا دیتا ہے اور وہ ذرائع بہم پہنچا دیتا ہے جو اس کی کامیابی کے لئے ضروری ہوتے ہیں فرماتا ہے واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون یعنی اگر کامیاب زندگی گذارنا چاہتے ہو اور دارین کی فلاح تمہارا مقصود ہے تو اللہ تعالیٰ کو بہت کثرت سے یاد کیا کرو۔

پنجم ذکر الٰہی کے نتیجہ میں گناہ بخشے جاتے ہیں اور اس طرح سے احساس جرم کا بھاری بوجھ جو نفسیاتی طور پر کسی انسان کے اطمینان کا سب سے بڑا دشمن اور اس کی کامیابی میں سب سے بڑی روک اور اس کی بیقراری کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اس کی گردن سے دور کیا جاتا ہے فرماتا ہے والذین اذا فعلوا فاحشۃً او ظلموا انفسھم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبھم ومن یغفر الذنوب الا اللہ یعنی وہ لوگ بھی متقیوں ہی میں شامل ہوتے ہیں کہ اگر کبھی ان سے کوئی بے حیائی کا کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر کے اپنی جان پر ظلم کر بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں اور جب انہیں اس کی پاک ذات یاد آتی ہے تو انہیں اپنے گناہ کے کام سے نفرت ہو جاتی ہے اور اس کی سبوحیت سے شرمندہ ہو کر اس کے حضور میں جھکتے اور اس سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور خدا کے سوا ہے کون جو گناہوں کو بخشنے کی طاقت رکھتا ہو پھر فرماتا ہے قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً یعنی ان سے کہہ دے کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو اللہ تمہارے سارے گناہوں کو بخش سکتا ہے۔ کتنا جاں بخش اور کتنا امید افزا پیغام ہے ہمارا سب کچھ اس پر قربان جس کی رحمت کی کوئی حد نہیں اور اس پر بھی جس نے ہمیں یہ پیغام سنا کر گویا مردوں میں سے جلا دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا دریائے رحمت خاص طور پر امت محمدیہ کے لئے جوش زن ہے کیونکہ اسی امت کے ذریعہ خدا کا ذکر سب سے زیادہ بلند ہوا۔ فرماتا ہے کہ جو لوگ اس ذکر مبارک پر جو محمد صلعم پر نازل ہوا ایمان لاتے ہیں۔ اللہ کا ان سے وعدہ ہے کہ نہ صرف ان کے گناہ بخش دے گا بلکہ سرے سے ان کی برائیوں کو مٹا دے گا اور ان کے دلوں کی اصلاح کر دے گا (سورۃ محمد) پھر صرف یہی نہیں کہ ذکر خدا کے نتیجہ میں گناہ معاف ہو جاتے ہیں بلکہ آئندہ کے لئے بھی گناہوں سے نفرت ہو جاتی ہے اور شیطان سے مقابلہ کی طاقت دی جاتی ہے فرماتا ہے اقم الصلوۃ ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر۔ نماز کو قائم کر نماز بے حیائیوں اور بری باتوں سے روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔ پس ذکر کے نتیجہ میں انسان آئندہ گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ کیونکہ انسان کے اعمال اس کے خیالات کے تابع ہوتے ہیں جس قسم کے خیالات انسان پر غالب ہوں گے وہی رنگ اس کے اعمال بھی اختیار کر لیں گے پس جو شخص ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہو اور اس کے خیالات پر ہر وقت اس کی سبوحیت اور قدوسیت اور اس کے اسماء حسنیٰ کا غلبہ ہو وہ گناہ کر ہی نہیں سکتا بلکہ لازماً اس کے ان پاک خیالات کے نتیجہ میں اس کے اعمال بھی خدا تعالیٰ کی سبوحیت اور قدوسیت کا رنگ اختیار کر لیں گے

ششم۔ جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں ان کی دعائیں بکثرت قبول ہوتی ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ساری دعائیں قبول ہوتی ہیں اس لئے کہ اگر کوئی دعا کسی حکمت کی وجہ سے جس میں دعا کرنے والے کا اپنا فائدہ ہوتا ہے نہ بھی قبول ہو تو بھی اس کے اجر سے وہ محروم نہیں رہتا۔

ہفتم۔ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے فرماتا ہے۔ یاایھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی یعنی اے وہ جان جو خدا کی یاد سے اطمینان پاتی ہے اپنے رب کی طرف لوٹ آ کہ تیرے رب کی گود میں سے بڑھ کر محبت کے ساتھ تیرے لئے واہے تو خدا سے راضی اور خدا تجھ سے خوش۔ پس تو میرے بندوں میں داخل ہو کر میری جنت میں آجا۔

ہشتم۔ اللہ تعالیٰ اس کا ہر بات میں متکفل ہو جاتا ہے اور رزق حلال عطا فرماتا ہے۔ فرماتا ہے من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب یعنی جو خدا کا تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے لئے فراخی کی سب راہیں کھول دیتا ہے۔ اور ایسے ذرائع سے رزق دیتا ہے۔ جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے۔

نہم۔ ذکر کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل ہو کر اس کی حکمتوں پر اطلاع ہوتی ہے اور نہ صرف روحانی طاقتیں ملتی ہیں۔ بلکہ نور عقل اور نور فراست بھی عطا ہوتا ہے۔ اور یہ یقین بخشا جاتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام حکمت سے خالی اور باطل نہیں اور جب تک خدا تعالیٰ کے کاموں کے متعلق یہ یقین نہ ہو حقیقی تسلی اور وہ پاک علم جو شک و شبہ کی تاریکیوں کو دور کرے حاصل نہیں ہو سکتا۔

دہم۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ اُذکروا اللہ ذکرا کثیرا وسبحوہ بکرۃ واصیلا ھو الذی یصلی علیکم وملئکتہ یخرجکم من الظلمات الی النور وکان بالمومنین رحیما۔ یعنی اے انسانو اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کیا کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح میں لگے رہو۔ وہی ہے جو تم پر اپنی برکتیں نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے تمہارے لئے دعاؤں میں لگے رہتے ہیں۔ تاکہ تم کو تاریکیوں سے نکال کر نور میں لے آئے اور وہ مومنوں پر بہت ہی مہربان ہے۔ یہ آیت سورۃ احزاب کی ہے۔ جس میں رسول کریم صلعم کی روحانی ابوّت کا ذکر ہے۔ گویا کہ اس میں اشارہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں وہ رسول کریمؐ ذراہ نفسی کی روحانی اولاد میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اور حضور کے نوروں اور حضور کی برکتوں اور آپ کے عشق اور محبت اور صدق و صفا اور وفا اور علم اور معرفت اور استقامت اور شفقت علی خلق اللہ اور آپ کے خلق عظیم کے وارث ہو کر اللہ تعالیٰ کے محبوبوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔

یہ دس فوائد ہیں جو قرآن کریم سے ذکر کے ثابت ہیں اس کے علاوہ اور بھی بہت سے فوائد ہیں لیکن یہی اصولی فوائد ہیں اور باقی سب ان کے اندر آجاتے ہیں اب ان فوائد پر نظر کرنے کے بعد کیا اس بارہ میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے کہ اگر اطمینان کے حصول کا کوئی ذریعہ ہے۔ تو وہ صرف اور صرف ذکر الٰہی ہے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ کس طرح سے یقینی طور پر یہ پتہ لگے کہ ذکر کے نتیجہ میں یہ برکتیں حاصل ہو جاتی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک نسخہ ہے اور کسی نسخے کے مفید ہونے کا پتہ اس کے استعمال ہی سے ہو سکتا ہے۔ اور پھر یہ کوئی ایسا نسخہ نہیں کہ جو تجربہ شدہ نہ ہو ابتداء خلق سے اب تک لاکھوں لاکھ انبیاء اور اولیاء اور اتقیاء نے اس نسخہ کو استعمال کیا ہے اور سو فی صدی کامیاب پایا ہے اور سب سے بڑھ کر اس کے بابرکت ہونے کا ثبوت ہمارے آقا و مولا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ہمارے حضور کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا ھو مولانا وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون یعنی تو ان سے کہدے کہ جب تک خدا نہ چاہے ہم پر کوئی مصیبت نہیں آسکتی اور خدا ہمارا دوست ہے دوست اپنے دوست کا بُرا نہیں چاہتے۔ اور انسان صنیف البنیان کو جو ہر دم سہارے کا محتاج ہے اللہ ہی کا سہارا لینا چاہیئے اور اُسی پر توکل کرنا چاہیئے۔ کیسا یقین اور کتنا اعتماد ان الفاظ میں پایا جاتا ہے۔ کتنا بڑا چیلنج ہے کہ اے دُنیا کی طاقتو آؤ اور سب مل کر میرا مقابلہ کر لو لیکن تم ہار وگے۔ اور میں اکیلا جیتوں گا۔ کیونکہ خدا میرے ساتھ ہے اور وہ میرا دوست ہے۔ اس سے بڑھ کر اطمینان قلب کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔ پھر صحابہ کو دیکھو اگر انہوں نے خدا کے ذکر میں وہ لذت اور اطمینان نہ پایا ہوتا جس نے دنیا کو اُن کی نظر میں ہیچ کر دیا۔ تو وہ کیوں اس راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دیتے۔ حضرت خبیبؓ کے متعلق لکھا ہے کہ جب مکہ کے بدبخت لوگ آپ کو قتل کرنے لگے تو آپ نے یہ دو شعر پڑھے ؎

وما ان اُبالی حین اُقتل مسلما	علی ای شق کان للہ مصرعی
فذالک من ذات الالہ وان یشاء	یُبارک علی اوصال شلو ممزّع

چونکہ میں اسلام کی حالت میں مر رہا ہوں مجھے اس بات کی ذرہ بھر پرواہ نہیں کہ میں مر کر کس پہلو پر گرتا ہوں کیونکہ میری موت خدا کی خاطر ہے اور اگر وہ چاہے گا۔ تو میرے ٹکڑے ٹکڑے جسم کے پور پور پر اپنی برکتیں نازل فرمائے گا۔ مر گئے وہ بدبخت جنہوں نے خبیبؓ کو قتل کیا لیکن خبیبؓ کی روح پر ہزاروں سلام۔ وہ آج بھی زندہ ہے اور زندہ رہے گا کیونکہ زندہ وہ ہے جو خدا کو یاد کرتا ہے اور اس کے ذکر کو بلند کرتا ہے اور مُردہ ہے وہ جو اپنے پیدا کرنے والے کو بھلا دیتا ہے۔

میں یقین رکھتا ہوں کہ مجلس خدام الاحمدیہ نے جو مجھے اس موضوع پر تقریر کرنے کی دعوت دی ہے تو صرف کان کے چسکے کے لئے نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ وہ ان باتوں پر عمل کریں۔ اس لئے میں مختصراً ذکر الٰہی کے طریق بھی بتا دیتا ہوں اور یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ جیسا کہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ نے فرمایا ہے کہ انگریزی تعلیم کے نتیجہ میں خود ہماری جماعت کے نوجوانوں میں بھی ذکر کی وہ اہمیت نہیں جو ہونی چاہیئے۔

اس ضمن میں سب سے پہلے تو یہ اصولی بات یاد رکھنی چاہیئے کہ خدا کا ذکر طبعی جوش اور سچی محبت سے ہونا چاہیئے اور انسان کو کوشش کرنی چاہیئے کہ جس طرح طبعی جوش کے ساتھ وہ اپنے ماں باپ سے محبت کرتا ہے اور جس طرح ان کی خدمت میں لذت اور شوق رکھتا ہے اور جس طرح ایک فطری جذبہ اس کے اندر ماں باپ کے احترام کا پایا جاتا ہے وہی جذبہ بلکہ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر

اللہ تعالیٰ کے ذکر کے متعلق پیدا کرے۔ جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔ اذکروا اللہ کذکرکم آباءکم او اشد ذکراً۔ اللہ تعالیٰ کو اُس طبعی جذبہ اور اُس بناوٹ سے پاک فطری لگاؤ سے یاد کیا کرو جس طرح تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو بلکہ خدا کی محبت اور اُس کے ساتھ لگاؤ اس سے بھی بڑھ کر چاہیئے۔ دوسری اصولی بات یہ یاد رکھنی چاہیئے کہ یاد کا تعلق محبت سے ہے اور محبوب کی یاد کے لئے کوئی وقت نہیں ہوا کرتا سچی محبت وہی ہوتی ہے جو رگ و پے میں جاری ہو کر سارے وجود پر قبضہ کرے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلٰی جنوبھم کہ وہ ہر وقت اور ہر آن کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے لیٹے ہوئے اس کو یاد کرتے ہیں اور ان کی سوچ بچار بھی اُسی کے متعلق اور اُس کے کاموں کے متعلق ہوتی ہے کہ کس طرح اس کا ہر کام ہر قسم کے عیب سے پاک ہے اور پکار اٹھتے ہیں کہ خدایا۔ تو نے یہ سب کارخانہ یونہی فضول نہیں بنایا۔ بلکہ نہایت ابلغ حکمت اور اعلیٰ مقصد کے لئے پیدا کیا ہے تو پاک ہے تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ یعنی ایسی زندگی سے جو باطل اور بیکار ہو اور جس کے نتیجہ میں دوزخ حاصل ہو۔

ذکر کے طریق یہ ہیں

اوّل۔ سب سے پہلا اور سب سے اہم طریق خدا کی یاد کا نماز ہے۔ فرماتا ہے۔ اقم الصلوٰۃ لذکری اور نمازوں میں بھی نماز پنجگانہ جو فرض ہے۔ اس کے علاوہ نوافل ہیں۔ یعنی وہ نمازیں جو فرض تو نہیں لیکن بندہ اپنی محبت سے خود انہیں ادا کرتا ہے اور یہی خدا کے حضور میں سب سے زیادہ قابل قدر اور بندہ کو خدا کے قریب کرنے والی ہیں۔ اور نوافل میں سب سے اہم تہجد ہے۔ فرماتا ہے۔ واذکر اسم ربک بکرۃ و اصیلا ومن اللیل فاسجد لہ وسبحہ لیلا طویلا۔ اللہ کے نام کا صبح اور شام ذکر کر اور راتوں کو اس کے حضور سجدہ ریز ہو اور رات کا ایک لمبا حصہ اس کی تسبیح میں گزار۔ رات کو اٹھ کر خدا کے حضور میں حاضر ہونا نفس کو کچلنے اور اُس کو بے راہ روی سے روکنے اور صداقت پیدا کرنے کے لئے سب سے کامیاب نسخہ ہے۔

دوئم ہر وقت اٹھتے بیٹھتے خدا کو یاد کرنا اور اسکی صفات کا تکرار دہرانا اور ان پر غور کرنا خصوصاً پانچوں نمازوں کے بعد اور رات کو سوتے وقت تینتیس تینتیس بار سبحان اللہ الحمد للہ اور چونتیس بار اللہ اکبر کہنا۔ اس کے علاوہ اور بھی مسنون کلمات ہیں جو آپ کو یاد کرنے اور ذکر کے لئے استعمال کرنے چاہئیں۔ تسبیح و تحمید کے علاوہ درود اور استغفار بھی ضروری ہیں۔

سوئم۔ تلاوت قرآن (ھذا ذکر مبارک انزلناہ)

چہارم۔ اپنی مجالس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔ اور اس کی صفات کو بیان کرنا اور اس کے ذکر کو بلند کرنے کی کوشش کرنا۔

پنجم۔ تبلیغ۔ خدا کے پیغام کو دنیا تک پہنچانا اور اُس کے بندوں کو اسکی طرف آنے اور اس اطمینان سے حصہ پانے کی دعوت دینا۔

سو یہ پانچ اصولی طریق ہیں۔ جو قرآن کریم سے ثابت ہیں۔ اور جن پر ہمیں عمل کرنا چاہیئے۔

عزیزو اور پیارو ہم لوگ جن کا دعویٰ ہے کہ ہمیں خدا نے اس لئے چنا ہے کہ تمام روئے زمین کے لوگوں کو اُس کے دین کی طرف جو کہ پیدائش انسانی کے مقصد کے حصول اور سچی خوشی اور کامل اطمینان پانے کا ایک ہی ذریعہ ہے بلائیں ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے۔ کہ دُنیا قصوں سے تسلّی نہیں پا سکتی۔ اور پدرم سلطان بود کے نعرہ نے کبھی کسی کا اطمینان نہیں کرایا۔ پس ہم جو دنیا کو اس طرف بلاتے ہیں۔ ہمیں خود سب سے پہلے اس دولت کو حاصل کرنا ہوگا۔ تاکہ ہم دوسروں کو بھی دے سکیں۔ جو خود محروم ہو وہ دوسروں کو کیا دے سکتا ہے؟

میں اٹھو اور خدا کے ذکر کو بلند کرو۔ اس کی محبّت کو اپنے دلوں میں پیدا کرو۔ ایسی محبّت جو اس غیر کے خیال تک کو دل سے نکال دے۔
تا تمہیں وہ اطمینان قلب حاصل ہو جس کا خدا کو یاد کرنے والوں کو خدا کی طرف سے وعدہ دیا گیا ہے۔ یاد رکھو کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو
کو خلیفہ بنایا تو فرشتوں نے کہا تھا۔ کہ اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء و نحن نسبح بحمدک و نقدس لک۔
کہ کیا تو اسکو خلیفہ بناتا ہے جو فساد کرے گا۔ اور خون بہائے گا۔ حالانکہ ہم تیری حمد بیان کرنے کے ساتھ تجھے ہر عیب سے پاک قرار دیتے
ہیں اور تیری تقدیس کرتے ہیں اور اس کے بعد سے آج تک جب بھی کوئی آدم آیا ہے اس پر یہی اعتراض کیا گیا ہے اور آج حضرت
مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے ماننے والوں پر بھی یہی اعتراض کیا جاتا ہے۔ اگر ہم نے اپنے فرض کو نہ سمجھا اور زمین کے
چپہ چپہ کو خدا کی تسبیح و تحمید سے معمور نہ کر دیا۔ تو ہم اللہ تعالیٰ کے اعتماد کی بے قدری کرنے والے ہونگے اور ہماری وجہ سے اُس پاک
ذات پر اور اُس کے انتخاب پر حرف آئے گا۔ اس لئے ہمیں اپنے سارے وجود اور ساری طاقتوں کو خدا کی یاد میں صرف کر دینا چاہئیے
کہ قلوب کی تسخیر کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ ہم خدا کی محبّت میں کھوئے جا کر اُسی کا رنگ اختیار کر لیں اور اس کے نور سے منور ہو جائیں اور اس
کا جمال ہمارے چہروں کا غازہ ہو جائے جب ایسا ہو جائے گا تو دنیا جو ہمیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے، ہماری طرف محبت سے بڑھیگی
کیونکہ جس کے چہرہ پر محبت الٰہی کا نور ہو قلوب خود بخود اس کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ عزیزو! ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم صحابہ کے مثیل
ہیں لیکن کبھی سوچا بھی کہ صحابہ کون اور کیا تھے وہ ایسے عاشق صادق اور پا مرد جوان تھے کہ کوئی چیز انہیں خدا کے ذکر سے اور نمازوں
سے نہیں روک سکتی تھی رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوٰۃ ان کے حق میں آیا
ہے وہ ایسے روحی تھے کہ روح القدس اُن کا قرین بنا دیا گیا تھا اور خدا کا نور اُن کے ساتھ ساتھ چلتا تھا آؤ کہ ہم بھی ایسا
ہی بننے کی کوشش کریں اگر دنیا کی ساری دولتیں، ساری طاقتیں، سارے علم ہمیں حاصل ہو جائیں لیکن ہم خدا کے ذکر کو بلند کرنے والے
نہ ہوں تو ہم اپنے مقصد میں ناکام اور اپنے دعوے میں جھوٹے ثابت ہوں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک دعا ہے
آپ اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرتے ہیں کہ خدایا مجھے ایسے چہرے دکھا جو ایمان کا نور رکھتے ہوں اور ایسے نفوس سے جو حکمت
الٰہی یعنی محبت کے قائل ہوں۔ اور ایسی آنکھیں دکھا جو تیرے خوف سے روتی ہوں اور ایسے دل دکھا جو تیرے ذکر پر کانپ جاتے ہوں
آؤ ہم سب مل کر حضور کی دعا پر آمین کہیں اور خدا تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں اُن لوگوں میں شامل کرے اور وہ چہرے اور وہ آنکھیں اور وہ
دل دے جنہیں مسیح موعود علیہ السلام دیکھنا چاہتے تھے اور اس سے عرض کریں کہ وہ خود ہمارے دل میں اپنی محبت پیدا کرے اور ہمیں اپنا جمال
دکھائے اور اپنے ذکر کو بلند کرنے کی توفیق دے اور ہمارے وجود کا ذرہ ذرہ اور ہمارے اوقات کا لمحہ لمحہ اُسی کے لئے ہو جائے اور
ہمیں توفیق دے کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس دعویٰ کو جو آپ نے اپنے اس شعر میں کیا ہے سچا ثابت کرنے والے ہوں فرماتے ہیں؛ ؎
انی اموت ولا یموت محبتی ؛ یدری بذکرک فی التراب ندائی "اے خدا میں تو مر جاؤنگا لیکن وہ محبت جو مجھے
تیری ذات سے ہے وہ کبھی نہیں مریگی۔ میرے مرنے کے بعد میری قبر میں سے بھی آواز تیرے ذکر کو بلند کرتی سنائی
دیگی"۔ اے خدا! اے مقلب القلوب اے قادر خدا! ہمیں اور ہماری نسلوں کو توفیق دے کہ ہمارے ذریعہ تیرے مسیح کی محبت
جو اس نے تیری پاک ذات سے کی زندہ جاوید ہو جائے۔ آمین

خدمتِ دین کو اِک فضلِ الٰہی جانو

(از جناب چوہدری محمد انور حسین صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعتہائے احمدیہ ضلع شیخوپورہ)

جیسا کہ احباب کو معلوم ہے۔ میری اس تقریر کا موضوع "خدمتِ دین کو اِک فضلِ الٰہی جانو" ہے۔ حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی نظم "نوجوانان جماعت سے خطاب" کے شعر کا یہ ایک مصرعہ ہے۔ حضور نے اس مختصر مصرعہ میں تقویٰ اللہ قرب الٰہی اور روحانیت کے حصول کے متعلق ایک اہم اور بنیادی اصول بیان فرمایا ہے۔

دین اور خدمت دین کے متعلق جب تک یہ احساس اور جذبہ نہ ہو کہ یہ ایک نعمت ہے، جو باقی تمام نعمتوں اور فضلوں سے بہتر ین اور اعلیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ نے رشد و ہدایت کے سامان اور ذرائع مہیا فرما کر ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے اس وقت تک تقویٰ اور قرب الٰہی کے ذریعہ حقیقی عرفان حاصل نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :- یمنون علیک ان اسلموا۔ قل لا تمنوا علیّ اسلامکم۔ بل اللہ یمن علیکم ان ھدٰکم للایمان ان کنتم صٰدقین۔ یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا کچھ احسان جتاتے ہیں تو کہہ اپنے اسلام لانے کا مجھ پر احسان نہ رکھو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایمان کی طرف ہدایت دینے کا تم پر احسان رکھتا ہے اگر تم اس دعوے میں سچے ہو۔ کہ تم ایمان لائے ہو تو اس حقیقت کو قبول کرو (پارہ ۲۶ رکوع ۱۴)

اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک دوسری جگہ فرماتا ہے :-

لقد منّ اللہ علی المومنین اِذ بعث فیھم رسولاً من اَنفسھم یتلوا علیھم آیٰتہٖ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین ۞

اللہ تعالیٰ نے یقیناً مومنوں میں سے ایسا رسول بھیج کر جو ان میں سے ہے اس کے نشان پڑھ کر سناتا ہے۔ پاک کرتا ہے اور حکمت سکھاتا ہے۔ ان پر احسان کیا ہے۔ اس سے قبل کھلی گمراہی میں وہ پڑے ہوئے تھے۔ (پارہ ۴ رکوع ۱۱)

اللہ تعالیٰ کو ہماری نمازوں ہمارے روزوں، ہماری قربانیوں ہمارے صدقات اور ہمارے جہاد کا کیا فائدہ۔ یہ سب کچھ ہماری بہتری، بہبودی، ترقی اور کامیابی اور ابدی زندگی کے لئے ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :- ومن یشکر فانما یشکر لنفسہٖ ومن کفر فاِنّ اللہ غنیٌّ حمید۔ جو شخص بھی شکر کرتا ہے اس کے شکر کا فائدہ اس کی جان کو پہنچتا ہے۔ اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے اسے یاد

رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سب شکروں سے بے نیاز ہے اور بڑی حمد والا ہے۔

مومن کو جہاد کی حقیقت اور صداقت کا کامل احساس ہو جاتا ہے تو وہ رغبت اور شوق اور محبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتا ہے۔ اور اس کے احکام کی پیروی تکلیف کے طور پر نہیں، مصیبت اور مشقت سمجھ کر نہیں۔ بلکہ ایک تڑپ، لذت اور راحت کے ساتھ کرتا ہے۔ اور اس کے لئے دکھوں اور مصیبتوں، قربانیوں کو برداشت کرنے میں سرور محسوس کرتا ہے۔

دین اور خدمت دین کی ماہیت بھی اللہ تعالیٰ نے اسی رنگت میں بیان فرمائی ہے۔ فرماتا ہے:۔

بلیٰ من اسلم وجھہ للہ وھو محسن فلہ اجرہٗ عند ربہ ولا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون۔ یعنی مسلمان وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے تمام وجود کو سونپ دے یعنی اپنے وجود کو اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے ارادوں کی پیروی کے لئے۔ اور اس کی خوشنودی کے حاصل کرنے کے لئے وقف کر دے کہ جس کی اعتقادی اور عملی صفائی ایسی محبت ذاتی پر مبنی ہو، اور ایسے ایسے جوش سے اعمال صالح اس سے صادر ہوں، جو عند اللہ مستحق اجر ہوں۔ ایسے لوگوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ کچھ غم رکھتے ہیں۔

اور دوسری قسم اللہ تعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کی یہ ہے۔ کہ اس کے بندوں کی خدمت، ہمدردی، چارہ جوئی بار برداری اور سچی غم خواری میں ہی زندگی وقف کر دی جائے۔ اور دوسروں کو آرام پہنچانے کے لئے دکھ اٹھائیں۔ اور دوسروں کی راحت کے لئے اپنے اوپر رنج گوارا کریں۔　(آئینۂ کمالات اسلام)

اس حقیقت دین کے سب سے بڑے عامل اور اپنے وقت کے سب سے بڑے دین کے خادم نبی ہی ہوتے ہیں۔ وہ مصیبتوں اور مخالفتوں کی آگ میں سے گزر کر بھولی بسری گم گشتہ راہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں۔ اور ان کی رشد و ہدایت کا موجب بنتے ہیں۔ اس مقصد کے حصول میں دنیا بڑی بڑی رکاوٹیں ڈالتی ہے۔ طرح طرح کی اذیتیں انہیں پہنچائی جاتی ہیں۔ انہیں اپنے گھروں اور وطنوں سے نکال دیا جاتا ہے اور انہیں نیست و نابود کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی۔ مگر وہ نہایت ہی اطمینان، بشاشت کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر توکل رکھتے ہوئے اپنے مشن کو پورا کرنے کے لئے دن رات لگے رہتے ہیں ان کے سامنے ایک ہی مقصد ہوتا ہے۔ وہ اپنے مخالفوں اور دشمنوں پر واضح کر دیتے ہیں کہ نہ کسی مال کی خواہش کی وجہ سے نہیں۔ نہ کوئی اقتدار یا حکومت حاصل کرنے کی غرض سے اس کٹھالی میں گزرتے ہیں۔ بلکہ ان کا اجر تو رب العلمین کے پاس ہے۔

اسی طرح اس کے بعد ان کے خلفاء، صحابہ، ائمہ دین، صلحاء خدمت دین کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں۔ مصیبت کو مصیبت سمجھ کر نہیں بلکہ فضل الٰہی جانتے ہوئے وہ اس خدمت کو سر انجام دیتے ہیں اور بڑے شوق اور محبت سے اس راہ پر گامزن ہوتے ہیں۔ اور وہ لذت اور سرور اس میں محسوس کرتے ہیں کہ خواہ انہیں اس راستہ میں اپنی جان و مال سب کچھ قربان کرنا

پڑے - وہ بڑی بشاشت سے اس قربانی کے لئے آمادہ اور تیار رہتے ہیں۔ اگر ہم انبیاء کے حالات کا بغور مطالعہ کریں، تو ہم یقیناً اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا واقعی خدمت دین جیسا کوئی فضل اور انعام نہیں۔ باقی تمام انعامات اور رحمتیں اس سے کم تر ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات پر غور فرمایئے۔ بھلا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہی قربانی کی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت اپنے بڑھاپے کی اولاد حضرت اسمٰعیل کو ایک بے آب گیاہ وادی میں چھوڑ دیا۔ جہاں کہ اُن کے کھانے پینے اور اُن کے رہنے کا کوئی سامان نہیں تھا۔ اور نہ ہی کوئی آبادی تھی۔ مگر اس قربانی کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح اور کس رنگ میں نوازا اور اس کی وجہ سے اُس نے کیا کیا فضل اور انعام اور اپنی رحمتیں اور برکتیں ان پر نازل فرمائیں۔ جو عزت اور شان ان کو ودلعیت ہوئی اس کے مقابلہ میں تو یہ قربانی ایک ہیچ نظر آتی ہے۔ اگر آج اللہ تعالیٰ ابراہیم علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمائے کہ اے ابراہیم! دیکھ تم نے میری خاطر اپنے ایک بچہ کی جان خطرہ میں ڈالی تھی۔ میں نے اس بچہ کو بھی محفوظ رکھا۔ اور آئندہ تیری نسل کو اتنا بڑھایا اتنا بڑھایا کہ ستارے تو گنے جاسکتے ہیں مگر تیری نسل کی گنتی نہیں کی جاسکتی، اور پھر تم پر یہ انعام کیا کہ آئندہ تیری نسل سے انبیاء کا سلسلہ چلایا اور آج کروڑ ہا انسان تم پر درود بھیجتے ہیں اور اس جگہ کو بھی مرجع خلائق بنا دیا۔ تو ابراہیمؑ کی روح شدت جذبات سے شکر سے پگھل کر اس کے آگے سجدہ میں گرے گی کہ یہ تیرا ہی فضل اور احسان تھا کہ تو نے اس خدمت کی توفیق فرمائی اور اس کو قبول فرمایا۔

اسی طرح سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات دیکھئے۔ کس طرح وہ خدمت دین کی وجہ سے اپنے وطن سے نکالے گئے اور کن کن مصائب میں سے انہیں گزرنا پڑا۔ نتیجہ کیا ہوا کہ جو بادشاہ انہیں ذلیل سمجھتے تھے اور اُن کو تباہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ خود تباہ ہو گئے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بادشاہت لاکھوں، کروڑوں لوگوں کے دلوں میں قائم ہوئی اور بڑے بڑے فاتح اور شہنشاہ ان کی غلامی میں فخر محسوس کرنے لگے اور ابد الآباد تک کروڑ ہا لوگ ان کی عزت و احترام کرتے چلے جائیں گے۔ یہ نتیجہ تھا اُس خدمتِ دین کا جو انہوں نے سرانجام دی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کس بے کسی، بے بسی اور کس مپرسی کی حالت میں تبلیغ کی اور کس طرح حکومت وقت نے ان کے خلاف مقدمہ قائم کر کے یہ فیصلہ کیا کہ انہیں پھانسی دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں صلیب سے بچایا اور وہ بچتے بچاتے کشمیر آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس قربانی کو کس طرح نوازا، کوئی قیاس بھی کر سکتا ہے۔ کہ ان کی ان کوششوں کی اللہ تعالیٰ کے فضل اور انعام کے ساتھ کوئی نسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قبولیت بخشی اور ان کے ماننے والے اور ان کے غلام، یورپ، ایشیا، افریقہ، روس اور دیگر براعظموں میں پھیلے اور کروڑوں نے ان کی غلامی کو قبول کیا۔ اور بڑے بڑے بادشاہوں شہنشاہوں نے ان کے غلاموں کی خدمت اور خوشنودی حاصل کرنے میں فخر محسوس کیا تو کیا یہ خدمت دین بہت بڑا فضل الٰہی نہیں تھا؟

اب دنیا کے سب سے بڑے خادم دین، کہ اتنی شان والا خادم دین نہ کوئی پیدا ہوا اور نہ ہوگا۔ یعنی نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح حیات پر غور فرمائیں۔

ایک یتیم، غریب، اُمی انسان کو عظیم الشان اور بے نظیر مرتبہ بخشا کہ جو لولاک لما خلقت الافلاک اور رحمۃ للعالمین کے لقب سے ملقب ہوا۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک دو واقعات پر ہی اگر ہم غور فرمائیں تو ہم اللہ تعالیٰ کی شاندار نصرت اور اس کے بے قیاس فضل کا کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں۔

ایک واقعہ تو یہ ہے کہ حضور ایک دن اکیلے مکہ میں ایک پتھر پر خاموش کسی گہری سوچ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اُدھر سے کہیں ابو جہل کا گزر ہوا۔ اُس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ بغیر کسی وجہ کے حضور کے چہرہ مبارک پر تھپیڑ مار دیا۔ حضور خاموش بیٹھے رہے اور وہ وہاں سے چلتا بنا۔ یہ واقعہ حمزہ کی ایک خادمہ دیکھ رہی تھیں، جو اس سے اتنا متاثر ہوئی کہ شام کو جب حمزہ شکار سے واپس آئے، باوجود ایک لونڈی ہونے کے وہ نہ رہ سکی۔ وہ کام کرتی جاتی اور منہ سے بڑبڑاتی جاتی اور کہتی جاتی کہ بہادر بنے پھرتے ہو آخر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا کیا نقصان کیا ہے، انہیں کیا کہا ہے؟ حضرت حمزہ نے گھبرا کر پوچھا کہ بات کیا ہے؟ کہنے لگی کہ آج تمہارا بھتیجہ بے چارہ خاموش پتھر پر بیٹھا ہوا تھا کوئی اس نے بات نہیں کی۔ کوئی حرکت نہیں کی، کسی سے مخاطب نہیں ہوا۔ ابو جہل نے بغیر کسی وجہ سے اس کے منہ پر تھپیڑ مار دیا اور وہ خاموش بیٹھا رہا۔ تمہارے بھتیجہ پر یہ ظلم ہو رہا ہے اور تم بڑے بہادر شکار کھیلتے پھرتے ہو۔ اس لونڈی کی گھبراہٹ نے حضرت حمزہ کو بے چین کر دیا۔ وہ اسی طرح سیدھے خانہ کعبہ میں گئے، جہاں ابو جہل بڑے فخر کے ساتھ اس واقعہ کو دوسرے کفار کے سامنے بیان کر رہا تھا۔ جاتے ہی کمان حضرت حمزہؓ نے اس کے منہ پر ماری اور کہا کہ بہادر بنے پھرتے ہو۔ یتیم پر ہاتھ اُٹھاتے ہو۔ آؤ اگر جرأت ہے تو مقابلہ کرو۔ اسی طرح سے طائف کا واقعہ ہے۔ جہاں حضور تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے تھے اور اس بستی کے لڑکوں نے حضور پر پتھر مارنے شروع کر دیے اور بستی سے نکال دیا۔

یہ واقعات بظاہر بڑی ہی بے بسی اور کسمپرسی پر دلالت کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جو حضور کو شرف بخشا اور نعمتیں رحمتیں، برکتیں حضور پر نازل فرمائیں وہ کسی کے گمان میں بھی نہیں آ سکتیں۔ وہ دو جہان کے بادشاہ، خاتم الانبیاء کہلائے اور کوئی فرد یا کوئی قوم حقیقی نیکی اور فلاح دارین نہیں حاصل کر سکتی جب تک حضور کی غلامی کا انہیں فخر حاصل نہ ہو۔ اور آئندہ تمام دنیا کی تمام ترقیات حضور کی فرمانبرداری اور اطاعت سے ہی وابستہ کر دی گئی ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد ان کے خلفاء، صحابہ، ائمہ دین، صلحاء بہترین خادم دین ہوتے ہیں۔ خلفاء راشدین کے علاوہ اگر ہم ان صحابہ کے حالات کو دیکھیں کہ جنہوں نے بڑی غربت، بے بسی کی حالت میں خدمت دین سرانجام دی تو ان کے حالات سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ جو شخص بھی خواہ وہ امیر ہو یا غریب، بڑا ہو یا چھوٹا اس راہ میں قدم رکھے گا یقیناً اس کے شامل

حال اللہ تعالیٰ کے وہ فضل و انعام ہوں گے جن کی وہ کبھی امید اور توقع بھی نہیں کر سکتا تھا۔

حضرت بلالؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کے حالات بڑے واضح ہیں۔ اور اسی امر پر دلالت کرتے ہیں۔

حضرت بلالؓ ایک حبشی غلام تھے۔ عام دنیاوی نقطہ نظر سے وہ اتنے زیادہ ذہین، زیرک اور ہوشیار نہیں تھے۔ مگر انہیں بڑے ہی مصائب میں سے گزرنا پڑا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی خدمات کو بھی اس رنگ میں نوازا کہ فتح مکہ کے وقت بڑے بڑے رؤسا اور سرداران مکہ کو ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر ہی امان نصیب ہوئی۔ اور جس طرح کروڑہا لوگ ان کو عزت اور احترام کے ساتھ یاد کرتے ہیں یہ عزت اور احترام کسی بڑے سے بڑے دنیاوی لیڈر، فاتح اور بادشاہ کو بھی نصیب نہیں ہو سکی

حضرت ابوہریرہؓ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سننے کے شوق میں مسجد میں پڑے رہتے تھے اور ان پر فاقے پر فاقے گزرتے تھے۔ گو اپنی زندگی میں وہ گوزر ہوئے۔ اور وہ وجاہت اور شان کبھی ان کے وہم میں بھی نہیں آسکتی تھی مگر ان کی روایات کی وجہ سے آج عالم اسلام میں جو عزت انہیں حاصل ہے وہ کسی بڑے سے بڑے عالم اور فلاسفر کو بھی نصیب نہیں ہو سکی۔

صحابہ کرام کے زمانہ کے بعد صلحائے کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کا یہی معاملہ چلا آیا ہے۔ برصغیر ہند و پاکستان کے بزرگوں کے حالات ہمارے سامنے ہیں۔ حضرت معین الدین چشتی، حضرت نظام الدین اولیاء، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت داتا گنج بخش، حضرت میاں میر، حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ یہ خادم دین اٹھے اور اپنے گھروں اور وطنوں کو خیر باد کہہ کر معمولی کٹیاؤں میں اپنے ڈیرے لگا لیئے۔ اور لوگوں کی اصلاح اور اشاعت دین کا کام شروع کر دیا۔ ان پر جو اللہ تعالیٰ کے انعام اور فضل نازل ہوئے وہ ہمارے روزمرہ کے مشاہدہ کے واقعات ہیں۔ دلی میں بڑے بڑے شہنشاہوں کے مقابر ہیں اور حضرت نظام الدین اولیاء کا مزار بھی ہے۔ شہنشاہوں کے مقابر ایک حسرت اور یاس کا منظر پیش کرتے ہیں اور حضرت نظام الدین اولیاء کے مزار پر لاکھوں لوگ جاکر ان کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ ان کے علم، ان کی زندگی کے حالات سے ہزاروں لوگ فیض حاصل کرتے ہیں۔ مگر ان کے زمانہ کے بڑے شاندار شہنشاہوں کو کبھی بھولے سے بھی کوئی یاد نہیں کرتا۔

اسی طرح سے حضرت داتا گنج بخش کا مزار ہے اور اس جگہ فیوض کا ذخیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں پر بھی بے حد انعامات نازل فرمائے۔

تاریخ عالم اس امر پر شاہد ہے کہ دنیا میں کامیاب ترین، معزز ترین اور مقبول ترین گروہ منعم اللہ کا ہی گروہ ہے۔ اور باقی تمام اکابرین ان کے طفیلی ہیں۔

اب اپنے اس زمانہ کو لے لیں ہم لوگ بڑے ہی خوش قسمت ہیں کہ جنہوں نے حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء کا زمانہ پایا اور آخرین منھم لما یلحقوا بھم کے مصداق ٹھہرے اور صحابہ کو ملا جب مجھ کو پایا۔ کی خوشخبری جنہیں دی گئی۔ بھلا ہمیں بھی خدمت دین کو ایک فضل الہٰی جاننے کے متعلق کسی دلیل یا کسی ثبوت کی ضرورت ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حیات

طیبہ ہمارے سامنے ایک کھلی کتاب ہے۔ آپ کو اس واقعہ کا بخوبی علم ہے کہ کس طرح حضرت اقدس کے والد محترم نے اپنے ایک معزز سکھ دوست سے یہ شکوہ کیا کہ میرا بڑا لڑکا تو اچھا سمجھدار تجربہ کار ہے۔ وہ اپنی زندگی اچھی اور عزت کے ساتھ گزار سکتا ہے۔ مگر یہ چھوٹا لڑکا (یعنی حضرت اقدس) نہ دنیا کے کاموں سے واقف ہے نہ اپنی جائداد ہی کا انتظام کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی کام کرتا ہے۔ مجھے فکر ہے کہ میرے بعد یہ دوسروں کا دست نگر ہوگا اور ان کی محتاجی میں اسے اپنا وقت گزارنا پڑیگا جاؤ اور اسے کو سمجھاؤ۔ وہ مسجد میں رہتا ہے اور کسی کے ساتھ اس کا کوئی لگاؤ نہیں۔ وہ سکھ زمیندار حضرت اقدس کے والد محترم کے کہنے پر حضرت اقدس کے پاس گیا اور والد محترم کی اس تشویش کا ان کے پاس اظہار کیا۔ حضرت اقدس فرمانے لگے۔ والد صاحب خواہ مخواہ متفکر ہیں مجھے ان جائدادوں اور ان کے انتظاموں سے کوئی سروکار نہیں۔ میں نے تو جس کا ہونا تھا ہو چکا ہوں۔ وہ سکھ زمیندار بابو سن ہو کر اٹھا اور ان کے والد محترم کے پاس جا کر حضرت اقدس کا یہ جواب سنایا۔ والد فرمانے لگے۔ ہاں وہ سچ کہتا ہے۔ اس نے جس کا ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ اس واقعہ کو سامنے رکھئے اور اس کے بعد جو اللہ تعالیٰ نے کامیابیاں، فتوحات اور عزت اور شہرت عطا فرمائی ہے۔ اس کا اندازہ کریں لیجئے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی جو کہ حضرت اقدس کے اشد ترین مخالف تھے۔ دہلی سے فارغ التحصیل ہو کر آئے۔ چونکہ مولوی صاحب اہل الحدیث تھے اور اس زمانہ میں اہلحدیث گروہ کی شدید مخالفت تھی، اس لئے لوگوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیا کہ ان کے ساتھ مذہبی مناظرہ ہونا چاہیئے۔ حضرت اقدس مولوی صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے۔ انہوں نے بعض اپنے اعتقادات کا اظہار کیا، پھر لوگوں نے حضرت اقدس سے عرض کیا۔ کہ آپ بھی فرمائیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اس پر لوگوں نے شور مچا دیا کہ مرزا صاحب ہار گئے۔ رات کو حضرت کو الہام ہوا کہ اللہ تعالیٰ تیرے اس فعل سے خوش ہوا۔ وہ تجھے برکت پر برکت دے گا۔ حتیٰ کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔

اسی طرح حضرت اقدس کو الہام ہوا کہ قیامت تک تیرے متبعین تیرے مخالفین پر غالب رہیں گے۔ ان پیشگوئیوں کے پورے ہونے کے حالات بڑی سرعت سے پیدا ہو رہے ہیں۔ اور دنیا شاہد ہے۔ ہم پر یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل اور احسان ہے کہ اس نے پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ سے ایسے نظام کی بنیاد رکھی کہ جس نظام سے وابستہ ہو کر اور جس پر عمل پیرا ہو کر ہم بھی منعم علیہ کے گروہ میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اس نظام کی وجہ سے ہمیں وہ خدمتِ دین کے مواقع میسر آئے ہیں جو دا قعی صحابہ کی جماعت کے بعد کسی جماعت کو میسر نہیں آئے تھے۔

خدمتِ دین کے دو حصے ہیں۔ انفاق فی سبیل اللہ اور وقفِ زندگی

انفاق فی سبیل اللہ: خدمت دین کے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال پیش کیا جائے۔

یہ زمانہ تعلیم و تحقیق اور اشاعت اور تبلیغ کا زمانہ ہے اور جب تک اس کے لئے اپنے اموال، آمدنیوں اور جائیدادوں

کو صرف نہ کیا جائے۔ یہ کام سرانجام نہیں ہوتا۔ اور انفاق فی سبیل اللہ بڑی ہی خیر و برکت کا موجب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے اس فعل کی حالت اس دانہ کے مشابہ ہے جو سات بالیں اُگائے اور ہر بالی میں سو دانہ ہو اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے اس سے بھی بڑھا چڑھا کر دیتا ہے۔

جس کو اللہ تعالیٰ توفیق دے اور وہ اپنے مال میں سے اس کے راستہ میں خرچ کرے تو اس کے لئے بھی یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے اور اسے بھی اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھ کر اس خدمت میں حصہ لینا چاہیئے۔ کیا ہمیں اس بات کا تجربہ نہیں کہ جس دوست نے خدمتِ دین کے لئے چندہ دیا کبھی اللہ تعالیٰ نے اسے خسارہ میں رہنے دیا ہے؟ اصحاب احمد علیہ السلام نے اس طرز پر چندے دے کر خدمت دین کی ہے کہ ہر شخص کو اس پر رشک آتا ہے۔ حضرت منشی ظفر احمد صاحب کا واقعہ ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لدھیانہ میں ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس وقت ایک اشتہار شائع کرنے کے لئے ساٹھ روپیہ کی سخت ضرورت ہے، کیا آپ کی جماعت اس روپیہ کا انتظام کر سکے گی؟ منشی صاحب نے عرض کی حضور! ہم اس روپیہ کا انتظام کر دیں گے۔ چنانچہ وہ کپورتھلہ آئے۔ جماعت کو اطلاع تک نہ دی۔ گھر گئے۔ اپنی بیوی کا زیور گروی رکھا اور ۶۰ روپے چندہ لا کر حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت منشی اروڑے خاں کپورتھلوی حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔ منشی اروڑے خاں صاحب! آپ کی جماعت نے بر وقت ۶۰ روپے چندہ دے کر امداد کی ہے۔ منشی اروڑے خاں صاحب کو اس کا علم بھی نہیں تھا۔ انہوں نے آکر حضرت منشی ظفر احمد صاحب سے دریافت کیا تو انہوں نے تمام ماجرا سنایا۔ اس پر منشی اروڑے خاں صاحب اس وجہ سے کہ انہیں اس فضل میں شریک نہیں کیا گیا دو تین ماہ تک حضرت منشی ظفر صاحب سے ناراض رہے۔ ایسے ہی بے شمار واقعات ہیں۔

بھلا جب ایک دوست محسوس کرتا ہے کہ اس کے چندہ کے ذریعہ سے قرآن کریم کی اشاعت ہو رہی ہے۔ قرآن کریم کے مختلف زبانوں میں تراجم شائع ہو رہے ہیں۔ یورپ، امریکہ، افریقہ تمام دنیا میں مساجد تعمیر ہو رہی ہیں اور دنیا کے کناروں تک اسلام کی تبلیغ ہو رہی ہے۔ اور بڑے بڑے دور افتادہ ممالک میں لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں کرتا کہ اس نے محض اپنے فضل سے اسے یہ توفیق عطا فرمائی؟

دوسرا انفاق فی سبیل اللہ کا طریقہ:۔ غریبوں، معذوروں، مریضوں اور حاجتمندوں کے ساتھ ہمدردی، حسن سلوک اور ان کی امداد کے سلسلے میں مال خرچ کرنے کا ذریعہ ہے۔ یہ بھی ایک خدمتِ دین ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرمائے گا کہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ میں ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا پہنایا۔ میں پیاسا تھا تو نے مجھے پانی پلایا۔ میں بیمار تھا تو نے میری تیمار داری کی۔ جا میری جنت میں داخل ہو جا۔

اس ضمن میں ہمیں حقیقی ہمدردی کی بنا پر خرچ کرنا چاہیئے۔ ریا اور احسان کی صورت میں یہ مصرف جائز نہیں یہ خدمتِ خلق

کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ جس کے متعلق حضرت اقدس نے بہت ہی زور دیا ہے اور اس سلسلہ میں خدام الاحمدیہ پر خاص طور پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

وقف زندگی دین کی اصل غرض یہی ہے کہ انسان خدا کے لئے زندگی وقف کر دے۔ خواہ کلی طور یا جزوی طور، جزوی طور صرف اس رنگ میں کہ دنیا بھی کمائے مگر دین کی خاطر۔ دنیا مقصود بالذات نہ ہو۔ کلی طور پر اس طرح کہ دنیا کمانے کی طرف توجہ ہی نہ ہو۔ تمام وقت خدمت دین میں ہی صرف کرے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پرواہ نہیں کرتا مگر صالح بندوں کی۔

فرماتے ہیں۔ تم یاد رکھو کہ اگر اللہ تعالیٰ کے فرمان میں تم اپنے تئیں لگاؤ گے اور اس کے دین کی حمایت میں ساعی ہو جاؤ گے تو خدا تمام رکاوٹوں کو دور کر دے گا، اور تم کامیاب ہو جاؤ گے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کسان عمدہ پودوں کی خاطر کھیت میں سے ناکارہ چیزوں کو اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے اور اپنے کھیت کو خوشنما درختوں اور بار آور پودوں سے آراستہ کرتا ہے۔ ان کی حفاظت کرتا اور ہر ایک ضرر اور نقصان سے ان کو بچاتا ہے۔ مگر وہ درخت اور پودے جو پھل نہ لائیں اور گلنے اور خشک ہونے لگ جائیں ان کی مالک پرواہ نہیں کرتا، کہ کوئی مویشی آکر ان کو کھا جائے، یا لکڑ ہارا ان کو کاٹ کر تنور میں پھینک دے۔ سو ایسا ہی تم بھی یاد رکھو کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حضور میں صادق ٹھہرو گے تو کسی کی مخالفت تمہیں تکلیف نہ دے گی۔"

پھر فرماتے ہیں:۔

انسان کو ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف کرے۔ میں نے اخباروں میں پڑھا ہے کہ فلاں آریہ نے اپنی زندگی وقف کر دی۔ اور فلاں پادری نے اپنی عمر مشن کو دے دی ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ کیوں مسلمان اسلام کی خدمت کے لئے اور خدا کی راہ میں اپنی زندگی وقف نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ پر نظر کر کے دیکھیں تو ان کو معلوم ہو کہ کس طرح اسلام کی زندگی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کی جاتی تھیں۔

یاد رکھو یہ خسارہ کا سودا نہیں بلکہ بے قیاس نفع کا سودا ہے۔ کاش مسلمانوں کو معلوم ہوتا۔ اس تجارت مفاد اور منافع پر انہیں اطلاع ہوتی۔ جو خدا کے لئے اپنی زندگی وقف کرتا ہے کیا وہ اپنی زندگی کھوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

پھر فرماتے ہیں:۔

کیا صحابہ کرام اس وقف کی وجہ سے حیات طیبہ کے وارث اور ابدی زندگی کے مستحق نہیں

ٹھہرے۔ پھر کونسی وجہ ہے کہ اس نسخہ کی تاثیر سے فائدہ اُٹھانے میں دریغ کیا جائے۔ بات یہی ہے کہ لوگ اس حقیقت سے ناآشنا اور اس لذت سے جو اس وقف کے بعد ملتی ہے۔ ناواقف محض ہیں۔ ورنہ اگر ایک شمہ بھی اس لذت اور سرور سے ان کو مل جائے تو بے انتہا تمناؤں کے ساتھ وہ اس میدان میں آئیں"۔

پھر فرمایا "میں خود اس کا تجربہ کار ہوں۔ اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور فیض سے میں نے اس راحت اور لذت سے حظ اٹھایا ہے۔ یہی آرزو رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کے لئے اگر مر کے پھر زندہ ہوں اور پھر مروں اور زندہ ہوں تو ہر بار میرا شوق ایک لذت کے ساتھ بڑھتا جائے"۔

پھر فرماتے ہیں "اس لئے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اپنی جماعت کو وصیت کروں اور بات پہنچا دوں۔ آئندہ ہر ایک کا اختیار ہے کہ وہ اسے سنے یا نہ سنے۔ اگر کوئی حیات چاہتا ہے اور حیات طیبہ اور ابدی زندگی کا طلبگار ہے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی زندگی وقف کرے اور ہر ایک اس کوشش اور فکر میں لگ جائے۔ کہ وہ اس درجہ اور مرتبہ کو حاصل کر کے کہہ سکے کہ میری زندگی، میری موت، میری قربانیاں، میری نمازیں اللہ ہی کے لئے ہیں" اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ان نعمتوں سے متمتع ہو سکیں"؛

تعلق باللہ

(از جناب حمید قریشی صاحب گوجرانوالہ)

ہر وہ انسان جو خدا تعالیٰ کی ہستی کا قائل ہے۔ اُسے خالق و اعلیٰ، رازق و قادر۔ ازلی و باقی اور مالک و اکمل تصور کرتا ہے، ہر وہ انسان جو خود کو محتاج و حقیر اور فانی سمجھتا ہے اور اس کی فطرت سعید ہے متکبر نہیں وہ خدائے بزرگ و برتر کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کی خواہش اپنے دل میں ضرور رکھتا ہے۔ کیونکہ تعلق باللہ کی خواہش شروع سے ہی انسان کے خمیر میں باری تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں رکھ دی ہوئی ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ انسان اپنی آنکھوں پر ضلالتوں کی پٹی باندھ کر اس ازلی خواہش سے بے خبر ہو جائے مگر یہ کسی طور ممکن نہیں کہ وہ جانتے بوجھتے، سوچتے سمجھتے اور باشعور ہوتے ہوئے بھی اس سے ناواقف رہے۔

انسان کو پیدا کرنے والی ہستی نے اپنے کلام پاک میں خود اس حقیقت کو واشگاف الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے۔ خلق الانسان من علق۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو علق سے پیدا کیا گیا ہے یا یہ کہ انسان کی فطرت میں علق کا مادہ رکھ دیا گیا ہے۔ اب اگر لفظ علق کے معانی و مفہوم کے سمندر میں اتر کر دیکھا جائے تو یہی نظر آتا ہے کہ علق کے لفظ میں چمٹنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ علق نہ صرف خون کے جمے ہوئے اُس لوتھڑے ہی کو کہتے ہیں جو رحم مادر سے چمٹا ہوتا ہے اور بعد میں بچہ کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے بلکہ علق چمٹنے والی اُس مٹی کو بھی کہتے ہیں جو گوندھنے والے کے ہاتھوں سے چپک جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہوا۔ کہ انسان کے خمیر اور فطرت میں ہی خدا تعالیٰ نے اپنی محبت اور تعلق کے مادہ کو رچا دیا ہے جسے ترقی دے کر انسان ایک تنومند اور تناور درخت میں تبدیل کر سکتا ہے۔ ایسے درخت میں جس کی جڑیں ایک طرف پاتال کی گہرائیوں تک اور دوسری طرف شاخیں آسمان کی بلندیوں تک پہنچی ہوئی ہیں۔ گویا اسلام کے نقطۂ نظر سے تعلق باللہ انسان کی پیدائش کی اغراض میں سے ہے کیونکہ اس کا مادہ خود خالق کے ہاتھوں اس کی فطرت میں رکھا ہوا ہے۔

دراصل فطرتِ انسانی میں اس مادہ کو رکھ کر خدائے پاک نے نسل انسانی پر ایک عظیم احسان فرمایا ہے کیونکہ ایک مجبور اور ناچیز انسان کے لئے انتہائی ضروری تھا کہ اُس کا سب سے اعلیٰ اور بالا۔ قادر و توانا۔ رحیم اور مددگار ہستی سے تعلق ہو سکے جو نہ صرف ہر مشکل میں اُس کی مدد کر سکے بلکہ غم و ہم کے مواقع پر اس کو کمال تسلی بھی دے سکے۔

خدا تعالیٰ کے تصرفات کو جاننے کے لئے اس امر کو ہرگز نہیں بھولنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے تصرفات دو قسم کے ہیں۔ ایک تصرف تو اس کا بحیثیت مخلوق کے ہے جو ہر ایک سے یکساں ہے۔ سورج ہر ایک کو یکساں حرارت بخشتا ہے

اور بیماری ہر انسان پر آسکتی ہے اور دوسرا تصرف قرب کے لحاظ سے ہے جو محبت کے درجات کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ جو شخص محبت کے جس درجہ میں ہوتا ہے اُس کے ساتھ اُسی قسم کا تصرف کیا جاتا ہے۔ جو شخص خدا تعالیٰ کے عطا کردہ علق کے فطری مادہ کو جس قدر نشوونما دیتا ہے وہ اُسی قدر الٰہی انوار اور اس کے فضلوں کو جذب کر لیتا ہے۔

نہ خدا تعالیٰ کی صفات کی کوئی حد ہے اور نہ ہی تعلق باللہ کی صورتوں کا شمار ہو سکتا ہے۔ اس راستہ پر چلنے والا ہر روز ہی نہیں بلکہ ہر گھڑی اُس کی قدرتوں کا ایک اچھوتا اور عجیب نمونہ دیکھتا اور نظارہ کرتا رہتا ہے۔

اب کوئی شخص کیسے خدا تعالیٰ سے تعلق قائم کرے؟ اس سلسلہ میں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ تعلق محبت کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے اور محبت کے کئی درجات ہیں۔ پھر یہ کہ محبت ایک حسی اور جذباتی چیز ہے جس کا تعلق دل اور روح سے ہے محبت روح سے اٹھتی اور روح کو تسکین دیتی ہے۔

قرآن اور احادیث نے جو الفاظ بندے کے خدا سے تعلق کی نسبت یا خدا تعالیٰ کے بندے سے تعلق کی نسبت استعمال کئے ہیں وہ رغبت۔ اُنس۔ وُد۔ محبت اور خُلّۃ ہیں اور یہ پر حکمت وسیع المعانی الفاظ محبت کے کسی نہ کسی رنگ اور درجہ کا اظہار کرتے ہیں۔ مثلاً رغبت کے معنے ہیں ملاقات کا ارادہ کرنا اور ارادہ بھی کسی اور غرض کے لئے نہیں بلکہ محض پیار کے لئے پھر ارادہ معمولی نہ ہو بلکہ بہت تیز ہو۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ مومنوں کی نسبت فرماتا ہے یدعوننا رغبا ورھبا (انبیاء ع۶) مومن بندے ہمیں عجز اور انکسار کے ساتھ پکارتے ہیں کیونکہ اُن کے دل میں ہماری شدید محبت ہوتی ہے۔ گویا وہ ایسے مقام پر کھڑے ہیں کہ عجز وانکسار کے ساتھ وہ خدا تعالیٰ کی طرف جھکے ہوتے ہیں۔

رغبت کا لفظ وسعت کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے خدا تعالیٰ کی رغبت کے معنے یہ ہیں کہ اس کے ملنے کی زبردست اور وسیع خواہش انسان کے دل میں پیدا ہو جائے،

دوسرا لفظ اُنس ہے جس کے معنی الفت اور دل کی تسکین کے ہیں گویا اُنس کے معنے ہیں جس شے کی جستجو تھی وہ مل گئی اور اُس کے ملنے سے دل کی گھبراہٹ دور ہو کر تسکین قلب ہو گئی۔ پھر ہر وہ شے جس کا انسان کی طرف منہ ہوتا ہے اُسے انس کہتے ہیں۔ ان معانی کو دیکھتے ہوئے جہاں رغبت کے معنی وسعت تعلق کے تھے وہاں اُنس کے معنے صرف رغبت کے نہیں بلکہ اس کے یہ بھی ہیں کہ وہ چیز قریب بھی آگئی ہے۔ اُس نے اپنا منہ اِدھر کر لیا ہے پس انس دل کی تسلی اور قرب پر دلالت کرتا ہے۔

محض شوق سے نہ دل کو تسلی ہوتی ہے اور نہ ہی محبوب کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح رغبت صرف یہ ظاہر کرتی تھی کہ مجھے اس کے ساتھ محبت ہے لیکن اُنس اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ میری محبت نے اُس کا منہ بھی میری طرف پھیر دیا ہے۔ اور چونکہ اُس کا منہ میری طرف ہو گیا ہے اس لئے میرے دل کو تسکین ہو گئی ہے اور گھبراہٹ جاتی رہی ہے۔

تیسرا لفظ وُد ہے۔ وداس محبت کو کہتے ہیں جس کے ساتھ محبوب کے پانے کی خواہش بھی شامل ہو۔ پھر عربی میں وُد اس میخ کو بھی کہتے ہیں جس سے جانور باندھے جاتے ہیں۔ گویا وُد ایسی محبت کا نام ہے جو محب اور محبوب کو اس طرح جوڑ دیتی ہے

جیسے کھونٹے کے ذریعے جانور زمین سے متعلق ہو جاتا ہے۔ پس وُدّ وہ محبت ہے جو گہرا اور مضبوط تعلق پیدا کر دے اور ایک کو دوسرے سے وابستہ کر دے۔

چوتھا لفظ حُبّ ہے۔ اس کے معنے کسی چیز کے اندر گھس جانے کے یا اپنے اندر لے لینے کے ہیں۔ وُدّ میں صرف ایک وجود کے اندر گھسنے کا مفہوم تھا جیسے کہ کھونٹا زمین میں گھس گیا لیکن حُبّ میں دونوں وجودوں کے ایک دوسرے کے اندر گھس جانے کا اشارہ پایا جاتا ہے۔

پھر محبت اس تعلق کو کہتے ہیں جو نتیجہ خیز ہو اور ایک کھیتی کو پیدا کر دے کیونکہ حُبّ کے معنے اس بیج کے ہوتے ہیں جس سے بڑے بڑے درخت اور کھیتیاں پیدا ہو جائیں گو محبت حقیقی بھی وہی ہے جو دانے کی طرح ہو۔ جس طرح دانے سے درخت پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح محبت بھی اپنے پھل پیدا کئے بغیر نہیں رہتی۔

اس سے اوپر خلّت کا مقام ہے جس کے معنی ہیں ایسی محبت جو صرف دل ہی میں نہ گھسے بلکہ جسم کے سوراخ سوراخ میں داخل ہو جائے اور پھیل جائے اور یہ مقام مقاماتِ محبت میں سب سے بلند ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر خدا تعالیٰ بندے کے ہاتھ پاؤں بن جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی محبت بندے کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے اور دل کو ایسا لذت و سرور حاصل ہوتا ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کی گود میں جا گرتا ہے۔ پھر اس کی اپنی حقیقت ہی درمیان سے اٹھ جاتی ہے اور اس سے صرف وہی اعمال سرزد ہوتے ہیں جو خدا تعالیٰ چاہتا ہے۔ اور چونکہ محبت کا تعلق دماغ سے نہیں بلکہ قلب و روح کے ساتھ ہوتا ہے اور جذبات میں ایک تسلسل چلتا ہے جو سونے اور جاگنے کی حالت میں یکساں برقرار رہتا ہے۔ اس لئے خلّت کے مقام پر پہنچا ہوا بندہ ہر وقت محبت الٰہی میں گم اور لطف اندوز ہوتا رہتا ہے۔ گویا وہ کسی وقت بھی نہیں سوتا۔ اُس کا دماغ سو سکتا ہے جذبات نہیں سو سکتے وہ ہر لحظہ محبت الٰہی میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ اور کسی لمحہ بھی اس کے خیال سے غافل نہیں رہتا۔

محبت کے ان درجات کی حقیقت کی وضاحت کے بعد ضروری ہے کہ اس طریق کو بھی بیان کیا جائے جس پر چل کر انسان ان درجات کو طے کر سکتا ہے۔ قبل اس کے کہ وہ طریق بیان کئے جائیں اس حقیقت کا جاننا ضروری ہے کہ قرآن کریم کی رو سے محبت کی دو اقسام ہیں۔ ایک تو وہ محبت ہے جو انسان اپنی کوشش اور محنت سے پیدا کرتا ہے۔ اسے محبت کسبی کہتے ہیں۔ دوسری محبت وہبی ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے بندے کو عطا ہوتی ہے۔ یہاں ایک اور نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ بندہ جب بھی خدا تعالیٰ سے محبت کرے گا وہ پہلے رغبت کرے گا پھر اُنس کرے گا۔ پھر وُدّ کرے گا اور پھر محبت کرے گا۔ مگر خدا تعالیٰ جب بھی بندے کی محبت کا جواب دے گا وہ شروع سے ہی وُدّ کرے گا۔ کیونکہ رغبت اور اُنس کے معانی میں کچھ مجبوریوں اور خدشات کے شائبے پائے جاتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے لئے ممکن نہیں وہ صرف بندوں تک محدود ہیں۔

کسبی محبت کے پیدا کرنے کا طریق جو خدائے پاک نے سورۂ آل عمران میں بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم۔

اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو اور تم وصال الٰہی کے طلب گار ہو تو اپنی اس نیک خواہش کی تکمیل اور بر دمندی کے لئے ضروری ہے کہ تم اُس راستہ کو اختیار کرو جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا ہے۔ اُن کے کمال اتباع سے ہی تم اپنے مقصود کو پا سکو گے اور تم اُس مقام پر جا پہنچو گے کہ خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے۔ اور پھر دونوں محبتوں کے ملاپ کے نتیجہ میں کیف و سرور کی ایک ترقی پذیر دنیا پیدا ہو جائے گی۔

خدا تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کے لئے دس طریق ہیں جن کا اگر التزام کیا جائے تو بالآخر خدا تعالیٰ سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگرچہ شروع میں ان ذرائع کو تکلف کے طور پر ہی اختیار کیا جائے کیونکہ سلسل تضرع بھی آہستہ آہستہ حقیقت کا رنگ پکڑ لیتی ہے جیسے جھوٹ موٹ کے رونے سے بھی آنسو نکل آتے ہیں اور رونی شکل بن جاتی ہے۔

۱۔ محبت الٰہی پیدا کرنے کا پہلا طریق وردِ صفات الٰہی ہے جسے ذکر بھی کہتے ہیں۔ موقع بہ موقع الحمد للہ۔ سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہنا۔ یا حفیظ و یا عزیز و یا رفیق کہنا اور اسی طرح باقی اسماء الٰہیہ کو ورد زبان بنانے سے دل میں اُن صفات پر یقین و ایمان بڑھتا اور خدا تعالیٰ کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے فاذکرونی اذکرکم (البقرہ ع ۱۸) اگر تم میرا ذکر کیا کرو گے تو ہوتے ہوتے تمہیں ایسا مقام حاصل ہو جائے گا کہ پھر میں بھی تمہیں یاد کرنے لگ جاؤں گا۔

۲۔ دوسرا طریق صفاتِ الٰہیہ پر غور کرنا ہے جسے فکر بھی کہتے ہیں۔ پہلے طریق میں تو محض زبان سے سبحان اللہ یا الحمد للہ کہلوایا گیا تھا۔ مگر یہاں دماغ کو بھی اس کے لئے تیار کرنا ہے کہ اگر خدا اکبر ہے تو کس طرح ہے۔ خدا تعالیٰ کی بڑائی کن کن باتوں سے ظاہر ہو رہی ہے۔ اس طرح سوچنے سے دل یقین اور ایمان سے لبریز ہوتا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:-

یا ایھا الذین اٰمنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ ھم قوم ان یبسطوا الیکم ایدیھم فکف ایدیھم عنکم واتقوا اللہ وعلی اللہ فلیتوکل المومنون (مائدہ ع ۲)

اے مومنو یاد کرو میری نعمتوں کو، ان انعامات کو جو میں نے تم پر اپنی کسی خاص صفت کے ماتحت کئے ہیں۔ اُن کی ساری تفصیلات پر غور کرو سوچو کہ دنیا تمہارے خلاف کیا منصوبے بنا رہی تھی اور میں نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اور کس طرح اُن کے ہاتھ کو روک کر رکھ دیا۔ یہ فکر ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرتا ہے یعنی زبان سے فقط رحمٰن یا رحیم نہ کہا جائے بلکہ اُن احسانوں کو بار بار یاد کرے جو اس نے ان صفات کے تحت اُس پر کئے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں اپنی تقریر "تعلق باللہ" میں یوں بیان کیا ہے کہ فرض کرو کوئی شخص جنگل میں جا رہا ہے اور وہ کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو گیا ہے جس میں اپریشن ضروری ہے تو ایسی حالت میں اگر اچانک گھوڑے پر سوار کوئی ڈاکٹر اُس کے پاس آجاتا ہے اور وہ اس کا علاج کرتا ہے جس سے وہ اچھا ہو جاتا ہے تو ہر شخص سمجھے گا کہ یہ ڈاکٹر نہیں آیا بلکہ خدا اپنے بندہ کے پاس چل کر آیا ہے۔ ایسے ہی نشانات ہوتے ہیں جو انسان کو کھینچ کر اللہ تعالیٰ کی

بارگاہ میں لے جاتے ہیں اور اُسے فرش سے اُٹھا کر عرش تک پہنچا دیتے ہیں اور انہی نشانات پر غور انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کر دیتا ہے۔ پس اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے کہ تم غور کرو اور سوچو کہ آیا تمہارے ساتھ تمہارے دوستوں کے ساتھ یا تمہارے بزرگوں اور عزیزوں کے ساتھ تو ایسے واقعات گزرے ہیں یا نہیں جن میں اُس کی قدرت کا ہاتھ دکھائی دیتا تھا۔ جب تم ایسے واقعات پر غور کرو گے تو تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جائے گی۔ یہ پہلے مقام سے اونچا مقام ہے ذکر میں تکلف پایا جاتا ہے لیکن فکر میں تکلف نہیں ہوتا بلکہ ایک حقیقت سامنے ہوتی ہے۔

۳۔ تیسرا طریق خدمت اور خیر خواہی و ہمدردیٔ مخلوقِ خدا ہے۔ خدا تعالیٰ کی مخلوق سے بھی محبت کرنے سے اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی وہ طریق ہے جس سے انسان اللہ تعالیٰ کو مجبور کر دیتا ہے کہ وہ بندہ کے دل میں اپنی محبت کو ڈال دے۔ جس طرح کسی کی اولاد سے محبت کرنے سے اُس کے والدین سے بھی تعلقات اور محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کی مخلوق سے محبت رکھنے، اُن سے خیر خواہی برتنے اور ہمدردی کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ اس شخص سے محبت کرنے لگ جاتا ہے۔ درحقیقت یہ محبت بسیط ہے یعنی کسی ایک شخص کی محبت نہیں بلکہ بنی نوع انسان بلکہ مخلوقات کا تصور کر کے یہ خیال کرنا کہ یہ میرے پیارے خدا کے پیارے ہیں۔ مجھے خدا تعالیٰ تو نہیں ملتا چلو ان سے ہی محبت کروں، اس محبت کا سرچشمہ ہے۔ ایسی محبت کرتے کرتے ایک وقت آتا ہے کہ محبت الٰہی یکدم شعلہ مار کر تیز ہو جاتی ہے۔

اس حقیقت کی طرف ایک حدیث پاک میں بھی اشارہ ہے کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے کہے گا جب میں بھوکا تھا تو تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ جب میں پیاسا تھا تو تم نے مجھے پانی پلایا اور جب میں بیمار تھا تو تم نے میری عیادت کی۔ اس مثال سے ظاہر ہے کہ مخلوق کی محبت سے خالق کی محبت ملتی ہے۔

۴۔ چوتھا طریق گناہ پر ندامت کی عادت ڈالنا ہے۔ یعنی اگر کوئی غلطی اور گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر دلیر ہو جانے اور اس سے بے پرواہ ہو جانے کے بجائے دل سے اس حرکت پر افسوس کیا جائے۔ گویا ایسا شخص بری چیز کو بری ہی سمجھتا ہے تو لازماً وہ اچھی چیز کو بھی اچھی ہی سمجھے گا۔ جب کسی شخص میں یہ مادہ پیدا ہو جائے اور وہ حسن کو دیکھنے اور سمجھنے لگ جائے تو پھر خدا تعالیٰ کی محبت کا دروازہ آپ سے آپ کھل جاتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ ہی سب سے بڑا محسن اور حسین ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے ان اللہ یحب التوابین (بقرہ ع۲۸) کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

پھر تواب محض توبہ کرنے والے کو نہیں کہتے بلکہ تواب اُس شخص کو بھی کہتے ہیں جو بار بار اس کی درگاہ میں جاتا ہے۔ پس جو شخص بار بار اُس کی درگاہ میں جائے گا اس کے دل میں بھی محبت پیدا ہو گی اور اسی محبت کے باعث وہ بار بار جائیگا

۵۔ جس شخص کو دعا پر یقین ہو اور وہ سمجھے کہ دعا کے بغیر میرے کام نہیں ہو سکتے۔ میں لاکھ محنت کروں مگر جب تک اُس کے انجام بخیر ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد کو نہ چاہوں وہ کام کسی صورت محض میری کوشش سے مکمل نہیں ہو سکتا۔ اس شخص کے دل میں بھی خدا تعالیٰ کی عظمت و محبت پیدا ہوتی چلی جائے گی اور ایک وقت آجائے گا کہ اُس کی دعائیں معجزانہ رنگ

میں قبول ہونے لگیں گی۔ کیونکہ اس نے اپنی ہر کوشش کی بنیاد ذاتِ باری تعالیٰ کو بنا لیا ہوتا ہے۔

۶۔ جو شخص تقدیر پر یقین رکھے کہ سب کچھ انسان ہی کی کوششیں نہیں بلکہ اس سے بالا ایک اور قدرت سرگرم عمل ہے۔ اس کے دل میں بھی اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ ایسا شخص خواہ تکلف سے ہی ہو خدا تعالیٰ کی طاقتوں اور اس کے احسان کا اقرار تو کرتا ہے اور یہی تکلف آخر کار حقیقت بن جاتا ہے۔

۷۔ جو شخص دنیا میں خدا تعالیٰ کے لئے انصاف کو پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اُس کے دل میں بھی محبت الٰہی پیدا ہو جاتی ہے جو شخص انصاف کے لئے اپنے بیٹے، باپ، بھائی یا عزیز دوست کی بھی پرواہ نہیں کرتا اور حق کو حق ہی کہتا ہے خواہ اُس سے اُس کی اپنی ذات یا قریبی تعلق داروں کو ہی کیوں نقصان نہ پہنچ رہا ہو۔ جب ایسا مقام کسی شخص کو حاصل ہو جائے تو لازماً وہ خدا تعالیٰ کی محبت کو پالے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے ان اللہ یحب المقسطین (مائدہ ۴۲) اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

۸۔ محبت الٰہی پیدا کرنے کا آٹھواں طریق یہ ہے کہ انسان کسی کام کو اپنی رضا، اپنی خواہش اور اپنے لالچ و غرض کے لئے نہ کرے بلکہ ہر کام کو خدا تعالیٰ کے لئے کرے۔ بدی کو اس لئے نہ چھوڑے کہ وہ بدی ہے۔ بلکہ اس لئے ترک کرے کہ خدا تعالیٰ نے ترک کرنے کا حکم دیا ہے۔ اچھے کام کو اس لئے نہ کرے کہ وہ اچھا اور منافع بخش ہے بلکہ اس نقطہ نظر سے کرے کہ خدائے مالک ارض وسماء نے اس کے کرنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ جب کسی شخص میں یہ باتیں پیدا ہو جائیں اور اُس کی اپنی ذات اور مرضی درمیان سے اُٹھ جائے، تو اس سے بھی خدا تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جب انسان کو کسی ہستی کی خاطر کام کرنے کی عادت ہو جاتی ہے تو آہستہ آہستہ اُس سے محبت بھی ہو جاتی ہے۔

۹۔ ہم جنسیت بھی محبت پیدا کرنے کا سبب ہوتی ہے۔ کبوتر کبوتروں کے ساتھ اور باز بازوں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں اسی طرح ملکی ملکیوں سے اور ایک زبان والے اپنی زبان والوں سے محبت کرتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان خدا تعالیٰ کے رنگوں اور صفات کو اپنانا شروع کر دے تو اس سے بھی خدا تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

۱۰۔ فطرت کا مطالعہ اور محبت کے طریقوں پر غور اور ان پر عمل کرنے سے بھی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں اپنی صفات کی ہلکی ہلکی جھلکیاں رکھ دی ہیں۔ اُن پر غور کرنے اور اُن کو ترقی دینے سے بھی انسان خدا تعالےٰ کے قرب کو پالیتا ہے۔

محبت الٰہی پیدا کرنے کے ان طریقوں کی وضاحت کے بعد ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے الفاظ میں وہ نشانیاں بھی بیان کر دی جائیں جو خدا تعالیٰ سے تعلق رکھنے کے نتیجہ میں کسی انسان میں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ کے تصرفات بے حد و بے شمار ہیں ان کی تعداد اور گنتی ناممکن ہے۔ انسان جس قدر زہد اور مجاہدہ کرتا ہے اُسی قدر وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا جاتا ہے اور اس نسبت سے اُن تصرفات کا ایک

رنگ اس پر آتا جاتا ہے اور تصرفات اللہ کی واقفیت کا دروازہ اُس پر کھلتا ہے۔ تصرفات دو قسم کے ہوتے ہیں ایک باعتبار مخلوق کے اور دوسرے باعتبار قرب کے۔ اللہ تعالیٰ ایسے طور پر ان کے قریب ہوتا ہے کہ اُن سے مخاطبات اور مکالمات شروع ہو جاتے ہیں اور اُن کی دعاؤں کا جواب ملتا ہے۔ بلکہ نرے مکالمہ اور مخاطبہ سے بڑھ کر ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ الوہیت کی چادر اُن پر پڑی ہوئی ہوتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ اپنی ہستی کے طرح طرح کے نمونے ان کو دکھاتا ہے اور یہ ٹھیک مثال اس قرب اور تعلق کی ہے جیسے لوہے کو آگ میں رکھ دیں تو وہ اثر پذیر ہو کر سرخ آگ کا ایک ٹکڑا ہی نظر آتا ہے۔ اس وقت اس میں آگ کی سی روشنی بھی ہوتی ہے اور احراق جو ایک صفت آگ کی ہے وہ بھی اس میں آجاتی ہے۔ مگر باایں ہمہ یہ ایک بیّن بات ہے کہ وہ لوہا آگ یا آگ کا ٹکڑا نہیں ہوتا۔

ہمارے تجربہ میں آیا ہے کہ اہل اللہ قرب الٰہی میں ایسے مقام تک جا پہنچتے ہیں جبکہ ربانی رنگ بشریت کے رنگ و بو کے باہتمام و کمال اپنے رنگ کے نیچے متوازی کر لیتا ہے۔ اور جس طرح آگ لوہے کو اپنے نیچے ایسے چھپا لیتی ہے کہ ظاہر میں بجز آگ کے اور کچھ نظر نہیں آتا اور ظلی طور پر وہ صفات الٰہیہ کا رنگ اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔ اُس وقت بدوں دعا و التماس ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو اپنے اندر الوہیت کے خواص رکھتے ہیں اور وہ ایسی باتیں منہ سے نکالتے ہیں جو جس طرح کہتے ہیں اسی طرح ہو جاتی ہیں۔ محبت کرنے والے سے زیادہ اللہ تعالیٰ اُس سے محبت کرتا ہے۔ وہ وہ خدا ہے کہ اپنے محبوں پر برکات نازل کرتا ہے اور ان کو محسوس کرا دیتا ہے کہ خدا اُن کے ساتھ ہے۔ یہاں تک کہ اُن کے کلام میں اُن کے لبوں میں برکت رکھ دیتا ہے اور لوگ اُن کے کپڑوں اور اُن کی ہر بات سے برکت پاتے ہیں۔"

اب آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وہ الفاظ لکھے جاتے ہیں جو انہوں نے خدا تعالیٰ کو مخاطب کر کے لکھے ہیں اور جن سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں فنا وجود کا کس اعلیٰ قسم کا ربط ہوتا ہے کہ وہ کبھی ایک دوسرے سے جدا ہونا پسند نہیں کرتے۔

حضور فرماتے ہیں:۔

"دنیا کہتی ہے تو کافر ہے مگر کیا تجھ سے پیارا مجھے کوئی اور مل سکتا ہے۔ اگر ہو تو اس کی خاطر تجھے چھوڑ دوں لیکن میں تو دیکھتا ہوں کہ جب لوگ دنیا سے غافل ہو جاتے ہیں۔ جب میرے دوستوں اور دشمنوں کو علم تک نہیں ہوتا کہ میں کس حال میں ہوں اُس وقت تو مجھے جگاتا ہے اور محبت اور پیار سے فرماتا ہے کہ غم نہ کھا میں تیرے ساتھ ہوں۔ تو پھر اے میرے مولا یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس احسان کے ہوتے ہوئے پھر بھی تجھے

چھوڑ دوں۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں"۔

خدا تعالیٰ تک پہنچنے اور تعلق پیدا کرنے کی یہ راہیں اور ذرائع سب کے لئے کھلے ہیں۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ اس مٹھاس اور حقیقی لذت کی طرف اپنے دل اور روح کے ہونٹوں کو بڑھایا جائے۔ ایک بار اس شہد کا ایک قطرہ جن ہونٹوں پر ٹپک پڑے وہ ہونٹ اُس مٹھاس میں مکمل طور پر جذب ہونے کے لئے ہر دم بے چین اور بے قرار رہنے میں بھی ایک سرور اور لذت محسوس کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سچی لگن اور تڑپ عطا فرما کر اپنے قرب کی چاشنی اور برکات سے بہرہ ور ہونے کی قوت عطا فرمائے۔ آمین

اہم علمی مسائل

کے بارے میں

بصیرت افروز تقاریر

ائمہ فقہ

از مکرم مولانا قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائلپوری سابق پرنسپل جامعہ احمدیہ

میرا مضمون ائمہ فقہ ہے۔ ائمہ امام کی جمع ہے۔ یہ لفظ پیشوا اور لیڈر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ فقہ کے لغوی معنی سمجھ رکھنا ہیں: اصطلاح میں دین میں تدبر سے کام لے کر مسائل شرعیہ کے استنباط کو علم فقہ کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں اصولی طور پر دین کی تکمیل کر دی گئی ہے اور بعض فروعات پر قرآن مجید نے اس وقت کی ضرورت کے مطابق روشنی ڈالی ہے جبکہ قرآن مجید نازل ہو رہا تھا۔ پھر احادیث نبویہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے بیان کردہ اصول کی روشنی میں کئی مسائل کا استنباط فرمایا ہے۔ لیکن بعض ایسے فروعی مسائل بھی آئندہ پیش آ سکتے تھے جو اپنی اصلی صورت میں قرآن وحدیث میں موجود نہ ہوں۔ ایسے مسائل کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاد کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

فقہاء کے نزدیک اسلامی فقہ کے ماخذ حسب ذیل ہیں۔

اول قرآن مجید۔ دوم سنت یا حدیث، سوم اجماع امت، چہارم قیاس

فقہ حنفیہ اور مالکیہ میں قیاس کے علاوہ استحسان یا استصلاح یعنی مصالح عامہ کے اصل سے بھی بعض مسائل کا استنباط کیا ہے۔ قرآن مجید کے علاوہ باقی تمام ماخذوں کے متعلق فقہاء میں نزاعیں موجود ہیں۔

احادیث میں نزاع اس بارہ میں ہے کہ کس قسم کی حدیث مسائل شرعیہ کے استنباط کی حجت ہو سکتی ہے۔ اور کس قسم کی حدیث حجت نہیں ہو سکتی۔

اجماع امت کے وجود سے بھی بعض فقہاء منکر ہیں کیونکہ صحابہ کے دور کے بعد تمام علمائے امت کا کسی مسئلہ میں اتفاق ہونا مشکل ہے بجز ان مسائل عامہ کے جنہیں عوام الناس بھی جانتے ہیں۔ جیسے نماز اور زکوٰۃ اور حرام وحلال کے مسائل۔

قیاس کی بعض صورتوں میں بھی نزاع پائی جاتی ہے۔

اور استحسان کو بھی بعض فقہاء ناجائز سمجھتے ہیں۔

فقہ کے ادوار

اسلام میں فقہ کے کئی ادوار ہیں۔ پہلے دو دور صحابہ اور تابعین سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان دونوں دوروں میں اگرچہ کئی بڑے بڑے فقہاء موجود تھے۔ یہ بعد کے آنے والوں کے لئے دین میں مشعل راہ ہیں۔ لیکن باوجود اس کے ان میں کوئی شخص جمہور کا ایسا پیشوا قرار نہیں دیا گیا کہ لوگ تمام مسائل میں اس کی تقلید کرتے ہوں۔ بعد کے دور

میں ایسے مجتہدین پیدا ہوئے جن کو جمہور نے واجب التقلید امام بنالیا اور خود ان کے نقش قدم پر چلنے لگے اور ان کی آرا سے سر مو تجاوز جائز نہیں سمجھا جاتا ۔ حالانکہ خود ان کے زمانہ میں ایسی آزادی رائے تھی کہ ان کے شاگرد ان سے اختلاف کر لیتے تھے ۔

ائمہ فقہ کی شہرت کی وجوہ ایسی امامت کے وجود میں آنے کی وجوہ تین ہیں ۔

اوّل یہ کہ ان کے شاگردوں نے جن کو سوسائٹی میں اہمیت تھی اور ان کی رائے کو وقیع سمجھا جاتا تھا ان ائمہ کے اقوال کی خوب اشاعت و حمایت کی ۔

دوم ۔ ان کی تمام باتیں کتابی صورت میں مدون کر لی گئیں ۔ سلف میں کسی کو یہ بات حاصل نہ تھی ۔

سوم ۔ عام طور پر یہ رجحان پیدا ہو گیا تھا کہ قاضی کے مذہب کا علم حاصل کیا جائے تاکہ ان قاضیوں کی آزادئ رائے کے متعلق یہ خیال پیدا نہ ہو کہ وہ خواہشات نفسانی کی پیروی کرتے ہیں ۔ اور یہ بات اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی تھی جب تک ان کا مذہب مدون نہ ہو ۔

ائمہ فقہ اہل السنت کے اکابر ائمہ فقہ چار ہیں ۔ گو ان کے طریق پر چلنے والے ائمہ بھی بہت سے ہیں ۔

امام ابو حنیفہؒ اکابر ائمہ میں سے سب سے پہلے امام ابو حنیفہؒ ہیں جو ہمارے ملک میں امام اعظم کہلاتے ہیں ۔ اور یہ اس نام کے انتہی مستحق بھی ہیں ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی استنباط مسائل میں ان کی روشن ضمیری اور تبحر علمی کی بہت تعریف فرمائی ہے ۔ اور قرآن و حدیث کے بعد مسائل اجتہادیہ میں فقہ حنفیہ کو اپنی جماعت کے لئے دستور العمل قرار دیا ہے ۔ البتہ جن مسائل پر خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے روشنی ڈال دی ہے ان میں فقہ حنفیہ ہمارے لئے حجت نہیں یا جو نئے مسائل حالات حاضرہ میں پیدا ہوتے ہیں ان کے لئے حضور نے اپنی جماعت کے علماء کے لئے نیا اجتہاد کرنا ضروری قرار دیا ہے ۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا اسم گرامی نعمان بن ثابت زوطی ہے ۔ آپ ۸۰ھ میں کوفہ پیدا ہوئے ۔ دوسری صدی میں جب جوان ہوئے تو اپنے وقت کے بزرگ فقیہ حضرت حماد بن ابی سلیمان سے فقہ حاصل کی اور بہت سے علمائے تابعین مثلاً عطا بن رباح اور نافع مولیٰ ابن عمرؓ سے حدیث سنی ۔ آپ کے زمانہ میں خلافت بنو امیہ سے منتقل ہو کر بنو عباس میں جا رہی تھی ۔ کوفہ تحریک کا مرکز تھا ۔ وہیں ابو العباس سفاح عباسی خلیفہ کی بیعت کی تکمیل ہوئی ۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ ریشمی کپڑوں کی تجارت کرتے تھے ۔ سچائی میں مشہور تھے ۔ لین دین میں ٹال مٹول سے سخت نفرت رکھتے تھے ۔ شگفتہ رو ، پاکیزہ صحبت ، بھائیوں کے ہمدرد ، کم گو ، گفتگو میں لہجہ شیریں تھا اور رفتار درمیانہ تھا ۔ جعفر بن ربیع کہتے ہیں ان کے پاس اپنے پانچسالہ قیام میں میں نے ان سے زیادہ خاموش آدمی کوئی نہیں دیکھا لیکن جب ان سے فقہ کا کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو پھر نالے کی طرح بہنے لگتے تھے اور غلغلہ انگیز تقریر کرتے تھے ۔

امام موصوف قیاس کے امام تھے ۔ قیاس سے مراد یہ ہے کہ جو مسئلہ قرآن و حدیث میں موجود نہ ہو اسے اجتہاد سے

اس طرح حل کیا جائے۔ کہ قرآن مجید یا احادیث میں اس سے ملتا جلتا اور متشابہ مسئلہ تلاش کیا جائے جو حل طلب مسئلہ سے علت میں مناسبت رکھتا ہو۔ پھر اس حل طلب مسئلہ کا اس مسئلہ پر قیاس کر کے اس کا وہی حکم قرار دیا جائے جو حکم اصل مسئلہ کا ہے امام ابو حنیفہ نے دوسرے ائمہ کی نسبت قیاس سے بہت کام لیا ہے۔ اس لئے وہ قیاس کے امام قرار دئے گئے۔ وہ خود اپنے استنباط مسائل کا طریق یہ بتاتے ہیں کہ جب مجھے کوئی مسئلہ کتاب اللہ میں مل جاتا ہے تو اسے لے لیتا ہوں جب کتاب اللہ میں نہ ملے تو حدیث اور آثار کو لیتا ہوں جو ثقاہت میں شائع و ذائع ہیں۔ لیکن جب مجھے کتاب و سنت میں بھی کوئی مسئلہ نہیں ملتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے قول کو لے لیتا ہوں اور ان میں سے جس کو چاہتا ہوں لیتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں چھوڑتا ہوں (کیونکہ آپ اقوال صحابہ کو حجت نہیں سمجھتے) ان کے علاوہ اور کسی کے قول کو نہیں لیتا۔ جب ابراہیم شعبی، حسین ابن سیرین اور سعید بن مسیب (مجتہدین) تک معاملہ پہنچتا ہے تو مجھے حق حاصل ہو جاتا ہے کہ جس طرح ان لوگوں نے اجتہاد کیا ہے اسی طرح میں بھی کروں۔

حضرت امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں کوفہ میں تین فقیہ تھے:۔

۱۔ سفیان بن سعید ثوری جو اہل حدیث کے ائمہ میں سے تھے۔

۲۔ شریک بن عبداللہ النخعی جو مہدی کی خلافت میں کوفہ کے قاضی تھے۔ پھر موسیٰ ہادی عباسی خلیفہ نے انہیں معزول کیا۔

۳۔ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ۷۴ھ میں پیدا ہوئے انہوں نے اصحاب الرائے میں سے کوفہ میں فقہاء کی خدمت انجام دی اور ۳۳ سال حاکم رہے۔ پھر بنو عباس کے زمانے میں حکومت کی اور فقیہ اور مفتی رہے۔ ان تینوں فقہا اور امام ابو حنیفہ کے درمیان بحث رہتی تھی۔

جب ابو جعفر منصور نے شہر بغداد کی بنیاد ڈالی تو وہاں مختلف شہروں سے بہت سے اکابر علماء کو طلب کیا جن میں ایک امام ابو حنیفہ بھی تھے۔

جن شاگردوں نے ان سے تعلیم پائی اور فروعات کی تفریع میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا ان میں سب سے زیادہ مشہور حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔ جوان ہونے پر روایت حدیث کرنے لگے۔ انہوں نے ہشام بن عروہ، ابو اسحاق شیبانی اور عطا بن السائب کے طبقہ کے لوگوں سے روایت حدیث کی اس کے بعد پہلے ابن ابی لیلیٰ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد امام ابو حنیفہ کے حلقہ درس میں آئے اور ان کے اکابر تلامذہ اور بہترین مددگاروں میں محسوب ہوئے۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے امام ابو حنیفہ کے مذہب کی کتابیں تصنیف کیں، مسائل قلمبند کروائے اور ان کی اشاعت سے امام ابو حنیفہ کے مذہب کو روئے زمین پر پھیلا دیا۔ بہت سے اصحاب حدیث نے بھی امام

ابو یوسف کی تعریف کی ہے۔ حالانکہ وہ اصحاب الرائے کی تعریف میں بہت کم تعریفی الفاظ کہتے ہیں۔
چنانچہ مسیح بن معین کہتے ہیں۔ اصحاب الرائے میں امام ابو یوسف سے زیادہ کثیر الروایت اور صحیح الروایت کوئی شخص نہیں۔
دوم۔ امام زفر بن ہذیل بن قیس کوفی ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے پہلے اہل حدیث تھے پھر امام ابو حنیفہ کے تلامذہ میں شامل ہوئے۔ یہ امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ قیاس سے کام لینے والے تھے۔ دنیوی کشمکش سے الگ رہ کر ہمیشہ تعلیم و تعلم میں مصروف رہے۔ امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں سب سے پہلے انہوں نے ۱۵۸ھ میں وفات پائی۔
۳۔ امام محمد بن حسن بن فرقد شیبانی۔ یہ امام ابو حنیفہ کے آزاد شدہ غلام تھے۔ ان کے والد دمشق کے صوبوں میں سے ایک گاؤں حرستی نامی میں رہنے والے تھے۔ اس کے بعد عراق میں آئے۔ امام محمد واسط میں ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے اور کوفہ میں نشوونما پائی۔ بچپن ہی سے علم حاصل کرنے لگے اور حدیث کی روایت کی۔ امام ابو حنیفہ سے اہل عراق کا طریقہ سیکھا۔ چونکہ ان کی کمسنی میں ہی امام ابو حنیفہؒ وفات پا گئے اس لئے ان کے درس میں زیادہ نہ بیٹھ سکے اور امام ابو یوسف سے ان کے طریقہ کی تکمیل کی۔ چونکہ عاقل اور ذہین تھے۔ اس لئے بہت جلدی ترقی کی۔ اور امام ابو یوسف کی زندگی میں ہی اہل الرائے کا مرجع بن گئے۔
امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کی تعلیم کا سلسلہ امام محمد کی ہی ذات سے قائم ہوا ہے حنفیوں کے پاس صرف ان ہی کی کتابیں موجود ہیں۔ امام شافعیؒ نے بغداد میں ان سے ملاقات کی اور ان کی کتابیں پڑھیں اور بہت سے مسائل میں ان سے مناظرہ کیا۔ دونوں کے مناظرے مدون ہیں۔

امام محمد نے رے میں جبکہ رشید کے ہمراہ تھے۔ ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔
۴۔ حسن بن زیاد کوفی جو انصار کے غلام تھے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسف، پھر امام محمد کے شاگرد ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے مذہب میں کتابیں تالیف کیں لیکن جو اعتبار امام محمد کی کتب کو حاصل ہوا۔ ان کی کتابوں کو نہ ہوا۔ اہل حدیث کے نزدیک ان کا درجہ پست ہے۔ ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔
کتب حنفیہ میں ان چاروں اماموں کے اقوال مع دلائل نقل کئے جاتے ہیں
امام ابو یوسف کتاب الخراج میں امام ابو حنیفہؒ کی رائے بیان کرتے ہیں۔ پھر بتصریح رائے ظاہر کرتے ہیں کہ وہ ان کے اس مسئلہ میں مخالف ہیں اور وجہ اختلاف بھی بیان کرتے ہیں۔ کتاب خلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ کبھی ابن ابی لیلیٰ کی رائے اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی طرح امام محمد بھی اپنی کتابوں میں امام ابو حنیفہ سے تصریح کے ساتھ مسائل میں اپنا اختلاف بیان کر دیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے سب سے پہلے قیاس کو ایک شرعی اصول تسلیم کیا اور یہی وجہ ہے کہ انہی لوگوں نے اصحاب الرائے کے لقب سے شہرت حاصل کی۔
امام ابو حنیفہؒ قیاس کے علاوہ استحسان کے بھی قائل تھے۔ یعنی جہاں قرآن و حدیث کی نص نہ ملے اور قیاس احکام نہ دے

سکے۔ وہاں مصالحہ عامہ کو ملحوظ رکھ کر فتویٰ دے دیتے ہیں۔

امام شافعیؒ نے استحسان کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ استحسان کے یہ معنی ہیں کہ بغیر حدیث اور قیاس کے کوئی بات کہی جائے۔ امام شافعیؒ نے کتاب الام کے ساتویں حصہ میں استحسان پر سخت حملہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"خدا نے انسان کو مطلق العنان نہیں چھوڑا۔ جس شخص نے کہا میں استحسان کرتا ہوں تو اس نے خدا اور رسول کے قول کو قبول نہیں کیا اور جو کچھ اس نے کہا اس کی جستجو خدا اور رسول کے حکم سے نہیں کی اور جس شخص نے ایسا کیا اس کی غلطی ظاہر ہے کہ اس نے یہ کہا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں کرتا ہوں۔ نہ مجھ کو اس کا حکم دیا گیا ہے نہ ممانعت کی گئی ہے۔"

پھر لکھتے ہیں:۔

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب حاکم اور مفتی نے کسی مسئلہ میں جس میں کوئی خاص نص نہ ہو یہ کہا میں استحسان کرتا ہوں تو اس کو یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ دوسرے کے لئے بھی جائز ہے کہ اس کے خلاف استحسان کرے۔ اس لئے شہر کا ہر حاکم اور مفتی اپنے استحسان کے موافق ایک بات کہہ سکتا ہے اس لئے ایک ہی چیز کے متعلق طرح طرح کے فیصلے اور فتوے دئے جا سکتے ہیں۔ تو اگر ان کے نزدیک یہ جائز ہے تو انہوں نے اپنے آپ کو بالکل مطلق العنان چھوڑ دیا۔۔۔۔۔ اگر ان میں سے جو قیاس کا قائل ہے یہ کہے کہ لوگوں پر میرے قول کا اتباع واجب ہے تو اس سے کہا جائے کہ تمہاری اطاعت کا کس نے حکم دیا ہے تاکہ لوگوں پر تمہارا اتباع فرض ہو کیا تم نہیں سمجھتے کہ اگر تمہارے سوا کوئی تم پر یہ دعوے کرے تو کیا تم اس کی اطاعت کرو گے یا کہو گے میں بجز اس کی اطاعت کے جس کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے کسی اور کی اطاعت نہیں کرتا۔ اسی طرح کسی پر کسی کی اطاعت فرض نہیں۔ اطاعت صرف اسی کی فرض ہے جس کی اطاعت کا خدا نے اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے اور حق اسی چیز میں ہے جس کی اتباع کا خدا نے اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔ اور خدا کے رسول نے نصًا یا دلائل کے استنباط کے ذریعہ اس کا راستہ دکھایا ہے"۔ امام شافعیؒ نے اس بحث میں دراصل امام محمدؒ کے اس قول کو مدنظر رکھا ہے کہ "میں استحسان کرتا ہوں اور قیاس کو چھوڑتا ہوں"

لیکن جن لوگوں نے امام محمدؒ کے قول کی تفسیر کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک استحسان یہ ہے کہ کسی حدیث کی بنا پر یا اصول عامہ کی طرف رجوع کر کے جو متقدمین کی مشہور رائے ہے یا کسی دوسری معین اصل کی طرف مراجعت کر کے کسی اصل معین پر قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور قیاس کرنے والوں کے اختلاف کے بیان میں خود امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ کبھی ایسا مسئلہ پیش آجاتا ہے جو قیاس کا احتمال رکھتا ہے لیکن اس کو دو اصول سے مشابہت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے ایک شخص ایک اصل کی طرف اور دوسرا دوسری اصل کی طرف جاتا ہے اور اس طرح دونوں باہم مختلف ہو جاتے ہیں تو اہل عراق جو استحسان کے قائل ہیں اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ مسئلہ کا مرجع کسی دوسرے خاص یا عام کو بناتے ہیں اور ان کے قول کا دارومدار صرف خواہشات نفسانی پر نہیں ہے۔ اس بنا پر صرف لفظی بحث رہ جاتی ہے۔ جس کا

معاملہ آسان ہے۔

ان قیاس اور استحسان کرنے والوں کے لیے سلف صالحین میں فقہ کے دور اول میں صحابہ میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دور ثانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، اور تابعین میں ربیعہ اور ابراہیم نخعی کے نمونے بھی موجود ہیں۔

احناف اجماع کو ایک شرعی اصل سمجھتے ہیں۔ امام شافعی پہلے اجماع کے قائل تھے۔ مگر جب دوسروں سے مسائل میں ان کے مناظرات ہوئے، تو انہیں اجماع کے پایا جانے سے انکار کرنا پڑا۔

اجماع کی تعریف یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک زمانہ کے تمام فقہا ایک مسئلہ پر اتفاق کرلیں۔

مگر اس اتفاق کا ثابت کرنا مشکل کام ہے۔ ایسا اجماع صرف صحابہ کے زمانہ میں ہی ہو سکتا تھا۔ جب علماء دنیا میں منتشر ہو گئے تو ان کا ایک ہی مسئلہ پر اجماع ہونا یا کسی کے اختلاف کا علم آسان کام نہیں۔ اسی وجہ سے امام احمد نے کہا ہے جو اجماع کے پایا جانے کا دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹا ہے۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کو امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو امام شافعیؒ کو امام مالکؒ سے تھی۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کے مقلد نہیں تھے بلکہ مجتہد تھے ان میں تعلق صرف معلم اور متعلم کا تھا۔ ورنہ فتویٰ دینے میں یہ مستقل حیثیت رکھتے تھے۔

۲۔ امام مالکؒ

دوسرے بڑے امام حضرت مالکؒ بن انسؒ بن مالک بن ابی عامر ہیں۔ ان کا نسب یمنی قبیلہ ذی اصبح تک منتہی ہوتا ہے۔ ان کے اجداد میں سے ایک شخص مدینہ منورہ آئے۔ ان کے دادا ابو عامرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں ہیں۔ بدر کے سوا تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے۔

امام مالکؒ مدینہ منورہ میں ۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ علمائے مدینہ سے علم حاصل کیا۔ سب سے پہلے عبدالرحمٰن بن ہرمز کے شاگرد ہوئے طویل مدت تک بلا شرکت غیرے ان سے علم حاصل کرتے رہے۔ اس کے علاوہ نافع مولیٰ بن عمر اور ابن شہاب زہری سے بھی تعلیم حاصل کی۔ فقہ میں ان کے شیخ ربیعہ بن عبدالرحمٰن المعروف بہ ربیعۃ الرائے ہیں۔ جب ان کے شیوخ نے ان کو فقہ و حدیث کی اجازت دے دی تو روایت و فتویٰ کی مسند پر بیٹھے۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ علم حدیث کے امام ہیں اور ان کی روایت قابل اعتماد ہے۔

واقدی وغیرہ کہتے ہیں امام مالک کی مجلس نہایت باوقار ہوتی تھی اور وہ رعب و داب والے آدمی تھے۔ ان کی مجلس میں مجادلہ اور شغب نہیں ہوتا۔ سوال کا جواب دیا جانے پر سائل ان سے یہ نہ پوچھتا کہ جواب کس ماخذ سے دیا ہے۔

امام مالکؒ سے بہت سے اکابر محدثین نے حدیث کی تعلیم پائی اور بہت سے فقہا نے ان کی تقلید کی۔ کیونکہ امام مالکؒ میں دو وصف جمع ہو گئے تھے ایک تو وہ محدث تھے دوسرے مفتی اور مستنبط تھے۔

امام مالک اپنے فتاویٰ میں اولاً کتاب اللہ پر پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں پر جو ان کے نزدیک صحیح تھیں اعتماد کرتے تھے۔ اس بارہ میں ان کا اعتماد علمائے حجاز میں سے کبار محدثین پر تھا۔ جس بات پر اہل مدینہ عامل تھے

بالخصوص ائمہ کے عمل کو جن میں سے مقدم ترین عمران تھے وہ نہایت اہمیت دیتے تھے۔ بلکہ ایسی حدیثوں کو بھی رد کر دیتے تھے جن پر اہل مدینہ کا عمل ثابت نہ ہو۔ مختلف ملکوں کے علماء نے اس بارہ میں ان کی مخالفت کی ہے۔ جب قرآن مجید کی نص یا حدیث نہیں ملتی تھی تو قیاس پر اعتماد کرتے تھے۔ جس طرح حنفیہ کی طرف استحسان منسوب ہے اسی طرح ان کی طرف عمل بالمصالح المرسلہ کی نسبت بھی کی گئی ہے۔ انہی مصالح کو استصلاح بھی کہتے ہیں۔ مصالح مرسلہ ان مصالح کو کہتے ہیں۔ جن کے بطلان اور اعتبار کی شہادت کسی نص معین نے نہیں دی۔ اور ان پر عمل کرنے میں اختلاف اس وقت ہوتا ہے جب وہ کسی نص یا قیاس کے مخالف ہو۔ مثلاً چوری کے اقرار کے لئے کسی شخص کو مارنا امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہے لیکن اور لوگ اس مسئلہ میں ان کے مخالف ہیں کیونکہ دوسری مصلحت اس کے معارض ہے اور وہ اس شخص کی مصلحت ہے جس کو مارا گیا۔ کیونکہ وہ بعض اوقات بری ہوتا ہے اور مجرم کو سزا نہ دینا ایک بری الذمہ شخص کے سزا دینے سے آسان ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس طریق سے مال برآمد کرنا دشوار ہو جائے گا تو اس سے ایک بری الذمہ شخص کے سزا دینے کا دروازہ کھل جائے گا۔

اس کی ایک مثال وہ عورت بھی ہے جس کا خاوند مفقود الخبر ہو گیا۔ عورت نے چند سال انتظار کیا اور اس طرح نقصان اٹھایا۔ نیز وہ عورت بھی اس کی مثال ہے جس کو بر سوں سے حیض نہیں آیا اور اس کی عدت رک گئی اور وہ نکاح نہ کر سکی۔ ان دونوں عورتوں کے متعلق امام مالکؒ نے عمر کا لحاظ کیا ہے ان کا قول یہ ہے کہ پہلی عورت خبر کے نہ آنے پر چار سال بعد نکاح کر سکتی ہے اور دوسری عورت کو مدت یعنی نو ماہ کے گزر جانے پر تین مہینہ تک عدت میں بیٹھنا چاہیئے۔ اس لئے اس کا مجموعہ ایک سال ہوگا۔ پہلی صورت میں زوجہ کی مصلحت کا لحاظ رکھا گیا ہے اور غائب شدہ خاوند کی مصلحت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور دوسری صورت میں زوجہ کی مصلحت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ حالانکہ وہ نص صریح کے مخالف والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء کے مخالف ہے کہ حاملہ عورتیں تین حیض کا انتظار کریں اور وہ عورت اب تک سن یاس کو نہیں پہنچی کہ مہینوں کے حساب سے عدت گزارے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مصلحت مرسلہ اس مصلحت کو کہتے ہیں جس سے کسی ایسے مقصد شرعی کی حفاظت کی جائے جس کا مقصد شرعی ہونا کتاب یا سنت یا اجماع سے معلوم ہو۔ البتہ اس کے قابل اعتبار ہونے کی شہادت کوئی اصل معین نہ دے سکے۔ بلکہ اس کا مقصود ہونا ایک دلیل سے نہیں بلکہ دلائل کے مجموعہ حالات کے قرائن اور متفرق علامتوں سے معلوم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسے مصلحت مرسلہ یعنی غیر معینہ کہتے ہیں۔ اس کی پیروی کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ جب کوئی دوسری مصلحت اس کی معارض ہوتی ہے تو ان دونوں مصلحتوں کے ترجیح دینے میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔

امام مالکؒ نے مدینہ میں ہی قیام کیا کسی دوسرے شہر میں نہیں گئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی بیشتر حدیثیں اہل حجاز کی روایت کردہ ہیں۔ ان کی مؤطا میں حجازیوں کے سوا اور لوگوں کا ذکر کم آتا ہے۔ لوگ سفر کر کے ان کے پاس آئے اور ان سے حدیث اور مسائل سیکھے یہاں تک کہ انہوں نے ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ زیادہ تر ان کے پاس مصری اور اہل افریقہ اور اہل

اندلس سفر کر کے آئے اور انہی لوگوں نے تمام شمالی افریقہ اور اندلس میں ان کے مذہب کی اشاعت کی۔

مصریوں میں جو لوگ ان کے پاس سفر کر کے گئے یہ لوگ ان کے مذہب کے ستون ہیں۔ جیسے ابو محمد عبد اللہ بن وہب بن مسلم قرشی، ان کے آزاد شدہ غلام ۱۴۸ھ میں امام مالک کے پاس آئے اور ان کی وفات تک ان کی خدمت میں رہے۔ امام مالکؒ ان کو خط میں عبد اللہ بن وہب فقیہ مصر اور ابو محمد مفتی لکھتے تھے۔ یہ امام مالکؒ کے مذہب کے بارہ میں سب سے زیادہ ثقہ ہیں۔

۲۔ ابو عبد الرحمٰن بن القاسم الثقفی جو ان کے آزاد کردہ غلام ہیں، تقریباً ابن وہب سے دس سال بعد امام مالک کی طرف سفر کیا۔ بہت دنوں تک ان کی صحبت میں رہے اور مالک کے علم کو دوسروں کے علم کے اختلاط سے محفوظ رکھا۔ خود ابن وہب نے بیان کیا کہ اگر تم مالکؒ کی فقہ چاہتے ہو تو ابن القاسم کی صحبت اختیار کرو۔

۳۔ اشہب بن عبد اللہ قیسی العامری الجعدی۔ ابن القاسم کے بعد وہی مصر کے پیشوا تسلیم کئے گئے۔

۴۔ ابو محمد عبد اللہ بن الحکم بن امین بن لیث۔ یہ اشہب کے بعد مصر کے پیشوا قرار پائے۔

۵۔ اصبغ بن الفرج الاموی۔ امام مالکؒ سے حدیث سننے کے لئے مدینہ کا سفر کیا۔ ان کی وفات کے بعد پہنچے۔ اس لئے ابن القاسم، ابن وہب اور اشہب سے تعلیم حاصل کی اور حدیث اور فقہ سیکھی۔

۶۔ محمد بن عبد اللہ بن الحکم نے بھی ابن وہب، اشہب اور ابن قاسم وغیرہ تلامذہ مالک سے حدیث سنی اور امام شافعیؒ کی صحبت میں رہے اور ان سے تعلیم حاصل کی۔

محمد بن ابراہیم بن زیاد الاسکندری نے بچپن میں ابن القاسم سے روائت کی مصر میں ان کے قول پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

اہل افریقہ: اہل اندلس میں امام مالکؒ کے تلامذہ حسب ذیل تھے:۔

ابو عبد اللہ زیادہ بن عبد الرحمٰن القرطبی۔ عیسیٰ بن دنیار اندلسی۔ یحییٰ بن یحییٰ کثیر اللیثی۔ عبد الملک بن حبیب بن سلیمان السلمی، ابو الحسن بن زیاد تونسی، اسد بن فرات، عبد السلام بن سعید التنوخی۔ یہ لوگ اکابر علماء میں سے ہیں جنہوں نے مغربی ممالک میں امام مالک کے مذہب کی اشاعت کی۔

اہل مدینہ میں امام مالک کے سب سے بڑے شاگرد ابو مروان عبد الملک بن عبد العزیز بن عبد اللہ بن ابی سلمہ الماجشون تھے جو قریش میں بنی تیم کے آزاد شدہ غلام تھے۔

امام شافعیؒ امام شافعیؒ کا نسب ابو عبد اللہ محمد ابن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع الشافعی المطلبی ہے۔ امام شافعی کا نسب عبد مناف سے نویں پشت میں ملتا ہے۔ ان کی والدہ یمنی اور قبیلہ ازد سے تھیں جو نہایت ذہین تھیں۔ آپ عسقلان کے صوبہ میں بمقام غزہ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ غزہ ان کے آباؤ اجداد کا وطن نہ تھا بلکہ ان کے باپ ادریس وہاں کسی ضرورت سے آئے تھے اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے فرزند محمد وہیں پیدا ہوئے۔ پیدائش کے دو سال کے

کے بعد ان کی والدہ انہیں مکہ اپنے آبائی وطن میں لے آئیں۔ وہیں ماں کی سرپرستی میں یتیمی کی حالت میں انہوں نے پرورش پائی۔ بچپن میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ پھر بادیہ میں ہذیل کے ہاں جو افصح العرب تھے گئے اور ان کے بہت سے اشعار یاد کئے اور ادب و فصاحت سیکھ کر واپس آئے۔ اور شیخ الحرم و مفتی الحرم مسلم بن خالد الزنجی کی شاگردی کی اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد انہیں فتویٰ دینے کی اجازت دی گئی۔ پھر مدینہ کا سفر کیا اور امام مالکؒ کے پاس آئے وہ موطا یاد کر چکے تھے۔ اس کو امام مالکؒ کے سامنے پڑھا۔

امام شافعیؒ نے اس زمانہ میں مسلم بن خالد کی دو بلند مرتبہ اشخاص یعنی سفیان بن عیینیہ محدث مکہ اور امام مالک بن انس محدث مدینہ کی حدیثیں حاصل کی تھیں۔

آپ دولت مند نہ تھے اس لئے مجبوراً تلاش معاش کے لئے کوئی کام تلاش کیا۔ مصعب بن عبداللہ القرشی قاضی یمن کی مدد سے ان کو یمن میں ایک کام مل گیا اور اس پر مقرر ہو گئے۔ اس وقت ہارون الرشید خلیفہ تھا اور آل عباس اور آل علی میں سخت عداوت قائم تھی۔ ہارون علویوں اور ان کے معاونین کی حرکات سے سخت خائف تھا۔ اور چوکنا رہتا تھا اور صرف تہمت اور شبہ پر بھی ان سے مواخذہ کرتا تھا۔ امام شافعیؒ پر بھی تشیع کا الزام تھا اور بلاد یمن بہت سے شیعوں کا مرکز تھا۔ جو بنو عباس کی گھات میں تھے۔ ہارون الرشید تک ان شیعوں کا جن کے ساتھ امام شافعیؒ تھے معاملہ پہنچایا گیا۔ ہارون نے انہیں طلب کیا۔ مطرف بن بازی قاضی صنعاء نے امام شافعی کو اس الزام میں شامل کیا۔ حماد بربری ان لوگوں کو عراق میں لایا۔ یہ لوگ رشید کے پاس شہر رقہ میں حاضر ہوئے۔

اس موقعہ پر اگر رشید کے حاجب فضل بن ربیع کی مدافعت سے امام شافعی کی برأت ثابت نہ ہوئی ہوتی تو وہ اس الزام کی وجہ سے بڑے خطرے میں پڑ جاتے۔ امام شافعی نے اس الزام سے بچنے کے لئے جو فقرے کہے وہ یہ ہیں:۔

کیا میں اس شخص کو چھوڑ سکتا ہوں جو کہتا ہے کہ میں اس کے چچا کا لڑکا ہوں (یعنی رشید) اور اس شخص کی طرف رجوع کر سکتا ہوں جو یہ کہتا ہے کہ میں اس کا (رشید کا) غلام ہوں۔ رشید پر اس فقرہ کا بہت اثر ہوا اور اس نے امام شافعی کی رہائی کا حکم دیدیا۔

اس موقع پر امام شافعیؒ نے امام ابو حنیفہ کے شاگرد محمد بن الحسن الشیبانی سے میل جول پیدا کیا اور فقہائے عراق کی کتابوں سے واقفیت حاصل کی اور طریقہ اہل حدیث پر ان معلومات کا اضافہ کیا اور انہوں نے محمد بن الحسن سے مناظرات بھی کئے جن کی خبر رشید کو ملی تو ان سے بہت خوش ہوا۔

امام شافعیؒ عراق سے حجاز کو واپس آئے ایک مدت تک مکہ میں افادہ و استفادہ کرتے رہے۔ اس وقت مکہ میں تمام ملکوں کے علماء آتے رہتے تھے اور امام شافعیؒ ان سے ملتے تھے اس طرح افادہ استفادہ کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

رشید کی وفات اور عبداللہ الامین کے خلیفہ ہونے کے بعد دوبارہ عراق میں آئے۔ اس آمد میں علمائے عراق کی ایک جماعت نے ان کی شاگردی اختیار کی۔ بغداد میں ان کو کافی شہرت حاصل ہو چکی تھی اور بہت سے علماء ان کے طریقہ کو قبول کر چکے تھے کہ یہ

حجاز کو واپس آئے۔

تیسری بار عراق میں آئے چند ماہ کے قیام کے بعد مصر کا سفر کیا۔ مصریوں میں امام مالک کا مذہب پھیلا ہوا تھا۔ مصر میں امام شافعیؒ کی قابلیت اور علم الکلام میں ان کی مقدرات کا اظہار ہوا۔ انہوں نے اپنے مصری شاگردوں کو اپنی جدید کتابیں املا کرائیں۔ یہی ان کا مصری یا جدید مذہب ہے۔ وہ برابر مصر میں مقیم رہے۔ یہاں تک کہ ۲۰۴ھ میں وہاں ہی وفات پائی۔ اور مقبرہ بنی عبد الحکم میں دفن ہوئے۔ وہ پہلے حجازی تھے اب مصری ہو گئے۔

امام شافعیؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خود سفر کر کے اپنے مذہب کی اشاعت کی۔ امام شافعیؒ کے مذہب کی بنیاد ان کے رسالہ اصولیہ میں مدون کی گئی ہے۔ وہ ظواہر قرآن سے استدلال کرتے تھے یہاں تک کہ کسی دلیل سے ثابت ہو جائے کہ ظاہر قرآن مراد نہیں اس کے بعد حدیث کو لیتے۔ آپ خبر واحد پر عمل کرنے کی جب اس کا راوی ثقہ ہو سخت حمایت کرتے ہیں۔ اور جب حدیث کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بسند متصل پہنچ جائے تو اہل عراق کی طرح شہرت حدیث کی شرط نہیں لگاتے۔ حدیث کی اسی تائید کی بنا پر ان کو اہل حدیث میں نہایت قبولیت حاصل ہوئی۔ یہاں کے اہل بغداد ان کو ناصر السنت کہتے تھے۔ وہ احادیث صحیحہ کو اسی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس نگاہ سے قرآن کو دیکھتے ہیں۔ یعنی دونوں کو واجب الاتباع سمجھتے ہیں، حدیث کے بعد وہ اجماع پر عمل کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اجماع کے یہ معنی ہیں کہ اس کے خلاف کا علم نہ ہو۔ کیونکہ ان کے نزدیک اجماع کا علم ناممکن ہے۔ جب کوئی دلیل منصوص موجود نہیں ہوتی تو وہ قیاس پر اس شرط کے ساتھ عمل کرتے ہیں کہ اس کے لئے کوئی اصل معین موجود ہو۔ اہل عراق جس چیز کو استحسان اور مالکی جس چیز کو استصلاح کہتے ہیں انہوں نے اس کی شدت کے ساتھ تردید کی ہے۔ البتہ وہ استدلال پر عمل کرتے ہیں جو اس کے قریب قریب ہے۔

امام شافعیؒ کے تلامذہ عراق و مصر دونوں میں موجود تھے۔ ان کے عراقی شاگردوں کے نام یہ ہیں:-

۱۔ ابو ثور بن خالد بن الیمان الکلبی البغدادی۔ ان کا شمار ائمہ فقہائے شافعیہ میں ہے۔ ان کو دلیل مل جائے تو امام شافعی کی مخالفت بھی کرتے ہیں۔

۲۔ احمد بن حنبل (ان کا ذکر آگے آتا ہے) (۳) حسن بن محمد الصباح الزعفرانی البغدادی

۴۔ ابو علی الحسین بن علی الکرابیسی۔ (۵) احمد بن یحیی بن عبد العزیز البغدادی المتکلم

مصری تلامذہ حسب ذیل ہیں:-

۱۔ یوسف بن یحیی البویطی المصری (۲) ابو ابراہیم اسماعیل ابن یحیی المزنی۔

۳۔ ربیع بن سلیمان بن عبد الجبار المرادی (۴) حرملہ بن یحیی بن عبد اللہ التجیبی۔

۵۔ یونس بن عبد الاعلی الصدفی مصری (۶) ابو بکر محمد بن احمد المعروف بابن الحداد۔

اجماع کے بارہ میں امام شافعیؒ کا بحث و مناظرہ کے بعد یہ مسلک ہوا۔ کہ اجماع فرائض مثلاً نماز، زکوۃ اور تحریم حرام

کے سوا جن میں کوئی شخص ناواقف نہیں رہ سکتا نہیں پایا جاتا۔ ہاں امام شافعیؒ سلف سے اگر کوئی حکم منقول ہو اور اس کے متعلق یہ نہ معلوم ہو کہ کسی نے اس میں اختلاف کیا ہے تو وہ دین میں اس کو حجت سمجھتے ہیں۔

امام احمدؒ بن حنبل

امام احمد بن حنبل بن ہلال الذہلی الشیبانی المروزی ثم البغدادی ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ہشیم اور سفیان بن عیینہ وغیرہ کے طبقہ میں اکابر محدثین سے حدیث سنی۔ امام بخاری اور امام مسلم کے طبقہ کے لوگوں نے ان سے روایت کی ہے۔ چونکہ انہوں نے اپنے زمانہ میں اکثر حدیثیں حفظ کیں اس لئے اپنے زمانہ میں اہلحدیث کے امام ہو گئے امام شافعی فرماتے ہیں۔ میں بغداد سے نکلا تو وہاں احمد بن حنبل سے زیادہ افضل اور زیادہ عالم اور زیادہ فقیہہ کسی شخص کو نہیں دیکھا۔ امام احمد بن حنبل نے امام شافعی کے بغداد آنے پر ان سے فقہ کی تحصیل کی تھی۔ آپ ان کے بغدادی شاگردوں میں سب سے بڑے ہیں۔ اس کے بعد خود اجتہاد کیا۔ وہ ان اہل حدیث مجتہدین میں سے ہیں جو امام شافعی کی طرح صحیح السند ہونے کی حالت میں خبر واحد پر بلا شرط عمل کرتے ہیں اور اقوال صحابہ کو قیاس پر مقدم کرتے ہیں۔ امام احمد کا شمار فقہاء سے زیادہ اہل حدیث میں ہے۔ انہوں نے مسند تصنیف کی جو چالیس ہزار سے زیادہ حدیثوں پر مشتمل ہے۔ ان کے بیٹے عبد اللہ نے اس کی روایت کی۔ ان کے مذہب کی روایت کرنے والے مشہور ترین لوگ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ابوبکر احمد بن ہانی المعروف الاثرم (۲) احمد بن محمد بن الحجاج المروزی (۳) اسحاق بن ابراہیم المعروف براہویہ المروزی مامون کے زمانہ میں مسئلہ خلق قرآن کی آزمائش پر صرف آپ نے ثابت قدمی دکھلائی۔ کیونکہ مامون نے مسئلہ خلق قرآن کی جو دعوت دی اس کو بہت سے اہل حدیث نے قبول کر لیا۔ ۲۱۸ھ سے جس میں یہ دعوت شروع ہوئی ۲۳۴ھ تک جس میں متوکل نے اس دعوت کو ترک کر دیا اور لوگوں کو آزادی رائے دی۔ امام احمد بن حنبل اپنے عقیدہ پر ثابت قدم رہے۔ اس استقلال کی بدولت ان کو امام العلماء کا شرف اور درجہ حاصل ہوا۔ امام موصوف نے ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔ امام احمد اجماع کے وجود کے قائل نہ تھے بلکہ وہ اجماع کے دعویٰ کرنے والے کو جھوٹا قرار دیتے ہیں۔

یہ چاروں ائمہ جمہور اہل اسلام کے وہ ائمہ ہیں جن کے مذاہب نے شہرت حاصل کی اور جن کے مذاہب کی تدوین کی گئی اور وہ باقی رہے۔

انہی چار ملی ائمہ کے دور میں شیعوں کے دو مذہبوں نے شہرت حاصل کی۔

ائمہ شیعہ

ایک شیعہ زیدیہ۔ دوسرے شیعہ اثنا عشریہ۔

زیدیہ کے امام: زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب تھے یہ حضرت امام حسینؓ کے پوتے تھے اور مذہب زیدیہ انہی کی طرف منسوب ہے۔ انہوں نے کوفہ میں ہشام بن عبد الملک کے مقابلہ میں بغاوت کی۔ ان کے ماننے والوں میں سے بہت سے لوگوں نے خلافت کے لئے بنو امیہ اور بنو عباس کے مقابلہ میں علم بغاوت بلند کیا اور بلاد طبرستان اور بلاد یمن میں بعض کامیابیاں بھی حاصل کیں۔

اس مذہب کے اصول کی رو سے ان کے ائمہ میں اجتہاد کی شرط ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں بکثرت ائمہ پیدا ہوئے جو فقہ میں اصحاب الرائے تھے۔ اس دور میں ان کے سب سے بڑے امام الداعی الی اللہ الامام الناصر للحق الحسن بن علی بن الحسن بن زید بن عمر بن علی بن الحسن رضؓ بن علی رضؓ تھے۔ جنہوں نے مذہب زیدیہ کے متعلق بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن کی ترتیب کتب فقہ کے مطابق دی گئی تھی۔

انہی ائمہ میں سے امام الداعی الی الحق الحسن بن زید بن اسماعیل بن الحسن بن زید بن الحسن رضؓ بن علی رضؓ تھے۔ جو بہت بڑے عالم تھے آپ نے بلاد طبرستان پر حملہ کیا اور ۲۵۰ھ میں اس پر قابض ہو گئے اور برابر قابض رہے ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔

انہوں نے فقہ میں الکتاب الجامع اور کتاب البیان وغیرہ تصنیف کیں۔

ان ائمہ میں سے ایک قاسم بن ابراہیم العلوی بلاد یمن میں صاحب صعدہ تھے۔ ۲۴۶ھ سے ۲۸۰ھ تک زیدیہ قاسمیہ انہی کی طرف منسوب ہیں۔ کتاب الاشربہ۔ کتاب الایمان والنذور ان کی تصنیفات میں سے ہیں۔

ان ہی ائمہ میں سے ہادی یحیی بن الحسن بن القاسم بن ابراہیم امام صعدہ ۲۸۰ھ تا ۲۹۰ھ ہیں اور زیدیہ ہادیہ ان ہی کی طرف منسوب ہیں۔ فقہ میں ان کی بھی ایک جامع کتاب ہے۔

بلاد یمن کا بڑا حصہ زیدیہ ہے اور شیعوں کے مذاہب میں سے یہ مذہب جمہور کے مذہب سے بہت زیادہ قریب ہے کیونکہ زیدیہ اگرچہ حضرت علی رضؓ کو شیخین سے زیادہ امامت کا مستحق سمجھتے تھے لیکن یہ شیخین کی تنقیص نہیں کرتے

دوسرا مذہب شیعہ اثنا عشریہ ہے۔ اس کے سب سے بڑے امام اس دور میں امام ابو عبداللہ جعفر الصادق تھے جو سادات اہل بیت میں سے تھے۔ آپ نے اپنی حق گوئی کی وجہ سے صادق کا لقب پایا۔ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور امام مالک رحؒ بن انس امام ابو حنیفہؒ اور بہت سے علمائے مدینہ نے ان سے روایت لی۔ ان کے باپ ابو جعفر محمد باقر بھی اپنے زمانہ کے امام تھے اور شیعہ امامیہ کی فقہ کا دارومدار انہی دونو بزرگوں پر ہے۔

اس مذہب کی بنیاد یہ ہے کہ ائمہ معصوم ہیں۔ اور حضرت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔ آپ نے ان کو شریعت کے ظاہر و باطن کی تعلیم دی اور انہوں نے جس شخص کو امامت میں اپنا خلیفہ بنایا اس کو اس کی تعلیم دی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک ائمہ کے اقوال خود شارع علیہ السلام کی نصوص کی مثل ہیں اور احکام رائے اور اجتہاد سے معلوم نہیں ہو سکتے۔ صرف امام معصوم کے ذریعہ معلوم ہو سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اجماع اور قیاس ان میں شرعی اصول نہیں سمجھے جاتے۔ اجماع تو اس لئے نہیں کہ جو شخص ائمہ میں سے نہیں اس کے قول کا کوئی اثر نہیں اور قیاس اس لئے کہ وہ تو ایک رائے ہے اور دین رائے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

ہم احمدی شیعہ ائمہ کی اہلسنت کی طرح عزت کرتے ہیں اور ان کو دین میں بزرگ عالم سمجھتے ہیں۔ خود شیعہ ائمہ بھی خلفائے راشدین کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق رحؒ کے ایک مرید نے

آپ سے مسئلہ پوچھا کہ کیا تلوار کو مرصع کرنا جائز ہے ؟ آپ نے جواب میں فرمایا ہاں جائز ہے۔ قد حلّی ابوبکر الصدیق سیفہ بالفضۃ۔ ابوبکر صدیقؓ نے اپنی تلوار کو چاندی سے مرصع کیا تھا۔ اس پر وہ شخص کہنے لگا آپ ایسا کہتے ہیں یعنی یعنی ابوبکر کو صدیق کہتے ہیں۔ اس پر آپ اپنی جگہ سے (جوش میں) اچھلے اور فرمایا ہاں وہ صدیق ہیں ، ہاں وہ صدیق ہیں ہاں وہ صدیق ہیں۔ جو انہیں صدیق نہ کہے خدا دنیا و آخرت میں اس کی بات کو سچا نہ کرے ۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ ائمہ اہل بیت نہ صرف یہ کہ خلفائے راشدین کی عزت کرتے تھے بلکہ انہیں دین میں سند بھی سمجھتے تھے۔ اسی لئے حضرت امام جعفر صادقؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ایک عمل پر ایک شرعی فتویٰ دیا۔ اور آپ کو صدیق نہ سمجھنے والے کو ملامت کی۔ پس خلفائے راشدین سے نفرت کے خیالات بعد کے سیاسی لوگوں کی پیداوار ہے۔ ائمہ اہل بیت خلفائے راشدین کو راستباز اور اسلام میں بزرگ ہستیاں سمجھتے تھے اور آپ کو عزت و احترام سے یاد کرتے تھے۔ اس واقعہ سے ہمیں اتحاد و اتفاق کا عظیم الشان سبق ملتا ہے۔

الامام المھدی

ہمارے زمانہ میں بانی سلسلہ احمدیہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو اللہ تعالیٰ نے امام الزمان اور مسیح موعود ہامور فرمایا۔ پس آپ تمام دینی امور میں اس زمانہ کے امام اور حکم ہیں۔ اور آپ کے فیصلوں کو قبول کرنے میں دین اسلام کی ترقی منحصر ہے۔ آپ کا کام بموجب حدیث نبوی کسر صلیب ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی کو توڑنا اور یہ ثابت کرنا کہ وہ بموجب ارشاد قرآن مجید ما صلبوہُ صلیب پر نہیں مرے۔ بلکہ انہوں نے کشمیر کی طرف ہجرت کی اور وہاں ۱۲۰ سال کی لمبی عمر بموجب حدیث نبوی گزار کر وفات پائی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس فیصلہ کو قبول کر لینے کے بعد اسلام عیسائیت کے حملہ سے بالکل محفوظ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ تسلیم کر لینے سے نہ حضرت مسیح کی خدائی ثابت ہوتی ہے اور نہ آپ کا لوگوں کے گناہوں کے فدیہ میں صلیب پر جان دینا ثابت ہوتا ہے۔ انہی دو باتوں پر عیسائیت کا مدار ہے کہ مسیح خدا تھا اور وہ صلیب پر جان دے کر کفارہ ہوا۔ عیسائی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا تھا تو عیسائیت باطل ہو جاتی ہے۔

حضرت اقدس کا مسلک فقہ میں یہ ہے کہ قرآن مجید مقدم پھر اس کے بعد سنت کا درجہ پھر حدیث کا اور پھر اجتہاد کا سنت سے مراد آپ کی تعامل امت ہے۔ اور حدیث ضرور قابل قبول ہے جو قرآن مجید یا تعامل کے خلاف نہ ہو۔

حقیقۃ النبوۃ

(نصیر احمد صاحب ناصر۔ مربی ضلع سیالکوٹ)

پروگرام کے مطابق مجھے آج آپ کے سامنے حقیقت النبوۃ کے موضوع پر اپنے خیالات کو پیش کرنا ہے جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے یہ مضمون اپنی افادیت کے لحاظ سے بہت زیادہ اہم اور مفہوم کے اعتبار سے از حد وسعت کا حامل ہے۔ وقت اور عنوان مضمون کو مدنظر رکھتے ہوئے ہیں اپنے اس مقالہ کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کرکے اختصار کے ساتھ ان پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرتا ہوں۔

— وما توفیقی الا باللہ العظیم

۱۔ تعریف نبوۃ - ۲- نبوت کی حقیقت - ۳- نبوت موہبت ہے - ۴- مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ۔ ۵- وحی کی ضرورت - ۶- خصائص نبوت - ۷- نبی کی بشریت - ۸- اجتہادی غلطی - ۹- نبوت اور علم غیب - ۱۰- اقسام نبوت

تعریف نبوۃ نبی اور نبوۃ کے الفاظ نبأ سے مشتق ہیں۔ علامہ ابوالبقاء اپنی کتاب کلیات میں لکھتے ہیں انبأ والانباءُ لم یردا فی القرآن الا لما له وقع وشأن عظیم (بحوالہ اقرب)

یعنی نبأ اور انباءُ کے الفاظ قرآن شریف میں کسی جگہ بھی سوائے ایسے امر کے جس کی بہت بڑی شان اور اہمیت ہو استعمال نہیں ہوتے۔

امام راغب اپنی کتاب مفردات میں لکھتے ہیں انبأ خبر ذو فائدۃ عظیمۃ یحصل به علم او غلبة ظن ولا یقال للخبر فی الاصل نبأ حتی یتضمن ھٰذہ الاشیاء الثلثة۔

یعنی نبأ اس خبر کو کہتے ہیں جس میں اول فائدہ ہو۔ دوسرے بڑا فائدہ ہو۔ اس کے ذریعہ یا تو علم یقین حاصل ہوتا ہو یا علم غالب حاصل ہوتا ہو پھر وہ کہتے ہیں کہ خبر کو کبھی اس کے حقیقی معنوں میں نبأ نہیں کہتے۔ جب تک کہ یہ تینوں باتیں اس میں نہ پائی جاتی ہوں۔ گویا نبأ کے لفظ کو جب ہم نبی کے صیغہ میں تبدیل کردیں تو اس کے معنے ہوں گے۔

"ایسا شخص جس پر کثرت سے کلام الٰہی نازل ہوتا ہے اور وہ کلام ایسا ہوتا ہے جو ذو فائدۃ عظیمۃ یحصل

یہ علم اور غلبہ ظن کا مصداق ہوتا ہے"۔ پس جب ہم کسی کو نبی اللہ کہتے ہیں تو اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ نبی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سن کر لوگوں کو کثرت سے خبریں دیتا ہے اور ایسی خبریں دیتا ہے جو فائدہ پر مبنی ہوتی ہیں۔ نہ صرف فائدہ پر بلکہ فائدہ بھی عظیم الشان ہوتا ہے اور پھر ان سے علم زائد حاصل ہوتا ہے۔

چنانچہ خدا تعالیٰ نبی کی تعریف قرآن پاک میں ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔ فلا یظھر علی غیبہ احداً الا من ارتضی من رسول اللہ تعالیٰ نہیں غالب کرتا اپنے غیب پر مگر اپنے پسندیدہ بندوں کو یعنی رسولوں کو یعنی کثرت سے امور غیبیہ کا اظہار رسول پر ہی کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے وما نرسل المرسلین الا مبشرین ومنذرین یعنی ہم رسولوں کو جو بھیجتے ہیں تو ان کا کام تبشیری اور انذاری رنگ کی پیشگوئیاں بیان کرنا ہوتا ہے۔ اس آیت میں اظہار علی الغیب کی اللہ تعالیٰ نے تفسیر فرما دی ہے کہ کثرت سے امور غیبیہ پر اطلاع ملنے سے یہ مراد ہے کہ وہ قوموں کی تباہیوں اور ترقیوں کے متعلق ہوں۔ اسی طرح آیت مذکورہ میں نبی کا نام خدا کی طرف سے بھی ثابت ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے رسول کو رسلہ میں اپنی طرف سے نسبت دیتا ہے تو یہ بات ثابت ہے کہ نام بھی وہ خود ہی رکھتا ہے ورنہ دوسرے اشخاص کو کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں شخص اب اس درجہ کو پہنچ گیا ہے پس کثرت سے اظہار امور غیبیہ کا ہونا ایک ایسی شرط ہے جو درحقیقت ایک ہی شرط نبوت ہے اور دوسری دونوں شرطیں ان کی تشریح ہیں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

۱۔ نبی اس کو کہتے ہیں جو خدا کے الہام سے بکثرت آئندہ کی خبریں دے" (چشمہ معرفت صد ۱۸۰)

۲۔ "آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ و مخاطبہ رکھتے ہیں میں اسی کی کثرت کا نام بموجب حکم الٰہی نبوت رکھتا ہوں"۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی صد ۶۸)

۳۔ "جبکہ وہ مکالمہ و مخاطبہ اپنی کیفیت و کمیت کی رو سے کمال درجہ تک پہنچ جائے اور اس میں کوئی کثافت اور کمی باقی نہ ہو اور کھلے طور پر امور غیبیہ پر مشتمل ہو تو وہ دوسرے لفظوں میں نبوت کے نام سے موسوم ہوتا ہے جس پر تمام نبیوں کا اتفاق ہے"۔ (الوصیت صد ۱۲)

عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنے ہیں کہ خدا سے الہام پا کر بکثرت پیشگوئی کرنے والا ہو اور بغیر کثرت کے یہ معنے متحقق نہیں ہو سکتے"۔ (غلطی کا ازالہ)

نبوت کی حقیقت

نبوت کی تعریف کے بیان کے بعد اب میں حقیقت نبوت کو لیتا ہوں۔ بعض لوگ قرآن پاک پر غور نہ کرنے کے نتیجہ میں محض اپنے گمانوں کی بنا پر یہ سمجھ رہے ہیں کہ نبوت شاید کوئی خاص شے ہے جس کے ملنے پر انسان نبی بن جاتا ہے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت ایمان کا ہی ایک اعلیٰ مرتبہ ہے اور تقویٰ

میں ترقی کرتے کرتے انسان اس رتبہ کو پہنچ جاتا ہے جسے نبی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں فاولئك مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشھداء والصٰلحین۔ یعنی مومن جب ترقی کرتے ہیں تو وہ نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کی جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس آیت سے انسانی ترقی کے چار درجے معلوم ہوتے ہیں اول صلحا یعنی اچھے لوگ۔ ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بادشاہ کی نیک اور خدمت گزار رعایا ہوتی ہے کہ ان کی فرمانبرداری کی وجہ سے بادشاہ ان پر خوش ہوتا ہے اور ہر طرح ان کی آسائش و آرام کا خیال رکھتا ہے۔ چنانچہ صالح کے معنے لغت میں اس آدمی کے آتے ہیں جو اپنے سب حقوق و فرائض کو ادا کرتا ہے۔ دوسرا درجہ انسان کی ترقی کا شہید کا درجہ ہوتا ہے جو سنی سنائی بات پر گواہی نہ دے۔ شہید کے لفظ سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اس گروہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو دنیوی درباروں میں درباری کے نام سے موسوم ہوتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب انسان حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کمال اخلاص ظاہر کرتا ہے تو اسے شہیدوں یعنی دربار الٰہی کے حاضر باشوں میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر رہتے ہیں یعنی اپنے دل کی آنکھوں سے ہر وقت اس کے جلال اور اس کی شان کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں اور اس کے قریب ہو جاتے ہیں اور عام صالحین سے ان کا درجہ بلند ہو جاتا ہے۔

چونکہ یہ لوگ کسب سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے علم پاتے ہیں۔ اس لئے ان کا علم نہایت درست ہوتا ہے اور یہ لوگ جو کچھ خدا تعالیٰ کی نسبت اور اس کے دین کی نسبت بیان کرتے ہیں چونکہ خود اللہ تعالیٰ سے فیضان حاصل کرتے ہیں وہ نہایت راست اور درست ہوتا ہے اور وہ باریکیاں جن تک دوسروں کی عقل نہیں پہنچ سکتی ان کے لئے معمولی ہوتی ہیں۔ اور نہایت باریک نظر ان کو عطا کی جاتی ہے۔ پس اس لئے بھی کہ ان کا بیان نہایت سچا ہوتا ہے ان کا نام شہید رکھا جاتا ہے

غرض صالح سے ترقی کر کے انسان شہید بن جاتا ہے اور یہ درجہ محدثیت کا درجہ ہے اور جب انسان اس درجہ پر پہنچ کر اور فرمانبرداری دکھاتا ہے اور زیادہ اطاعت کرتا ہے تو اس وقت یہ اور بھی مقبول اور پیارا ہو جاتا ہے اور شہیدوں سے بھی خاص درجہ اسے بخشا جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ان بندوں میں سے ہو جاتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ اپنی خاص نظر عنایت فرماتا ہے اور انبیاء کی طرح ان کی زبان پر بھی حق جاری ہو جاتا ہے اور ان کے منہ سے نکلی ہوئی بات کو اللہ تعالیٰ پوری کر دیتا ہے اور اس طرح یہ لوگ صدیق ہو جاتے ہیں۔ یعنی صدق میں درجہ کمال تک پہنچے ہوئے۔ ان کو صدیق اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کی معرفت زیادہ ہو کر ان کی نظر شہداء سے بھی زیادہ تیز ہو جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے متعلق جیسا ان کا بیان سچا ہوتا ہے اس حد تک شہداء کا علم نہیں پہنچتا اور یہ جن باریک صداقتوں کا اظہار کرتے ہیں۔ شہداء ان کو بیان نہیں کر سکتے۔

غرض صدیق یعنی بہت ہی سچ بولنے والا انسان شہید سے اوپر ہوتا ہے اور اپنے ہر قول کی تائید اپنے عمل سے کرتا ہے۔ اور اس کی فطرت نبیوں کی سی فطرت ہوتی ہے اور اس کے کام نبیوں کے سے کام ہوتے ہیں۔ لیکن

کسی قدر کمی اور نقص کی وجہ سے وہ درجہ نبوت پانے سے رک جاتا ہے ورنہ اس حد تک پہنچا ہوا ہوتا ہے کہ قریب ہے وہ نبی ہی ہو جائے۔ بلکہ جزوی نبوت اُسے مل جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے تجدید دین کا کام لیتا ہے۔ پس صدیق اسے کہتے ہیں جو شہید سے بڑھ کر صداقت پر اپنے آپ کو قائم کرے اور ایسا صدق ظاہر کرے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کا بہت زیادہ مستحق ہو جائے۔ ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ اپنا کلام بارش کی طرح نازل کرتا ہے یہ محدث کا آخری درجہ ہوتا ہے اور یہ درجہ امت محمدیہ میں سینکڑوں ہزاروں لوگوں نے پایا ہے۔ یہ لوگ بھی کلام الٰہی کو سننے میں خاص حصہ رکھتے ہیں لیکن اس کثرت کو نہیں پاتے جس سے رتبہ نبوت کو پہنچ جائیں۔ اس درجہ سے بڑھ کر نبی یا رسول کا درجہ ہے۔ جیسے مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے سب سے آخر میں لکھا ہے۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ کے خاص رازدار ہوتے ہیں اور وہ انہیں کی معرفت دنیا پر اپنے غیب ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلا یظھر علی غیبہ احداً الا من ارتضی من رسول یعنی جو اس کے رسول کہلاتے ہیں انہی کو اپنے غیب پر غالب کرتا ہے اور یہ مقام خدا تعالیٰ اسی کو عطا فرماتا ہے جو اس کی محبت کے انتہائی نکتہ پر پہنچ جاتے ہیں اور اس کا کسی شخص کو اپنے غیب پر غالب کر دینا یعنی کثرت سے امور غیبیہ پر اسے مطلع کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اب یہ شخص محبت کے انتہائی نقطہ کو پہنچ گیا ہے اور دائرہ نبوت میں داخل ہو گیا۔

نبوت موہبت ہے

نبوت کی تعریف اور حقیقت کو بیان کرنے کے بعد اب میں اس امر کو لیتا ہوں کہ نبوت ایک موہبت ہے اور اللہ تعالیٰ ہی بتا سکتا ہے کہ کس شخص کو اس نے امور غیبیہ پر اس قدر اطلاع دی ہے یا نہیں کہ وہ نبی کہلا سکے یہ خدا تعالیٰ کا فضل و احسان ہے۔ جس شخص کو وہ اس منصب کا اہل سمجھتا ہے اسے وہ خود چن لیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا ہی خوب فرمایا ہے:۔

یہ سراسر فضل و احساں ہے کہ میں آیا پسند ورنہ درگاہ میں تیری کچھ کم نہ تھے خدمتگزار

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب معارج القدس میں فرماتے ہیں:۔

"نبوت انسانیت کے رتبہ سے بالاتر ہے جس طرح انسانیت حیوانیت سے بالاتر ہے وہ عطیہ الٰہی اور موہبت ربانی ہے سعی و محنت اور کسب و تلاش سے نہیں ملتی۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (بحوالہ الکلام للشبلی نعمانی)

وحی کی ضرورت

خدا تعالیٰ چونکہ لطیف اور غیر محدود ہے اس لئے وہ نظر نہیں آ سکتا۔ الہام الٰہی خدا تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے ایک انعام ہے اور بندہ اور خدا تعالیٰ میں محبت کا نہ ٹوٹنے والا تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے جو مذہب اس کا دروازہ بند کرتا ہے وہ یقیناً زندہ مذہب کہلانے کا حقدار نہیں بلکہ وہ مردہ مذہب ہے جس میں زندگی کی کوئی بھی روح نہیں۔ کیونکہ ایسا مذہب بندے اور خدا کے درمیان ایک ایسی خلیج حائل کر دیتا ہے

جس کے ہوتے ہوئے بندہ خدا تک نہیں پہنچ سکتا ہے اور خدا کا وجود محض ایک خشک فلسفیانہ خیال رہ جاتا ہے چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

بن دیکھے کس طرح کسی مہ رخ پہ آئے دل کیونکر کوئی خیالی صنم سے لگائے دل

دیدار گر نہیں ہے تو گفتار ہی سہی حسن و جمال یار کے آثار ہی سہی

پھر حضور فرماتے ہیں :۔

گوہر وحی خدا کیوں توڑتا ہے ہوش کر اک یہی دیں کے لئے ہے جائے عز و افتخار

یہ وہ ہے مفتاح جس سے آسماں کے در کھلیں یہ وہ آئینہ ہے جس سے دیکھ لیں روئے نگار

بس یہی ہتھیار ہے جس سے ہماری فتح ہے بس یہی اک قصر ہے جو عافیت کا ہے حصار

ہے خدا دانی کا آلہ بھی یہی اسلام میں محض قصوں سے نہ کوئی بشر طوفاں سے پار

ہے یہی وحی خدا عرفان مولیٰ کا نشان جس کو یہ کامل ملے اس کو ملے وہ دوستدار

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ کلمات طیبہ آنحضرت صلعم کے اس ارشاد کی تشریح ہے :۔

الایمان ان تعبد ربک کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک

پس اے بستان محمد کے پاسبانو! یہ بات یاد رکھنے کے قابل اور خوب یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ اس زمانے میں خدا تعالیٰ نے اپنی چہرہ نمائی کے لئے اپنے فضل و کرم سے ہمیں منتخب فرمایا ہے۔ ہم دنیا کو اس وقت محض عقلی دلیل سے قائل نہیں کر سکتے ہیں کہ ان کا ایک سمیع و خبیر اور مجیب الدعوات خدا موجود ہے جو اپنے بندوں سے اب بھی کلام کرتا ہے۔ بر اس صورت میں ممکن ہے کہ جب ہم خود خدا تعالیٰ سے اتنا تعلق پیدا کر لیں کہ خدا تعالیٰ کے فرشتوں کا نزول ہم پر ہونے لگے اور مادہ پرست دنیا ہمارے وجودوں میں زندہ خدا کی زندہ تجلیات کا مشاہدہ کرنے لگ جائے۔

جس طرح ہم دنیا کو محض یہ بتانے سے کہ کھانڈ کا پیڑا میٹھا ہوتا ہے۔ ان کا منہ میٹھا نہیں کر سکتے ہیں جبکہ کھانڈ کا پیڑا ان کو چکھایا نہ جائے۔ اسی طرح خدا کی ہستی پر ایمان اور یقین کی حلاوت اس وقت تک پیدا نہیں کی جا سکتی تاوقتیکہ عملی لحاظ سے اس کا ثبوت مہیا نہ کیا جائے۔ سو یاد رکھیں اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں مامور فرمایا ہے۔ بس ہمیں اپنے مقام کی قدر و منزلت کرنا ضروری ہے۔

مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ قبل ازیں یہ بیان ہو چکا ہے کہ خدا تعالیٰ کی اصطلاح میں نبی اسے کہتے ہیں جس پر خدا تعالیٰ کثرت سے اظہار علی الغیب فرماتے ہوئے اس کا نام خود نبی رکھ دیتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ سے کیا مراد ہے اور خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے کس طرح کلام کرتا ہے

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔

وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنه ما یشاء انه علی حکیم

کسی آدمی کی حیثیت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے وحی کے سوا یا پردے کے پیچھے بولنے کے سوا کسی اور صورت سے کلام کرے یا اس کی طرف فرشتوں میں سے رسول بنا کر بھیجے جو اس کے حکم سے جو کچھ وہ کہے بات پہنچا دیں وہ بڑی شان والا اور حکمتوں کا واقف ہے۔

قرآن پاک اور لغت عرب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی کے معنی ہیں۔ کسی کام پر مبعوث کرنا۔ دل میں بات ڈالنا۔ اشارے سے بات سمجھانا۔ کسی پیغمبر کی معرفت پیغام بھیجنا۔ لکھنا۔ دوسروں سے چھپا کر بات کرنا حکم دینا وحی کے اصل معنے ایسے اشارہ کے ہوتے ہیں جو جلدی سے کیا جائے اور دوسروں کو اس کا علم نہ ہو سکے۔ خدا تعالیٰ کی کلام کو اس لئے وحی کہتے ہیں کہ اس کا نزول جلدی جلدی ہوتا ہے اور ملہم کے علاوہ اور کسی کو علم نہیں ہوتا ہے۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اور کسی کو بھی خود اس میں شامل کرے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بندہ سے کلام کرنے کے تین طریق بیان فرمائے ہیں۔ پہلا طریق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام بندہ پر بغیر کسی واسطہ کے نازل ہو۔ دوسرا طریق وحی کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے الفاظ نازل نہ ہوں بلکہ مضمون کو تعبیر طلب امثال میں یا لے تعبیر طلب نظارہ میں دکھایا جائے اسی کو اس آیت میں من وراء حجاب کے الفاظ سے ادا کیا گیا ہے۔ یعنی اصل مقصد پردہ کے پیچھے ہوتا ہے۔ تیسرا طریق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا کلام فرشتہ پر نازل کرے اور فرشتہ بندے تک پہنچا دے۔

خصائص نبوت

معصومیت انبیاء:- خدا تعالیٰ کے انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے تربیت یافتہ ہوتے ہیں۔ وہ گناہوں سے نہ صرف خود پاک ہوتے ہیں بلکہ اپنے روحانی فیضان سے دوسروں کو بھی خدا تعالیٰ کا مقرب بنا دیتے ہیں۔ یہ قانون قدرت ہے کہ معرفت کامل گناہ سوز ہوتی ہے۔ مثلاً جسے یقین کامل ہو کہ فلاں چیز زہر ہے وہ کبھی اسے نہیں کھائے گا۔ پس جب یہ مانا جاتا ہے کہ نبی کو معرفت کامل ہوتی ہے تو پھر یہ کہنا کہ نبی گناہ کا مرتکب ہو سکتا ہے یہ دونوں باتیں متضاد ہیں۔ پس یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ نبی سے کوئی گناہ سرزد ہو۔

نبی کی بشریت

نبی کی معصومیت اور دوسری مقدس خصوصیات کے باوجود اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ نبی خدا کا مخلوق، خدا کا بندہ اور آدمی ہی ہوتا ہے۔ وہ خدا، دیوتا یا فرشتہ نہیں ہوتا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ بھی ان مسائل میں سے ہے جن کی اصل حقیقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے افراط و تفریط کی تاریکی میں گم تھی۔ اسلام نے اپنی تعلیم میں ایک طرف رسولوں کو مخلوق اور انسان اور خدا کے حکم کے سامنے عاجز و درماندہ تسلیم کرتا ہے لیکن دوسری طرف وہ ان کو خدا کا برگزیدہ معصوم، نیک اور خدا کی قدرت سے فیض پا کر برکتوں، سعادتوں اور

ہدایتوں کا مرکز اور اس کی اجازت سے عجیب و غریب امور صادر کرنے والا بتاتا ہے۔ اہل عرب بھی ہندوؤں، یونانیوں اور عیسائیوں کی طرح یہ سمجھتے تھے کہ انسان کی راہنمائی کے لئے خود انسان نہیں بلکہ انسان سے مافوق ہستی ہونی چاہیئے اور وہ ہستی صرف فرشتوں کی ہے۔ قرآن نے ان کے اس خیال کی بار بار تردید فرمائی ہے اور کہا ہے کہ اگر فرشتے زمین پر آباد ہوتے تو فرشتہ کو ان کے پاس رسول بنا کر بھیجا جاتا اور اگر انسانوں میں فرشتہ آتا بھی تو انسانیت کے پیکر میں آتا تو تم ایسی حالت میں فرشتہ کو فرشتہ کب مانتے۔ حقیقت یہ ہے کہ پیغمبروں کے دو رخ ہوتے ہیں ایک طرف تو وہ بشریت کے جامہ میں آتے ہیں اور انسانوں کی طرح ہی کھاتے پیتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، شادی بیاہ کرتے پیدا ہوتے اور سوتے ہیں۔ دوسری طرف روحانیت، بے گناہی، پاکدامنی اور اختصاص نبوت میں انسانوں سے بلند تر ہوتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کے ازالہ میں کہ بشریت رسالت کے منافی نہیں یہ اعلان جاری فرمایا۔ هل كنت الا بشراً رسولاً قالت لهم رسلهم ان نحن الا بشر مثلكم ولكن الله يمن على من يشاء۔ ان رسولوں نے جواب دیا کہ ہم تمہاری ہی طرح بشر ہیں لیکن خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے۔

اجتہادی غلطی نبی سے اجتہادی غلطی نہ صرف ممکن ہے بلکہ ضروری ہے تاکہ معلوم ہو کہ نبی پر جو کلام نازل ہوا وہ اُس کا نہیں بلکہ اور ہستی نے نازل کیا ہے۔ کیونکہ اپنی بات کے سمجھنے میں کسی کو غلطی نہیں لگتی، کوئی یہ نہیں کہتا کہ فلاں بات جب میں نے کہی تھی تو اس کا میں نے اور مطلب کیا تھا اور اب میں اور سمجھتا ہوں۔ اس غلطی کا لگنا ثبوت ہوتا ہے اس بات کا کہ وہ بات اس کی بنائی ہوئی نہیں۔

ب۔ دوسرے نہ صرف نبی کو اجتہادی غلطی لگتی ہے بلکہ خدا تعالیٰ نبی سے اجتہادی غلطی بعض دفعہ خود کراتا ہے تاکہ نبی کا اصطفا کرے یعنی اس کا درجہ بلند کرے۔

دوسری قسم کی اجتہادی غلطیاں ابتلائی ہوتی ہیں یعنی بعض لوگوں کا امتحان لینے کے لئے جیسے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر ہوا۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ الہام کے سمجھنے میں تب ہی اجتہادی غلطی لگ سکتی ہے جبکہ الہام کے الفاظ تعبیر طلب ہوں، جو جو نظارہ دکھایا جائے وہ تعبیر رکھتا ہو۔ لیکن اس بارہ میں ایک اصل یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو اجتہادی غلطیوں پر خود متنبہ فرما دیا کرتا ہے۔

نبوت اور علم غیب اسلام کے عقیدہ میں غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ قرآن پاک میں بار بار آنحضرت صلعم کو اس کی ہدایت ہوئی ہے۔ قل انما الغیب للہ۔ یعنی تو کہہ دے اے پیغمبر کہ غیب خدا کے لئے ہے۔ رسول کہتے ہیں ولا اعلم الغیب۔ وما كان الله ليطلعكم على الغيب ولكن الله يجتبي من رسله من يشاءُ اور نہ تھا اللہ کہ غیب کی باتوں پر تم کو مطلع کرتا لیکن یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو غیب کی باتوں کی اطلاع

دیتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جن آیتوں میں غیب دانی کی کلیتہً اور قطعاً نفی کی گئی ہے۔ اس سے مراد ذاتی اور حقیقی علم ہے یعنی خدا کے سوا بالذات کسی کو غیب کا علم نہیں۔ البتہ خدا کے واسطہ اور ذریعہ سے اور اس کی تعلیم و اطلاع سے پیغمبروں کو اس کا علم حاصل ہوتا ہے اور اپنے علوم غیب سے جتنا اور جس قدر وہ پسند کرتا ہے اور مصلحت سمجھتا ہے۔ وہ بذریعہ وحی ان سے واقف کرتا رہتا ہے

اقسام نبوت اور ضرورت نبوت جب سے حضرت انسان پیدا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ہدایت کیلئے انبیاء و مرسلین کا سلسلہ جاری فرماتا رہا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہمیں دو قسم کے انبیاء علیہم السلام کا پتہ چلتا ہے اول وہ جو احکام شریعت جدیدہ لاتے رہے یا بعض احکام شریعت میں ترمیم و تنسیخ وقتی تقاضوں کے مطابق خدا کے حکم کے مطابق کرتے رہے ان کو مستقل نبی کہا جاتا ہے جیسے حضرت موسیٰؑ۔ دوسری قسم کے وہ انبیاء علیہم السلام تھے جن کو خدا تعالیٰ نے گزشتہ تعلیمات کی یاد دہانی اور ان پر چلانے کے لئے مبعوث فرماتا رہا۔ لیکن ان کے حصول نبوت میں گزشتہ انبیاء کی پیروی کو کچھ دخل نہ تھا۔ یہ انبیاء علیہم السلام غیر تشریعی مستقل نبی تھے۔

آنحضرت صلعم کو خدا تعالیٰ نے کمالات نبوت کے انتہائی عروج پر پہنچایا اور آپ کو خاتم النبیین کا جلیل القدر لقب عطا فرمایا۔ آپ کو قیامت تک کے لئے ایک مکمل جامع اور فطرت انسانی کے تمام طبعی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے شریعت عطا فرمائی۔ جس میں قیامت تک کے لئے ترمیم و تنسیخ کی قطعاً گنجائش نہیں۔ آنحضرت صلعم کے وجود پر تشریعی نبوت اور نبوت مستقلہ کا دروازہ قیامت تک کے لئے بند ہو چکا ہے۔ تمام فیوض کا منبع خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کی ذات کو قرار دیا ہے۔

اب نبوت، صدیقیت، شہیدیت اور صالحیت کے بلند و بالا روحانی مراتب تو کجا ایمان کا ادنیٰ ترین مقام بھی بجز سچی اطاعت و پیروی آنحضرت صلعم کے حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ (قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ) یہی ختم نبوت کا مفہوم ہے جو حضرت اقدس نے اپنی تحریرات میں بیان فرمایا ہے۔

حضور فرماتے ہیں "یہ ضرور یاد رکھو یہ امت ہر ایک انعام پائے گی جو پہلے نبی اور صدیق پا چکے۔ پس منجملہ ان انعامات کے وہ نبوتیں اور پیشگوئیاں ہیں جن کی رو سے انبیاء علیہم السلام نبی کہلاتے رہے۔ لیکن قرآن شریف بجز نبی یا رسول ہونے کے دوسروں پر علوم غیب کا دروازہ بند کرتا ہے جیسا کہ آیت لا یظہر علی غیبہ احداً الا من ارتضی من رسول سے ظاہر ہے پس مصفّی غیب پانے کے لئے نبی ہونا ضروری ہوا۔ اور آیت انعمت علیہم گواہی دیتی ہے کہ اس مصفّی غیب سے یہ امت محروم نہیں اور مصفّی غیب حسب منطوق آیت نبوت اور رسالت کو چاہتا ہے۔ اور وہ طریق براہ راست بند ہے اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ اس موہبت کے لئے محض بروز اور ظلیت اور فنا فی الرسول کا دروازہ کھلا ہے" (ایک غلطی کا ازالہ)

قرآن اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانہ میں اسلام اور عیسائیت کی ایک زبردست روحانی جنگ لڑی جانے والی تھی۔ اور اس جنگ میں اس قوم نے غالب آنا تھا جو زندہ خدا، زندہ رسول اور زندہ کتاب کو پیش کرنے والی ہو گی تثلیث دنیا سے مٹا دی جائے گی اور توحید کا علم فاتحانہ شان میں دنیا میں لہرانے لگے گا۔ اس روحانی جنگ میں اسلام اسی صورت

میں غالب آ سکتا تھا جبکہ اسلام اپنی روحانی تاثیرات کے لحاظ سے دیگر تمام مذاہب پر اپنے غلبہ کو بدلیل ثابت کرتا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت یہ بتلا رہی ہے۔

چنانچہ اس امت میں سے بے شمار اولیا و صلحا نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو آنحضرت کی روحانی تاثیرات کی برکت سے مسیح ناصری جیسے کمالات سے نوازا ہے یہ عملی ثبوت ہے اس بات کا کہ موسوی سلسلہ کی تاثیرات ایک مسیح کو جنم دے سکی لیکن محمدی سلسلہ کی قوت قدسیہ نے سینکڑوں مسیح پیدا کئے اور ایک وہ پیدا ہوا جس نے دنیا میں اعلان فرمایا۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو ۔۔۔ اس سے بہتر غلام احمد ہے

حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں:۔

عیسیم لیکن ہر آنکو یافت جاں ۔۔۔ از دم من او بماند جاوداں
شد زعیسیٰ زندہ لیکن باز مرد ۔۔۔ شاد آنکہ جاں بدیں عیسیٰ سپرد
من عصائم درکف موسیٰ خویش ۔۔۔ موسیم پنہاں و من پیدا و پیش

حضرت خواجہ معین الدینؒ فرماتے ہیں:۔

اے تو بر طور دل ہر دم تجلی دیگر ۔۔۔ طالب دیدار را ہر گوشہ موسیٰ دیگر
روح قدسی گر مدد کر دے برائے در جہاں ۔۔۔ ہر دو روز مریم ایام عیسیٰ دیگر

زمانہ کی مریم نیا سے نیا عیسیٰ پیدا کرتی رہی۔

پھر حضرت فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں:۔

من عیسیٰ آں جز خم کز ماہ گز رکرد ۔۔۔ من موسیٰ آں طورم کاسہ دریں زندانست

غرض امت محمدیہ میں ایسے لوگوں کا وجود اس بات کا ثبوت ہے کہ اے عیسائیو تم مسیح کو خدا کس طرح کہہ سکتے ہو ، خدا تعالیٰ نے ہمیں مسیح قرار دیا ہے اور ہم اپنے تئیں خدا کا عاجز بندہ کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منصب نبوت پر فائز ہونا اور یہ کہنا کہ عیسیٰ کجاست تا بنہد پا بمنبرم ، اس بات کا ثبوت ہے کہ مثیل موسیٰ موسیٰؑ سے بہت بڑھ کر اور مثیل عیسیٰ عیسیٰؑ سے بہت بڑھ کر ہے۔

اور یہی ختم نبوت کا مفہوم اور مدعا ہے

ہمارے آقا و مولیٰ

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کی نظر میں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مقام

جناب سید محمود احمد صاحب ناصر پروفیسر جامعہ احمدیہ ربوہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی ظاہری و معنوی حفاظت کا وعدہ اس آیت میں فرمایا ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون کہ ہم نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ قرآن شریف کی ظاہری حفاظت تو اس کے دشمنوں کو بھی تسلیم ہے کہ ابتدا سے قرآن شریف نزول کے ساتھ ساتھ ضبط تحریر میں آتا گیا اور سینکڑوں ہزاروں لوگ شروع سے اب تک اپنے سینوں میں بھی اس کو محفوظ رکھتے چلے آئے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی معنوی حفاظت کا بھی عمدہ انتظام فرمایا اور ایسے مورد الہام مجددین کا ایک سلسلہ جاری رکھا جنہوں نے ہر دور میں قرآن شریف کے عمدہ مطالب و معانی کی تعلیم و اشاعت کا جھنڈا بلند رکھا اور قرآنی تعلیم کی خوبیوں کو منکرین کے سامنے پیش کرتے رہے۔

اسی سلسلہ مجددین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم و عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ یعنی خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے جو ایماندار ہیں اور نیک کام کرتے ہیں وعدہ فرمایا ہے کہ ان کو زمین پر انہی خلیفوں کی مانند جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں خلیفے مقرر فرمائے گا۔ اور ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

ان اللہ یبعث لھٰذہ الامة علی رأس کل مائة سنة من یجدد لھا دینھا[1]۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر اس امت کے لئے کسی مجدد کو کھڑا کیا کرے گا جو اس کے دین کی تجدید کیا کرے گا۔ اسی امر کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں بھی واضح اشارہ ہے۔ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کہ میری امت کے علماء اسرائیلی پیغمبروں کی طرح ہیں یعنی موسوی سلسلہ کے انبیاء کو جو مقام براہ راست خدا تعالیٰ سے ملا تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے حضور صلعم کی امت کے علما کو حاصل ہوگا۔

[1] ابوداؤد جلد ۲ باب الملاحم

اس سلسلہ خلفاء و مجددین میں ایک غیر معمولی مقام رکھنے والے موعود کی بشارت اجمالی طور پر قرآن شریف میں موجود ہے جیسا کہ آیت مذکورہ بالا میں جو آیت استخلاف کے نام سے معروف ہے اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح موسوی سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی شریعت کو قائم کرنے کے لئے پے در پے خلیفے بھیجے اور ان سب کے بعد مسیح ناصری علیہ السلام کو بھیجا جو موسوی سلسلہ میں ایک خاص اہمیت کے مالک تھے۔ اسی طرح یہ سلسلہ خلافت محمدی سلسلہ میں بھی قائم ہوگا اور محمدی سلسلہ میں بھی مسیح ناصریؑ کی طرح ایک خاص موعود مبعوث کیا جائے گا۔ موسوی و محمدی سلسلہ کی یہ مشابہت کوئی موہوم بات نہیں بلکہ قرآن مجید اور حدیث میں اس کے متعلق واضح ارشادات موجود ہیں۔ چنانچہ آیت انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا (سورہ مزمل) میں اسی مشابہت کا ذکر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی وضاحت سے مسلمانوں کے یہود کے قدم بقدم چلنے کا ذکر فرمایا ہے۔

محمدی سلسلہ کے خلفاء میں سے اس خاص خلیفہ کے ظہور کا ذکر قرآن شریف میں ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد کے الفاظ میں حضرت مسیح علیہ السلام کی زبانی بھی کیا گیا ہے اور آیت وآخرین منھم لما یلحقوا بھم میں بھی اس مامور اور اس کی جماعت کو صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ میں شامل کیا گیا ہے۔

ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاص موعود کی بشارت دیتے ہوئے اس کے مقام اور علامات اور اس کے عظیم الشان کام اور اس کے زمانہ کی علامات پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے اور اس کے کام اور مقام کے دو پہلوؤں کے مدنظر اس کو مہدی اور مسیح کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔ جماعت احمدیہ کے عقیدہ کے مطابق جس پر جماعت خدا کے فضل سے نصوص قرآنیہ و حدیثیہ اور تازہ بتازہ نشانات سماوی اور تائیدات ایزدی کی روشنی میں قائم ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان بشارات کا مورد حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جو مقام مترشح ہوتا ہے آج کی مجلس کا موضوع ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں مہدی و مسیح کے مقام کو جو اہمیت حاصل ہے اس کی ایک جھلک اس بات سے ہی ملتی ہے کہ کتب احادیث میں مسیح و مہدی کے متعلق سرسری طور پر ایک دو احادیث نہیں ملتیں بلکہ نہایت کثرت اور تکرار کے ساتھ مہدی و مسیح کا ذکر احادیث میں پایا جاتا ہے اور اس کی علامات اور کام اور اس کے ہمہ گیر علمی و روحانی تاثیرات اور مخالفین اسلام کو قلع قمع کرنے کا ذکر بکثرت احادیث میں موجود ہے اور اس کے زمانہ کی علامات مثلاً بعض آسمانی حوادث کا ظہور اور زمینی واقعات مثلاً ذرائع رسل و رسائل کی غیر معمولی ترقی کا تفصیلی بیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اس کثرت اور وسعت کا اندازہ کرنے کے لئے کتب احادیث کے مہدی، مسیح، دجال، یاجوج ماجوج، فتن اور ظہور قیامت کے ابواب پر ایک نظر ڈال لینا کافی ہے الغرض مسیح و مہدی کے متعلق احادیث تواتر کے ساتھ کتب احادیث میں درج اور قرون اولیٰ سے لے کر اب تک مسلمانوں میں رائج اور معروف رہی ہیں۔

ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حق میں جو بشارات بیان فرمائی ہیں۔ ان میں اس گہری

محبت اور شفقت اور پیار کی جھلک نظر آتی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ حضور صلعم پر سورہ جمعہ کی یہ آیت نازل ہوئی وآخرین منھم لما یلحقوا بھم۔ ہم نے پوچھا حضور یہ کون لوگ ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔ حضور صلعم نے سلمان فارسیؓ پر جو مجلس میں موجود تھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ اگر ایمان ثریا پر بھی جا پہنچے گا تو ابناء فارس میں سے ایک شخص اس کو پالے گا۔[۱] یہ دستِ شفقت جو حضور صلعم نے سلمان فارسیؓ پر رکھا ایک اظہار ہے اس محبت و شفقت کا جو حضور کے دل میں اپنے اس آنے والے غلام کے لئے تھی اور غالباً اسی وجہ سے حضرت سلمانؓ کے متعلق حضور صلعم نے نہایت محبت و شفقت کے ساتھ فرمایا سلمان منا اھل البیت کہ سلمان ہم اہل بیت میں شامل ہے۔ سورج و چاند گرہن کے نشان کے متعلق پیشگوئی فرماتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس پیار بھرے لہجہ میں فرماتے ہیں ان لمھدینا آیتین[۲] ہمارے مہدی کے دو نشان ہیں جب سے آسمان و زمین پیدا ہوئے کسی کی صداقت کے لئے ظاہر نہیں ہوئے۔ اسی محبت و شفقت کے جذبہ کے ماتحت آنحضرت صلعم نے مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ جب مہدی کو پاؤ تو اس کو میرا اسلام پہنچاؤ، اور گو اس سلام کے ساتھ ہی حضور صلعم نے مسیح موعود کے حق میں یہ بشارت بھی فرما دی کہ "جس قدر مخالفین کی طرف سے فتنے اُٹھیں گے اور کافر اور دجال کہیں گے اور عزت اور جان کا ارادہ کریں گے اور قتل کے لئے فتوے لکھیں گے خدا ان سب باتوں میں ان کو نامراد رکھے گا اور تمہارے شامل حال سلامتی رہے گی اور ہمیشہ کے لئے عزت اور بزرگی اور قبولیت اور ہر ایک ناکامی سے سلامتی صفحہ دنیا میں محفوظ رہے گی جیسا کہ السلام علیکم کا مفہوم ہے[۳]"۔ نیز حضور صلعم نے یہ بھی تاکید فرمائی کہ جب مہدی کا ظہور ہو تو اس کی بیعت کی سعادت حاصل کرنا خواہ برف پر پیٹ کے بل چل کر جانا پڑے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس محبت کا اظہار اس حدیث سے بھی ہوتا ہے جس میں حضور صلعم فرماتے ہیں کیف تھلک امۃ انا اولھا وعیسیٰ بن مریم آخرھا۔ کہ وہ امت کس طرح ہلاک ہوگی جس کے شروع میں میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ بن مریم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے لئے اس محبت و شفقت کا اظہار حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ان اشعار میں فرمایا ہے[۵]

در دو عالم نسبتے دارم بتو از بس بزرگ　　　پرورشں دادی مرا خود ہم چو طفلے درکنار

یاد کن وقتے کہ در کشفم نمودی شکل خویش　　　یاد کن ہم وقتے دیگر کآمدی مشتاق وار

یاد کن آں لطف و رحمتہا کہ بامن داشتی　　　واں بشارتہا کہ میدادی مرا از کردگار

یاد کن وقتے چو بنمودی بہ بیداری مرا　　　آں جمالے آں رخے آں صورتے رشک بہار

(ترجمہ) دونوں جہانوں میں ہی تجھ سے بے انتہا تعلق رکھتا ہوں۔ تو نے خود بچے کی طرح اپنی گود میں میری پرورش فرمائی

---

۱ بخاری تفسیر سورہ جمعہ۔　　۲ دار قطنی جلد اول صفحہ ۱۸۸　　۳ تحفہ گولڑویہ

۵ آئینہ کمالات صفحہ ۲۳۔

وہ وقت یاد کرکہ جب تو نے کشف میں مجھے اپنی صورت دکھائی تھی اور ایک اور موقعہ بھی یاد کر جب آپ میرے پاس مشتاقانہ تشریف لائے تھے۔ ان مہربانیوں اور رحمتوں کو یاد کیجئے جو آپ نے مجھ پر کی تھیں اور اُن بشارتوں کو بھی جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھے آپ نے دیں۔ وہ وقت بھی یاد کریں جب بیداری میں آپ نے مجھے اپنا جلوہ دکھایا تھا اور اپنا وہ جمال! وہ چہرہ! اور وہ صورت! جس پر موسم بہار کو بھی رشک آتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنے والے مسیح موعود کے لئے اس بے انتہا محبت کا اظہار اس حدیث سے بھی ہوتا ہے جس میں حضور صلعم مسیح موعود کی وفات کا ذکر فرماکر فرماتے ہیں ویدفن معی فی قبری[1] کہ وہ میرے ساتھ میری قبر میں مدفون ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس سے ظاہری قبر تو مراد ہو نہیں سکتی اور نہ کوئی مسلمان مسیح موعود کی تدفین کے لئے حضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے کھودے جانے کا تصور کرسکتا ہے۔ پس حدیث کا یہی مفہوم ہے کہ مسیح موعود اسلام کی کامیاب اور فاتحانہ خدمت کے بعد اور اپنے شاندار روحانی اور علمی کارناموں کے نتیجہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی معیت سے نوازا جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مشن اور آپ کے مقام کے متعلق جو ارشادات فرمائے ہیں ان کو موٹے طور پر دو حصوں میں تقسیم کرکے ان کے متعلق مختصراً کچھ عرض کرتا ہوں۔ ایک پہلو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقام اور آپ کے مشن کا امت محمدیہ سے متعلق ہے اور دوسرا دشمنان و مخالفین اسلام سے ہے مسلمانوں کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کو امام قرار دیا ہے چنانچہ بخاری کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم کہ تمہارا کیا حال ہوگا جب ابن مریم تم میں نازل ہوگا اور وہ تم ہی میں سے تمہارا امام ہوگا۔ اور حدیث من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ الجاھلیۃ کے مطابق امام وقت کی شناخت ایک مسلمان کے لئے لازمی ہے۔ اس اصولی حدیث کے علاوہ واضح طور پر مہدی و مسیح موعود کی جو بمطابق حدیث لا مھدی الا عیسیٰ ایک ہی وجود ہیں بیعت لازمی قرار دی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مہدی سے ملو خواہ برف پر گھٹنوں کے بل جانا پڑے۔ نیز مہدی و مسیح کی تائید کے لئے سچے مسلمانوں کا اس سے ملنا اور اس کے لشکر میں داخل ہوکر مخالفین اسلام کے خلاف جد و جہد کرنا اور اس کے منکرین کا اس کے مسیحی نفس کا شکار ہونا بتکرار احادیث میں مذکور ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد درج ہے کہ والذی نفسی بیدہٖ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلاً یعنی مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ وقت آتا ہے کہ ابن مریم تم میں نازل ہوگا۔ اور اس کا نزول بطور منصف حکم کے ہوگا۔ اس حدیث میں ان اختلافات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن میں مہدی و مسیح کے نزول کے وقت مسلمان مبتلا ہوں گے اور مہدی و مسیح کو ان اختلافات کا فیصلہ کرنے کا قطعی اختیار دیا گیا ہے یہ حدیث جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری اور دوسری مستند کتب حدیث میں درج ہے مسیح و مہدی کے بلند و بالا مقام پر بڑی وضاحت سے روشنی ڈالتی ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ کتاب الفتن باب نزول عیسیٰ۔

مخالفین اسلام کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات طیبہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کام کا تفصیلی ذکر ہے اور مسیح موعود کے ہاتھوں اسلام کے دیگر ادیان اور تحریکات پر فتح اور اسلام کے عظمت و شوکت کے ایک نئے دور کی ابتداء اور قرآن مجید و سنت نبوی کے احیاء و اشاعت کی بشارت احادیث میں دی گئی ہے۔ اس عظیم الشان مشن کا اجمالی ذکر قرآن شریف میں ان الفاظ میں کیا گیا۔ لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون (الصف) احادیث نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود کا اہم اور بڑا مشن صلیبی مذہب اور اس سے متعلقہ یا اس کے ردعمل کے طور پر پیدا شدہ ناپاک مادی طاقتوں کی بیخ کنی ہے۔ بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث درج ہے۔ والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الحرب۔ یعنی مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ وہ وقت آتا ہے کہ ابن مریم تم میں نازل ہوگا وہ حکم عدل ہوگا۔ وہ صلیب کو توڑے گا۔ خنزیر کو قتل کرے گا اور جنگ کو اٹھا دے گا۔

اس حدیث کے آخری الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی وضاحت فرما دی کہ صلیبی مذہب کی بیخ کنی اور خنزیری طاقتوں کا استیصال ظاہری جنگ و جدال کے ذریعہ نہ ہوگا۔ کیونکہ مسیح فی الحال جنگ کو ملتوی کر دے گا۔ بلکہ اس کی یہ لڑائی قرآنی دلائل روحانی اسلحہ اور آسمانی نشانوں و برکات و تائیدات سے ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس کی تائید و نصرت فرمائے گا۔ اور جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے ویھلک اللہ فی زمانہ الملل کلھا الا الاسلام۔ اللہ تعالیٰ اس کے دور میں اسلام کے مقابلہ میں باقی تمام ملل کو ہلاک کرنے کا سامان فرمائے گا۔ مسیح و مہدی موعود کی علمی اور روحانی طاقت کی مخالفین پر زبردست تاثیر کا نقشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے فلا یحل لکافر یجد من ریح نفسہ الامات ونفسہ ینتھی حیث ینتھی طرفہ کہ ہر کافر مسیحی نفس کا شکار ہوگا اور مسیح کا نفس وہاں تک اثر کرے گا جہاں تک اس کی نظر پہنچے گی۔ یہ حدیث بھی وضاحت کر رہی ہے کہ مہدی و مسیح کی جنگ روحانی اور علمی ہوگی ورنہ ان احادیث کا جن میں وضاحتاً مہدی و مسیح کی تلوار سے لوگوں کو قتل کرنے کا ذکر ہے اس حدیث سے تطابق نہیں کیا جا سکتا جس میں ہر کافر کا مسیح کے سانس سے ہی قتل ہونا لازمی قرار دیا گیا ہے۔

صلیبی فتنہ کے سدباب اور مادی طاقتوں کے استیصال کے ذریعہ مسیح و مہدی موعود کے ہاتھوں رشد و اصلاح اور عدل و انصاف کے ایک زریں دور کے ظہور کی بشارت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ چنانچہ حضور صلعم فرماتے ہیں:۔

المھدی منی اجلی الجبھۃ اقنی الانف یملاء الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما

مہدی مجھ سے ہے وہ روشن پیشانی والا اور بلند ناک والا ہوگا اور زمین کو اس طرح انصاف و عدل سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم سے بھر گئی ہوگی۔

مخالفین اسلام کے مقابلہ میں مسیح و مہدی موعود کا کام ہمارے آقا و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں کتنا اہم اور کتنا شاندار ہوگا۔ اس کا ایک اندازہ آنحضرت صلعم کی ان احادیث سے لگایا جا سکتا ہے جن میں حضور صلعم نے مہدی و مسیح موعود کے مقابلہ کرنے والے مخالفین اسلام کے فتنہ کی شدت اور تلخی اور وسعت کا ذکر فرمایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح و مہدی موعود کے مقابلہ

کرنے والوں میں تمام باطل ادیان اور خصوصاً بگڑے ہوئے مسیحی مذہب اور اس سے متعلقہ مادی قوتوں کو جن کو دجال اور یاجوج ماجوج کے نام سے بیان کیا جاتا ہے شامل کیا ہے۔ ان مخالفین اسلام کی زبردست اور عالمگیر فتنہ انگیزی کے ذکر سے احادیث بھری پڑی ہیں اور ظاہر ہے کہ جس موعود کے ہاتھوں اتنی زبردست خلاف اسلام طاقتوں کا استیصال مقدر ہو اس کا مقام کتنا بلند ہوگا۔ ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دجال کے زبردست فتنہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اس یک چشم کذاب سے اپنی امت کو نہ ڈرایا ہو۔ ایک اور حدیث میں حضور صلعم ارشاد فرماتے ہیں کہ جب سے آدم کی پیدائش ہوئی اس وقت سے قیامت تک اس زمین پر اللہ عزوجل نے دجال سے بڑا فتنہ کوئی نہیں نازل فرمایا۔ پھر فرماتے ہیں کہ جب دجال ظہور کرے گا تو اس کے ساتھ پانی بھی ہوگا اور آگ بھی ہوگی مگر اس میں جو چیز لوگوں کو پانی نظر آئے گی وہ حقیقت میں جلانے والی آگ ہوگی اور جو چیز آگ نظر آئے گی وہ میٹھا اور خوشگوار پانی ہوگا۔ یہ احادیث اختصاراً پیش ہیں ورنہ کتب احادیث میں دجال کی وسیع اور زبردست فتنہ انگیزیوں اور معرکہ آرائیوں کی تفصیل درج ہے اور ساتھ ہی ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح و مہدی موعود کے ہاتھوں اس کی ہلاکت کی خبر دے کر مسیح و مہدی موعود کے عظیم مقام کی طرف اشارہ بھی فرما دیا ہے

اس عظیم موعود کے بلند مقام پر احادیث نبوی سے جو روشنی پڑتی ہے اس کے متعلق ایک امر اور بیان کرکے میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مسیح و مہدی موعود کو بار بار اور بوضاحت عیسیٰ ابن مریم قرار دیا گیا ہے اور یاتی عیسیٰ نبی اللہ کے الفاظ اس کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں۔ اور بغیر کسی اشتباہ کے اس کو وہی نبی کہا گیا ہے جو موسوی سلسلہ میں مبعوث ہوا تھا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہزارہا مسلمان عیسیٰ ابن مریم کو زندہ مان کر اس کی آمد ثانی کے قائل رہے ہیں۔ دوسری طرف آیات قرآنیہ اور نصوص حدیثیہ صریحہ بلند آواز سے مسیح ابن مریم کی وفات کی قطعی خبر دے رہی ہیں اور تیسرا پہلو اس بات کا یہ ہے کہ بالوضاحت شریعت اسلامی کو آخری اور کامل شریعت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین اور آخری شارع نبی اور قرآن مجید کو خاتم الکتب قرار دیا گیا ہے اور ہر قسم کے روحانی فیض اور برکات کا دروازہ آنحضرت صلعم کی غلامی کے بغیر بند قرار دیا گیا ہے۔ اب ان تینوں باتوں کو اپنی اپنی جگہ برقرار رکھتے ہوئے ہم آنے والے مہدی و مسیح موعود کے مقام کے متعلق اسی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ اگرچہ آنے والا وہی عیسیٰ ابن مریم تو نہیں جو موسوی سلسلہ کا نبی تھا کیونکہ اس کی وفات کی قطعی خبر قرآن مجید و احادیث میں دی جا چکی ہے اور نہ ہی کوئی ایسا مامور ہے جو براہ راست نبوت حاصل کرنے والا اور شریعت اسلامیہ کا ناسخ ہو کیونکہ یہ امر ختم نبوت کے منافی ہے۔ بلکہ وہ موعود اسی امت محمدیہ میں سے اسلامی شریعت پر عمل کرکے قرآن شریف کی برکت سے فیض یاب ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور حضور صلعم کی پیروی اور محبت اور اطاعت کلی میں فنا ہو کر اس مقام پر پہنچے گا جس پر مریم کا بیٹا علیہ السلام براہ راست پہنچا تھا۔ گویا مہدی و مسیح موعود کا بلند و بالا مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض روحانی کا ایک کرشمہ آپ کے وسیع بحر سخاوت کا ایک قطرہ، آپ کے زبردست فیض سماوی کی بارش کا ایک چھینٹا ہوگا۔ جماعت احمدیہ کی یہ سعادت ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر روحانی فیض کو اتنا رفیع الشان مانتی ہے کہ آپ کی غلامی سے فیض حاصل کرنے والوں کو اس عیسیٰ بن مریم

سے بلند تر مقام پر فائز قرار دیتی ہے۔ جس کو کروڑ ہا کروڑ مسیحی نعوذ باللہ خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیتے رہے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست قوت قدسیہ کا جس کے نتیجہ میں آپ کے غلام مہدی و مسیح موعود کو بکثرت شرف مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ کا بلند مقام ملا، ذکر فرماتے ہوئے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"اللہ جل شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا یعنی آپ کو افاضۂ کمال کے لئے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔ اس وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے اور یہ قوت قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی۔" (حقیقۃ الوحی)

خصوصیات نظامِ خلافت

از جناب سید حضرت اللہ پاشا صاحب ایم۔ اے لاہور

۱۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہ۔ اما بعد
نعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

۲۔ وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا۔ یعبدوننی لا یشرکون بی شیئاً۔ ومن کفر بعد ذٰلک فاولٰئک ھم الفاسقون۔ واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون

۳۔ خلافت کے معنی نیابت کے ہیں۔ نائب اپنے سے کسی بالا ہستی کی نیابت کرتا ہے۔ وہ اپنے پیشرو کے کام کو جاری کرتا ہے۔ جو کام اس کے پیشرو کا ہوتا ہے وہی کام خلیفہ کا ہوتا ہے۔

۴۔ خلافت کی تین اقسام ہیں۔ اول خلافت نبوت۔ جیسے آدم علیہ السلام کی خلافت تھی جن کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انی جاعل فی الارض خلیفۃ۔ "میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں"۔ آدم ان معنوں میں بھی خلیفہ تھے۔ انہوں نے اور اُن کی نسل نے پہلی قوم کی جگہ لی اور ان معنوں میں بھی خلیفہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے ذریعہ ایک بڑی نسل جاری کی لیکن سب سے بڑی اہمیت جو انہیں حاصل تھی وہ نبوت اور ماموریت ہی کی تھی۔ انہیں معنوں میں حضرت داؤدؑ کو بھی خلیفہ کہا گیا ہے چونکہ وہ اپنے زمانہ کی ضرورت کے مطابق صفات الٰہیہ کو دنیا میں ظاہر کرتے تھے اور اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ظل بن کر ظاہر ہوئے اس لئے وہ اللہ کے خلیفہ کہلائے۔

۵۔ خلافت کی دوسری قسم جو قرآن کریم سے ثابت ہے وہ خلافت ملوکیت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔
واذ قال موسٰی لقومہٖ یٰقوم اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکاً واٰتٰکم ما لم یؤت احداً من العالمین۔ یعنی تم اس وقت کو یاد کرو جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کے اس احسان پر غور کرو جو اُس نے تم پر اس وقت کیا تھا جب اُس نے تم میں نبی بھیجے یا بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ کچھ دیا جو دنیا کی معلوم قوموں میں سے کسی کو نہیں دیا تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ یہود کو ہم نے دو طرح خلیفہ بنایا اور خلافت نبوت و خلافت ملوکیت سے نوازا۔ مگر خلافت ملوکیت خلافت نبوت کے ماتحت تھی۔

۶۔ خلافت کی تیسری قسم انبیاء کے جانشین ہیں خواہ وہ خود نبی ہوں یا غیر نبی۔ خلافت نبوت میں جو نبی آئے تو اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ سابق امت کی درستی و اصلاح کرے۔ وہ کوئی نئی شریعت نہیں لاتا۔ وہ پہلے نبی کے کام کو قائم رکھنے والا ہوتا ہے اور اس لحاظ سے پہلے نبی کا خلیفہ ہوتا ہے لیکن عہدے کے لحاظ سے وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے۔ جیسے وہ انبیاء جو حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت موسیٰ کی شریعت کی تنفیذ کے لئے آتے رہے اور جو غیر نبی خلیفہ ہوتا ہے وہ بذریعہ انتخاب خلیفہ مقرر ہوتا ہے حالانکہ بظاہر وہ بذریعہ انتخاب ہی مقرر ہوتا ہے مگر دراصل مشیت ایزدی مومنوں کے دلوں کو اسی شخص کے انتخاب پر مائل کرتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ چنتا ہے۔

۷۔ خلافت کی خصوصیات خلافت کے منصب سے ہی ظاہر ہیں اور خلیفہ کا منصب وہی ہوتا ہے جو نبی کا ہوتا ہے۔ یعنی یتلو علیھم ایٰتک ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ ویزکیھم۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کو ان پر پڑھے ان کو کتاب سکھائے۔ ان کو حکمت سکھائے اور اُن کو پاک کرے۔

۸۔ یہ کام اتنے وسیع ہیں کہ اس میں کوئی کام رہ نہیں جاتا جس کا تعلق دین سے ہو۔ اور جب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ دین کی وہ حفاظت کرے گا تو ایسے کام کے لئے جو ایک عمر میں پورے نہیں ہو سکتے اور جو بغیر تائید ربانی کبھی سرانجام پا نہیں سکتے، ضروری ہے کہ جس شخص کو کھڑا کرے اپنے ارادے اور مشیت کے ماتحت کھڑا کرے۔ وہ شخص اللہ علام الغیوب کے علم میں اس عہدے کے لائق ہو اور اس عہدے کی ذمہ داریوں کو احسن ترین طریق پر سرانجام دے سکتا ہو۔ وہ کسی کا مرہون منت نہ ہو۔ بھلا جو شخص پوری قوم کا معلم ہو اور احکام کی حکمت بیانی کرتا ہو اور تزکیہ نفوس کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے تازہ تازہ نشانات دکھلا کر مومنوں کے دلوں کو نور یقین سے معمور کرنے والا ہو کیا اس کا مقام دعوت و ارشاد اس بات کا تقاضا نہیں رکھتا کہ وہ اپنے مقام اور منصب کے لئے کسی شخص یا جماعت کا مرہون نہ ہو۔ لہٰذا چونکہ خلافت نبوت کا تتمہ ہے اور نبوت کی فرع ہے اور خلیفہ نبی کے کام کرتا ہے یہ ربانی مصالح کے قریب ہے کہ خلیفہ خدا بنائے۔ دونوں مرتبوں میں فرق یہ ہے کہ نبی ظہر الفساد فی البر والبحر کی کیفیت میں مبعوث ہوتا ہے۔ اُس کے وقت کوئی تزکیہ یافتہ جماعت نہیں ہوتی جس کے ذریعہ اللہ تعالےٰ اپنی مشیت کا اظہار کرے۔ اس لئے نبی کو بالراست حکم دیا جاتا ہے۔ مگر خلیفہ ایک تزکیہ یافتہ جماعت کی موجودگی میں اپنا کام شروع کرتا ہے۔ نبی نے جس کام کی تخم ریزی کی ہوتی ہے اُس کی یہ آبیاری کرتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالےٰ اپنی مشیت کو مومنین کی جماعت کے مشورے کے ذریعہ ظاہر فرماتا ہے۔ اور یہ خلافت علیٰ منہاج نبوت کہلاتی ہے اگر انسانی کوشش سے خلیفہ بنے تو خلیفہ کو گروہ سے دبتے رہنا پڑے کہ ان لوگوں نے مجھ پر احسان کیا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہ کام اپنے ذمہ رکھا۔

۹۔ آیت استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے اس خلافت کی خصوصیات کو بیان فرمایا ہے تا اس کو دوسرے نظاموں اور طریقوں سے تمیز کیا جائے۔ اور مومنوں کو اپنی ذمہ داریوں کا علم ہو۔ اور اس نعمت کی قدر کرتے ہوئے وہ اس کی صحیح حفاظت کا انتظام اور کوشش کریں۔

۱۰۔ آیت استخلاف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

اے خلافت حقہ اسلامیہ پر ایمان رکھنے والے مومنو! اور اے خلافت حقہ اسلامیہ کو قائم رکھنے اور اس کے حصول کے لئے کوشش کرنے والو! اللہ تم سے ایک وعدہ کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تم میں سے زمین میں سے اسی طرح خلفاء بناتے رہیں گے جس طرح تم سے پہلے لوگوں کو خلفاء بنایا۔ اور ہم اُن کے لئے اسی دین کو جاری کریں گے جو ہم نے اُن کے لئے پسند کیا ہے۔ یعنی جو ایمان اور عقیدہ اُن کا ہے وہی خدا کو پسندیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ وعدہ کرتا ہے کہ وہ اسی عقیدے اور طریق کو دنیا میں جاری رکھے گا۔ اور اگر ان پر کوئی خوف آیا تو ہم اُس کو تبدیل کر کے امن کی حالت لے آئیں گے۔ لیکن ہم بھی اُن سے اُمید کرتے ہیں کہ وہ ہمیشہ توحید کو دنیا میں قائم کریں گے اور شرک نہیں کریں گے۔ یعنی مشرک مذاہب کی تردید کرتے رہا کریں گے۔ اور اسلام کی توحیدِ حقہ کی اشاعت کرتے رہیں گے۔ اس آیت میں مندرجہ ذیل باتیں کہی گئی ہیں :۔

اول: خلیفہ مبائعین میں سے ہوگا۔

دوم: خلافت کا انعام پیشگوئی نہیں بلکہ ایک وعدہ ہے۔

سوم: یہ وعدہ مشروط ہے اس بات پر کہ جماعت مومن بالخلافت رہے اور خلافت کو قائم رکھنے والے عمل کرے اور شرک کے خلاف جدوجہد اور توحید کی تبلیغ کرے۔ نمازوں کو قائم کرے۔ زکوٰۃ دے اور نظام کی اطاعت کرے

چہارم: اس وعدے کی غرض یہ ہے کہ مسلمان بھی وہی انعام پائیں جو پہلی امتوں نے پائے تھے۔ دوسری غرض یہ ہے کہ تمکین دین ہو۔ تیسری غرض مسلمانوں کے خوف کو امن سے بدل دینا ہے۔ چوتھی غرض شرک دور کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا قیام ہے۔

پنجم: اس آیت میں خلفا کی علامات بھی بتائی گئی ہیں اور وہ یہ ہیں :۔

۱۔ خلیفہ خدا بناتا ہے۔ یعنی اُس کے بنانے میں انسانی ہاتھ نہیں ہوتا۔ نہ وہ خود خواہش کرتا ہے اور نہ کسی منصوبہ کے ذریعہ وہ خلیفہ ہوتا ہے۔ بلکہ بعض دفعہ تو وہ ایسے حالات میں خلیفہ بنتا ہے جبکہ اس کا خلیفہ بننا بظاہر ناممکن سمجھا جاتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ وہ ایمان لانے والوں اور عمل صالحہ بجالانے والوں میں خلیفہ قائم کرے گا اور ظاہر ہے کہ جو وعدہ کرتا ہے وہی دیتا ہے۔

۲۔ دوسری علامت یہ بتائی کہ اللہ تعالیٰ اس کی امداد انبیاء کے مشابہ کرتا ہے۔ کما استخلف الذین من قبلھم کہ یہ خلفاء ہماری نصرت کے ایسے ہی مستحق ہوں گے جیسے پہلے خلفاء۔ چونکہ نبی کریمؐ سے پہلے انبیاء کے جانشین انبیاء ہی تھے۔ اس لئے امت محمدیہ کے خلفاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ وہی سلوک کرے گا جو انبیاء سابقین سے اس نے کیا۔

۳۔ تیسری علامت یہ بتائی گئی ہے کہ خلیفہ میں نقص نہیں پیدا ہوتا بلکہ جماعت میں نقص پیدا ہونے سے خلافت

جاتی رہتی ہے۔ خلافت جب بھی مٹتی ہے جماعت میں نقص پیدا ہونے سے مٹتی ہے۔ خلیفہ میں نقص پیدا ہونے سے نہیں

۴۔ چوتھی علامت یہ کہ خلفاء کے دینی احکام و خیالات کو دنیا میں پھیلائے گا۔

۵۔ پانچویں علامت یہ کہ قومی طور پر جب بھی خوف پیدا ہوگا اللہ تعالیٰ اُس خوف کے بعد ضرور ایسے سامان پیدا کر دے گا جن سے مسلمانوں کا خوف امن سے بدل جائے گا۔

۶۔ خلفاء کی چھٹی علامت اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کہ وہ خلفاء میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔

۷۔ ساتویں علامت یہ ہے کہ خلیفہ معزول نہیں ہو سکتا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے دین کو قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور جس کے ذریعہ سے وہ شرک کو مٹانا چاہتا ہے اور اسلام کی حفاظت کرنا چاہتا ہے اسے معزول کر دے۔ ایسے شخص کو معزول کرنے کا خیال شیطانی خیال ہی ہو سکتا ہے۔

۱۲۔ اس الٰہی انعام کو پانے اور اُس کی حفاظت کی خاطر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جب نظام خلافت جاری کیا جائے تو تمہارا فرض ہے کہ تم نمازیں قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور خلفاء کی پوری اطاعت کرو کیونکہ اس کے بغیر اطاعت رسول قائم نہیں ہوتی۔ کیونکہ اطاعت رسول کے لئے ضروری ہے کہ دین کو ایک نظام و پروگرام کے ماتحت چلایا جائے۔ اس میں قوم کی تعلیم و تربیت و تزکیہ بھی شامل ہے۔ اس میں ہر زمانہ کے پیش نظر نئے نئے معارف کے بیان کرنے کی بھی ضرورت ہے اور تائیدات ربانی کے تازہ بتازہ اور زندہ نشان دکھلانے کی ضرورت ہے اور دنیا کے کناروں تک اس نئے انقلاب کی دعوت دینے اور اس کا انتظام کرنے کی بھی ضرورت ہے اور یہ باتیں محض تعلیم کے اور شریعت کے اعلیٰ ہونے سے حاصل نہیں ہوتیں بلکہ ضروری ہوتا ہے کہ ایسی شخصیت کی رہبری میسر ہو جو شریعت کی حامل و عامل ہو اور جس کا تقدس اور جس کی محبت و احترام قوم کے دل کی گہرائیوں میں مضبوطی سے قائم ہو اور اس کے قائم کردہ نظام میں اطاعت کے وہ نمونے نظر آئیں جو صحابہ کا امتیازی نشان تھا۔

۱۳۔ اس زمانہ میں خلافت احمدیہ خلافتِ حقہ اسلامیہ ہے۔ اسلام کی تاریخ میں خلفائے راشدین چار ہی ہیں۔ اور ان کے بعد گو بنو امیہ اور بنو عباس و بنو فاطمہ اور بنو عثمان خلیفے کہلائے مگر سوائے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے کسی کو خلیفہ راشد ہونے کا شرف خلفائے راشدین کے بعد حاصل نہیں ہوا۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز خلافت کے خواہشمند ہرگز نہ تھے۔

سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعودؑ و مہدی موعود کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ خلافت علیٰ منہاج نبوت قائم فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خیر البشر و خاتم الانبیاء کے بروز اور ان کے غلام کے ذریعہ صحابہ کی ایک نئی جماعت کھڑی کر دی۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کی پیشگوئیوں کے عین مطابق جب زمانہ میں ظہر الفساد فی البر والبحر کا نظارہ تھا امت مسلمہ کی اصلاح اور اسلام کی اشاعت کے لئے مبعوث فرمایا۔ چونکہ حضرت

مسیح موعود کی بعثت کے وقت کوئی اصلاح یافتہ جماعت موجود نہ تھی اللہ تعالےٰ نے بالراست اس خاتم الخلفاء کو چنا حضور نے اپنے انفاس قدسیہ سے اسلام کے شیدائیوں کی ایک جماعت قائم کی جو علم و عمل کے اعتبار سے صحابہ کا نمونہ تھی ۔ اور ولما یلحقوا بھم کی پیش گوئی اس طرح پوری ہوئی ۔ آپ کے اس دارِ فانی سے رحلت فرمانے کے بعد تمام جماعت نے متفقہ طور پر حضرت مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ کو خلیفہ اول منتخب کیا ۔ جیسا کہ سلسلہ کے مقدس بانی نے ارشاد فرمایا ہے :-

"اے عزیزو جبکہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلا دے ۔ سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے ۔ اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں ۔ کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا دیکھنا بھی ضروری ہے ۔ اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے ۔ کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا ۔" (الوصیت ۶ ـــ ۷)

قدرت ثانیہ سے مراد خلافت ہے ۔ نہ صرف مبایعین نے یہ معنی کئے ہیں بلکہ غیر مبایعین نے بھی یہی معنی کئے ہیں ۔ چنانچہ خواجہ کمال الدین صاحب نے تحریر فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصایا مندرجہ رسالہ الوصیت کے مطابق کل قوم نے حضرت حکیم نورالدین صاحب سلمہ کو آپ کا جانشین اور خلیفہ قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ۔ بیعت کرنے والوں میں تمام دیگر معترضین بھی تھے۔[1]

سو ان لوگوں نے تسلیم کر لیا کہ قدرت ثانیہ کی پیشگوئی خلافت کے متعلق تھی ۔ الوصیت کے الفاظ یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے ۔ سو جس طرح سے نبوت ایک قدرت ہے ۔ اس طرح سے خلافت بھی ایک قدرت ہے جس طرح سے نبی کو خدا کھڑا کرتا ہے خلیفہ بھی خدا ہی بناتا ہے ۔ اور خلافت بھی موہبت الٰہی ہے ۔ اس میں مومنوں کی آراء کا دخل مشیت الٰہی کا آئینہ دار ہوتا ہے ۔ چنانچہ احادیث میں نبی کریم نے خلافت کو عروۃ الوثقیٰ کا لقب دیا ہے ۔ اور حضرت ابوبکرؓ کے متعلق فرمایا کہ نہ تو خدا کی تقدیر ابوبکر کے سوا کسی اور کو خلیفہ بننے دے گی اور نہ ہی مومنوں کی جماعت کسی اور کی خلافت پر راضی ہو گی[2] اور اسی طرح نبی کریمؐ حضرت عثمانؓ کی خلافت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں " خدا تجھے ایک قمیص پہنائے گا ۔ مگر منافق لوگ اسے اتارنا چاہیں گے ۔ لیکن تم اسے ہرگز نہ اتارنا"[3] اس ارشاد نبوی سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ خدا بناتا ہے اور اس کے عزل کا سوال باطل ہے ۔ چنانچہ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے خلاف جب عزل کا فتنہ کھڑا کرنے کی کوشش کی گئی ۔ آپ نے اس کی پرزور تردید کی ۔

آپ فرماتے ہیں :-

---

[1] الحکم ۲۸ مئی ۱۹۰۸ء و بدر ۲ جون ۱۹۰۸ء [2] بخاری [3] ترمذی و ابن ماجہ

"ہزاروں نالائقیاں مجھ پر تھوپو۔ مجھ پر نہیں خدا پر لگیں گی۔ جس نے مجھے خلیفہ بنایا۔ یہ لوگ ایسے ہی ہیں جیسے رافضی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ پر اعتراض کرتے ہیں۔ میں باوجود اس بیماری کے جو مجھے کھڑا ہونا تکلیف دیتی ہے اس رقعہ کو دیکھ کر سمجھتا ہوں کہ خلافت کیسری کی دکان کا سوڈا واٹر نہیں تم اس بکھیڑے سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ نہ تم کو کسی نے خلیفہ بنانا ہے اور نہ میری زندگی میں اور کوئی بن سکتا ہے۔ جب میں مر جاؤنگا تو پھر وہی کھڑا ہوگا جس کو خدا چاہے گا۔ اور خدا اس کو آپ کھڑا کر دے گا۔ مجھے خدا نے خلیفہ بنایا ہے۔ اب نہ تمہارے کہنے سے معزول ہو سکتا ہوں نہ کسی میں طاقت ہے کہ معزول کرے[1]"۔

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی بھی مخالفت ہوئی اور مخالف گروہ نے دعوے کئے کہ سلسلہ کی قیادت ان کے ہاتھ میں ہوگی۔ مگر بقول حضرت محمود ایدہ اللہ الودود ؎

پھر بھی مغلوب رہو گے مرے تا یوم البعث
ہے یہ تقدیر خداوند کی تقدیروں سے

ماننے والے مرے بڑھ کے رہیں گے تم سے
یہ قضا وہ ہے جو بدلے گی نہ تدبیروں سے

مجھ کو حاصل نہ اگر ہوتی خدا کی امداد
کب کے تم چھید چکے ہوتے مجھے تیروں سے

جن کی تائید میں مولا ہو اُنہیں کس کا ڈر
کبھی صیاد بھی ڈر سکتے ہیں نخچیروں سے

مخالف گروہ نے اپنا امیر مقرر کیا اور اُس کے ماتحت چار خلیفے مقرر کئے۔ اُن میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا۔ مگر خلیفۃ المسیح الثانی کے ماتحت صدہا امراء ہیں۔

قدرت ثانیہ ہی کے ظہور کے بعد دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم ہوئے۔ ایشیا، افریقہ، یورپ، شمالی امریکہ، جنوبی امریکہ کے مختلف ملکوں میں اسلام کے مبشرین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو پھیلا رہے ہیں۔ سلسلہ کے امام نے ایک ایسا اسلامی لٹریچر تیار کیا ہے جس کی اسلامی تاریخ میں مثال نہیں۔

اس حق کے چراغ کو بجھانے کی کئی تدبیریں ہوتی رہیں۔ مگر سب ناکام گئیں۔ جماعت پر ایک بہت بڑا زلزلہ داغِ ہجرت کا بھی آیا۔ مگر اللہ تعالےٰ نے ابراہیمؑ کے جانشینوں کو وادی غیر ذی ذرع میں دوبارہ آباد کیا۔ اور اس نئے مدینہ کے قیام کے بعد بھی ایک جنگ بدر ہوئی جبکہ حق کو مٹانے کی متحدہ کوشش کی گئی مگر خدا کی پیاری جماعت کو اُس کے مقدس امام نے بشارت دی کہ "اللہ تعالیٰ میری طرف دوڑا چلا آرہا ہے"۔

جماعت کے نوجوانوں کو اور تمام احباب کو اس انعام الٰہی کی قدر کرنی چاہیئے اور ایسے کام بجالانے

---

[1] بدر ۴ جولائی ۱۹۱۲ء

چاہئیں جو سلسلہ خلافت کی حفاظت کرنے والے ہوں۔

نوٹ: یہ مضمون حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی تصنیف لطیف تفسیر کبیر اور خلافت کے موضوع پر مختلف خطبات سے ماخوذ ہے۔ دلائل کو اکثر و بیشتر حضور کے الفاظ میں ہی پیش کیا گیا ہے۔ مگر مضمون کی ترتیب و تدوین مقالہ نگار کی اپنی ہے۔

خدام الاحمدیہ کی پاکستان اور غیر ممالک میں

تربیتی امدادی اور اصلاحی سرگرمیاں

اگرچہ خالد کا یہ ضخیم نمبر گوجرانوالہ تربیتی کلاس نمبر ہے مگر آخر میں خدام الاحمدیہ کے اندرون ملک کی تربیتی و اصلاحی۔ سرگرمیوں اور خدمت خلق کی مساعی کی رپورٹ کے علاوہ خدام الاحمدیہ ماریشس کے اجتماع کی رپورٹ بھی شامل کی جا رہی ہے۔ تا قارئین کرام اس امر سے بخوبی آگاہی حاصل کر سکیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی کی قائم کردہ تنظیم خدام الاحمدیہ اس وقت نہ صرف پاکستان بلکہ بیرونی ممالک میں بھی مرکز کی طرح تربیتی اجتماعات منعقد کر کے خدام میں روحانی زندگی پیدا کرنے کی مساعی میں کامیاب و مقبول ہو رہی ہے۔ مزید خوشی کن بات یہ ہے۔ کہ ماہنامہ خالد (جو مجلس مرکزیہ کا ترجمان ہے) کی اشاعت غیر ممالک میں بھی ہو رہی ہے۔ چنانچہ ماریشس اور انڈونیشیا۔ افریقہ اور انگلستان میں بھی اس کے کئی خریدار بن چکے ہیں۔ جو ایک نیک فال ہے۔ خالد میں انشاء اللہ خاص اہتمام سے مجلس کی سرگرمیوں کا تذکرہ ہوگا۔ امید ہے کہ قائدین مجالس اور دوسرے خدام اس مرکزی رسالہ کی توسیع اشاعت کے لئے ادارہ کا ہاتھ بٹائیں گے۔ جیسا کہ مکرم و محترم جناب صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نائب صدر مرکزیہ نے اپنے تازہ پیغام میں نوجوانانِ احمدیت کو توجہ دلائی ہے۔ یہ اہم پیغام اسی شمارہ کے صفحہ ۱۲۹ پر درج ہے۔

(شعبہ اشاعت مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

خدام الاحمدیہ ماریشس کا شاندار تربیتی کیمپ و اجتماع

"ماریشس کے احمدی نوجوانوں نے گذشتہ ہفتہ شوازی کے مقام پر ایک مثالی کیمپ لگایا۔ محکمہ تعلیم کے یوتھ آفیسر مسٹر آر۔ بی۔ ہلٹن نے مولانا محمد اسماعیل صاحب منیرؔ (قائد خدام الاحمدیہ ماریشس) کو اس تربیتی کیمپ کے قیام پر دلی مبارکباد پیش کی"۔ ان الفاظ کے ساتھ ایک روزنامہ ADVANCE نامی نے ہمارے تربیتی کیمپ کی رپورٹ شائع کی۔ ایک اور روزنامہ Acton نے بھی اپنے کالم میں اس کا ذکر کیا۔

۱۹ ر اگست کی صبح سے احمدیہ ہیڈکوارٹرز "دارالسلام" روزہل سے ۳۵ خدام کا قافلہ ۵ کاروں اور ایک اسٹیشن ویگن میں دعائیں کرتا ہوا روانہ ہوا۔ ۲۰ میل سفر کرنے کے بعد "مون شوازی" کے مقام پر پہنچا۔ یہ جگہ سمندر کے کنارے ایک وسیع بیچ ہے۔ جہاں تین طرف درختوں کا نظارہ اور سامنے وسیع سمندر کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی لہریں ہی لہریں نظر آتی ہیں۔ فوراً ہی تربیت یافتہ احمدی سکاؤٹوں کو مدد سے نوجوانوں نے ناظرؔ۔ طارقؔ۔ خالدؔ۔ عمرؔ نامی خیمے نصب کر دیئے۔ ہر ایک کے سامنے چھوٹے سے جھنڈا پر نام بھی لگا دیا۔ "احمدیہ یوتھ" کا نشان ایریا میں داخل ہونے والی سڑک پر لگا دیا۔ جہاں سے ایک ہفتہ کے اندر سیکڑوں گزرنے والوں نے اس کے ذریعہ سے معلومات حاصل کیں۔ علَمِ احمدی چاروں خیموں کے درمیان نصب کیا گیا۔ جس کے پاس ہی اسمبلی ہال برائے نماز و جلسہ بنا دیا گیا۔ اور دوسری طرف کھانے کے کمرہ کے نشان لگا دیئے۔ چاروں خیموں کو مرکزی اسمبلی ہال سے ملانے کے لئے سڑکیں آراستہ کر دی گئیں اور چوراہوں پر اسلامی اصول کے مطابق KEEPRIGHT کے الفاظ کندہ کر دیئے گئے۔ بڑا دروازہ اسمبلی ہال سے ذرا دور بنا دیا گیا۔ جس پر اَھلاً وّسھلاً وّ مَرحباً اور WELCOME کے الفاظ ہر زائر کو دعوت دے رہے تھے۔

۱۹ ر اگست ہفتہ سے لے کر ۲۵ ر اگست جمعہ تک کا پروگرام ٹائپ کر کے اسمبلی ہال میں خاص و عام کی رہنمائی کے لئے آویزاں تھا۔ جس کے مطابق صبح ۵ بجے اذان ہوتی۔ ½۵ بجے نماز فجر باجماعت کے بعد درس حدیث ہوتا رہا۔ چند اہم حدیثوں کو خدام کے ذہن نشین کروایا گیا تھا۔ خوراک۔ صفائی۔ علم اور دیگر پروگراموں میں ہر روز پہلے دن کی نسبت ترقی ہوئی اور مستقل طور پر ہوتی رہی۔ اور ایک دوسرے کی خوبیوں کو دیکھ کر اپنے اندر بھی وہ خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آخری دن رخصت ہونے سے قبل ہر خادم اپنے اندر نمایاں تبدیلی محسوس کرتا تھا۔

۸ بجے ناظر خوراک و وقت سیٹی بجا دیتا اور سارے خدام ناشتہ کے لئے اسمبلی ہال میں پہنچ جاتے ناشتہ سے قبل علَم کو لہرانے اور عہد دہرانے کا فریضہ سرانجام دیا جاتا رہا۔ اس کے بعد انسپکٹر صاحبان خیمہ جات کا معائنہ کرتے۔ معائنہ کرتے وقت خدام کی جسمانی صفائی۔ کپڑوں اور بستر کی صفائی۔ خیمہ کے اندر اور باہر جگہ کی صفائی۔ اہل کیمپ کی

جسمانی اور روحانی غذا کا خاص خیال رکھا جاتا رہا۔ بعض خدام نے اپنے کام کے ذریعہ سے جنگل میں منگل منایا گیا۔ اور گھر کی نسبت بھی وہاں ضروریاتِ زندگی کو بہتر رنگ میں مہیا کر دیا۔ اور سب وہاں جنگل کے سامان سے۔ اسی دوران میں طارق۔ خالد اور عمر باری باری ہر روز اپنی ڈیوٹیاں برائے کھانا۔ پانی۔ لکڑی ادا کرتے رہے۔ دوپہر کے کھانے سے قبل ناظر گیمز کی زیر نگرانی خدام مختلف سپورٹس میں حصہ لیتے رہے۔ اور بارہ بجے غسل کرنے کے لئے سب ساحل سمندر پر آجاتے۔ آدھ گھنٹہ تیراکی کے مقابلہ کے بعد کھانے کی وِسل سن کر سب اپنا لباس بدل کر اسمبلی ہال میں پہنچ جاتے رہے اور کھانا لے کر DINNING ہال میں بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ کھانے کے بعد آرام کا ایک گھنٹہ تھا۔ جس میں بعض اپنے اپنے ذوق کے مطابق علمی مقابلوں کی تیاری میں مصروف ہو جاتے۔

پروگرام کے مطابق کھانے کی ڈیوٹی والا خیمہ عین وقت پر نماز ظہر کی اذان دیتا رہا۔ اسمبلی ہال میں نماز ظہر و عصر جمع ادا کرنے کے بعد وہاں ہی علمی مجلس گرم ہو جاتی۔ جس میں عموماً عام فہم مسائل سوال و جواب کے رنگ میں سمجھائے جاتے رہے۔ مثلاً حضرت مسیح موعودؑ کی آمد۔ آپ کی آمد سے قبل اللہ تعالیٰ نے زمین کو کس طرح تیار کیا۔ اس زمانہ کے متعلق قرآن۔ حدیث کی بیان شدہ علامتیں کس طرح پوری ہوئیں۔ اسی طرح تلاوت قرآن مجید۔ نظم خوانی۔ تقاریر کے مقابلہ جات کروائے گئے۔ علمی سوال ہر ایک سے پوچھے جاتے رہے۔ ۴ بجے چائے کے بعد فٹ بال اور والی بال کے مقابلہ جات باری باری طارق۔ خالد۔ عمر۔ ناظریں روزانہ ہوتے رہے۔ ۶ بجے شام سے قبل سمندر میں غسل کر کے سب خیموں میں واپس پہنچ جاتے۔ ۶½ بجے کھانے کے بعد نماز مغرب و عشاء ادا کی جاتی رہی۔ جس کے بعد پھر علمی مجالس کا انعقاد کیا جاتا رہا۔ اور دس بجے سونے کی گھنٹی بجا دی جاتی تھی۔

اس جنرل پروگرام کے علاوہ ۲۰ اگست کو سارے خدام کا اجتماع بھی تھا۔ جس میں شرکت کے لئے بیرونی خدام۔ انصار اور اطفال تشریف لائے۔ اور مختلف علمی و ذہنی مقابلوں اور کھیلوں کے پروگرام میں سبھی شامل ہوئے ۴ بجے سرکاری محکمہ تعلیم کے YOUTH OFFICER مسٹر R.B. MILTON ہماری دعوت پر تشریف لائے خیموں اور خدام معائنہ کرنے کے بعد انہوں نے بتایا کہ ان کے دفتر کے زیر انتظام جتنے CAMP ہوئے ہیں ان سب میں سے ہر لحاظ سے یہ بہترین اور نمونہ کا ہے اور اب میں جہاں بھی جاؤں گا اس کیمپ کی مثال پیش کیا کروں گا —— ان کی موجودگی میں اس دن کے مقابلوں کا تقسیم انعامات کا جلسہ منعقد ہوا۔ طارق۔ خالد اور عمر کے کپتانوں نے باری باری اپنے خیموں کے ناموں کی وجہ تسمیہ بتائی۔ اور ان کے مطابق کام کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔ خاکسار نے احمدیہ کیمپ کے خاص مقاصد کی وضاحت کی۔ کہ ہمارا مقصد آرام طلبی نہیں بلکہ جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی ترقی کرنے کے لئے ہم اس کیمپ میں آئے ہیں۔ اور ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے ہم نے ہمہ گیر پروگرام بنایا ہے۔ جس میں ہر پہلو کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ میری درخواست پر یوتھ آفیسر نے بھی تقریر کی۔ اور احمدی نوجوانوں کے ضبط و نظم اور خوش اخلاقی کی تعریف کی اور بتایا کہ صرف دار السلام (احمدیہ مرکز) کے علماء ہی یہ کام کرتے نظر آرہے ہیں جس کی دنیا کو اس وقت سخت ضرورت ہے۔

آخر میں دعا ہوئی اور جلسہ برخواست ہوا۔ زائرین کرام کی خدمت میں چائے اور بسکٹ پیش کئے گئے۔

۲۔ ہمارے کیمپ سے تین میل کے فاصلہ پر ہماری احمدیہ جماعت تریولے تھی جس کی درخواست پر ہمارے

خدام نے وہاں کے سوشل سنٹر میں ایک پبلک جلسہ بھی کیا۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب منیر کی تقریر ایک گھنٹہ تک جاری رہی جس کا عنوان تھا " پیدائشِ انسان کی غرض "۔ خدام پیدل ہی گئے اور پیدل ہی واپس آئے۔ مغرب وعشاء کی نمازیں مسجد احمدیہ تربولے میں باجماعت ادا کیں۔ جس کے بعد وہاں کی جماعت نے سب خدام کو کھانے کی دعوت بھی دی۔ جزاہم اللہ۔

۳۔ اسی دوران میں خدام کو تبلیغ کے لئے تیار کرنے کے لئے ایک دن چار گھنٹے کا پروگرام بنایا گیا۔ سب خدام اخبار اور پمفلٹ لے کر ارد گرد کے علاقہ میں تقسیم کے لئے گئے۔ اور اکثر خدام نے اخبار LE MASSAGE بھی فروخت کیا ——

۴۔ ہمارے ہمسایہ میں دوسرے نوجوانوں کے بھی دو کیمپ تھے۔ ہر دو کی ہر رنگ میں مدد کی جاتی رہی۔ اور ان کی درخواست پر آخری رات ہم نے نظم خوانی کا پروگرام بھی پیش کیا۔ درثمین اور کلام محمود کی نظمیں سن کر وہ بہت خوش ہوئے۔ اور اپنے وطن میں بھی آنے کی دعوت دی۔ ہم نے بھی ان کو چائے کی دعوت دی۔ اور تبلیغی مراسم جاری ہوئے علاوہ ازیں سرکاری آفیسرز اور سکاوٹ ماسٹر آتے رہے۔ جن کو احمدیت کا سے متعارف کرانے کا موقعہ ملتا رہا۔

۵۔ کیمپ کے چار نمائندے ۸۰ میل کا سفر کر کے اپنے ایک خادم حسن یستان صاحب کو ہوائی اڈہ پر ربوہ کے لئے رخصت کرنے کے لئے گئے۔

آخری رات Camp Fire تھا۔ جس میں شمولیت کے لئے بہت سے احباب جماعت تشریف لائے۔ طارق۔ خالد اور عمر نے آدھ آدھ گھنٹہ کا پروگرام تلاوت قرآن مجید نظم خوانی اردو اور فرنچ اور تقریروں وغیرہ کا پیش کیا۔ جس میں طارق اول نمبر پر رہا۔ مگر مجموعی طور پر خالد اول نمبر پر آیا۔ اور سب خدام میں سے بہترین خادم رشید رمضان (از طارق) قرار پایا۔ اور کپتانوں میں سے بہترین کپتان عمر کا مسٹر منصور قرار پایا۔ ان سب کو جمعہ کے دن جلسہ سیرۃ النبیؐ میں انعامات دیئے گئے۔

خدام اور کپتانوں کے علاوہ ناظر صاحبان (۱۔ مسٹر رشید۔ ۲۔ مسٹر مقبول۔ ۳۔ مسٹر شمشیر ۴۔ مسٹر ناصر۔ ۵۔ ابوبکر خاں صاحب) اور خاص مسٹر انصار۔ مسٹر علیبیؔ صاحب خاص طور پر شکریہ کے مستحق ہیں۔ جنہوں نے اس تربیتی کیمپ کو کامیاب بنانے میں سر توڑ کوشش کیں۔ ناظران میں سے بہترین ناظر مسٹر مقبول ناظر خوراک و وقت تھے۔ ان کو بھی انعام دیا گیا۔ (نامہ نگار)

مجلس خدام الاحمدیہ کے متعلق بعض اہم تاریخی معلومات

۳۱ر جنوری ۱۹۳۸ء مجلس خدام الاحمدیہ کے اولین اجلاس کا انعقاد قادیان میں ہوا۔

۴ر فروری ۱۹۳۸ء اس روز حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے نوجوانان احمدیت کی اس تنظیم کو "مجلس خدام الاحمدیہ" کے نام سے موسوم فرمایا۔

۴ر فروری ۱۹۳۹ء صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس منتخب ہوئے۔

۲۵ر دسمبر ۱۹۳۹ء مسجد نور قادیان میں سب سے پہلا سالانہ اجتماع ہوا۔

۲۸ر دسمبر ۱۹۳۹ء حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنے دست مبارک سے لوائے احمدیت کے بعد لوائے خدام الاحمدیہ کے لہرانے کی رسم ادا فرمائی۔

۳۰۔۳۱ اکتوبر یکم نومبر ۴۹ء ربوہ میں سب سے پہلا سالانہ اجتماع منعقد ہوا۔

اکتوبر ۱۹۵۲ء رسالہ "خالد" کا اجراء عمل میں آیا۔

سید والا ضلع شیخوپورہ میں دریائے راوی کی ہلاکت آفرینی اور خدام الاحمدیہ ربوہ کی قابل قدر مساعی

(از مکرم جناب جمیل الرحمن صاحب رفیق - بی ایس سی)

"سید والا" ربوہ سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر ضلع شیخوپورہ میں واقع ہے۔ کسی وقت دریائے راوی اس مقام سے ایک میل کے فاصلے پر بہا کرتا تھا۔ مگر گذشتہ چند سالوں میں رخ تبدیل کرتا ہوا گاؤں کے اندر گھس آیا تھا۔ اور ہر سال متعدد انسانوں کو بے گھر کر رہا تھا۔ امسال تو اس قدر خطرناک حالت پیدا ہو گئی کہ دیکھتے دیکھتے قریباً سارا گاؤں اس کی لپیٹ میں آگیا۔ بس تھوڑا سا حصہ باقی رہ چکا تھا۔ دس ستمبر ۱۹۶۱ء کو سید والا کے امیر جماعت کی طرف سے محترم صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کو تار موصول ہوا کہ مسجد احمدیہ اس وقت دریا برد ہونے کے قریب ہے۔ اس لئے جلد کچھ خدام بھجوائیں تاکہ مسجد کو گرا کر اس کا ملبہ ڈیڑھ میل پرے "نواں سید والا" میں منتقل کر دیا جائے تاکہ وہاں دوبارہ مسجد تعمیر کی جا سکے۔ محترم مہتمم صاحب مقامی کی ہدایت کے مطابق خاکسار چوبیس خدام کو لے کر گیارہ تاریخ کو صبح دس بجے وہاں پہنچ گیا۔ مسجد کے شرقی جانب خدام قریباً ۳۰/۳۵ گز کے فاصلے پر راوی ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے سامنے کے گھروں کی دیواریں تڑپ تڑپ کر دریا میں غرق ہو رہی تھیں۔ ہمارے پاس کدالیں اور تغاریاں موجود تھیں لیکن ربوہ کی "مسجد محمود" کے برابر کی پختہ عمارت کو گرا کر اس کا ملبہ ڈیڑھ میل کے فاصلے پر پہنچا دینا ایک آدھ دن کا کام نہ تھا۔ ادھر دریا تھا۔ جو ہمیں ذرہ بھی مہلت دیئے بغیر بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ میں اسی ذہنی کشمکش میں تھا کہ اچانک بجلی کی طرح میرے دل میں ایک خیال کوند گیا۔ میں تمام خدام کو دریا کے عین کنارے پر لے گیا۔ میں نے تمام خدام کے سامنے ساری پوزیشن رکھی اور کہا کہ اگر ہم خدا سے اس وقت الحاح کے ساتھ دعا کریں کہ وہ ہمیں اتنی مہلت دے دے کہ ہم سارا ملبہ منتقل کر سکیں، تو خدا تو سب کچھ کر سکتا ہے۔ پھر میں نے نیر صاحب رضی اللہ عنہ کا واقعہ سنایا کہ آپ ایک دفعہ سمندر میں سفر کر رہے تھے کہ سمندر میں طوفان آگیا اور جہاز کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا۔ تمام مسافر سہم گئے تھے۔ مگر حضرت نیر صاحب رضی اللہ عنہ نے جہاز پر سے سمندر کو مخاطب کر کے کہا کہ:-

"اے سمندر کیا تجھے علم نہیں کہ اس جہاز میں مسیح کا حواری سوار ہے"

تو سمندر فوراً ساکن ہو گیا تھا ——— پس آؤ ہم سب مل کر آستانہ الوہیت پر گر جائیں۔ اور التجا کریں کہ اے خدا جس کے قبضہ قدرت میں ساری کائنات ہے ——— اگر تو چاہے تو اسی دم دریا ساکن ہو سکتا ہے۔ پس ہماری فریاد آج کے دن سن، اور دریا کو ٹھہرا دے۔ لیکن اگر بقیہ گاؤں کا بھی دریا برد ہو جانا تیرے ازلی علم میں ہے، اور یہی تیری مشیت ہے۔ تو اے خدا تو ہمیں اتنی مہلت تو دے دے کہ ہم مسجد کا قیمتی سامان محفوظ کر سکیں۔

خوب خشوع سے دعا ہوئی اسکے بعد محترم صدر صاحب کو تار دے دیا گیا کہ کم از کم دس خدام اور بھجوا دیئے جائیں۔ اور ساتھ ہی ہم چوبیس خدام نے بڑی سرعت کے ساتھ کام شروع کر دیا۔

خدام میں خدا تعالیٰ کے فضل سے کام کرنے کا بے پناہ جذبہ پیدا ہو چکا تھا۔ جلد ہی مسجد کی چار دیواری گرا کر خدام نے اس کا دروازہ اور اینٹیں غربی سڑک کے کنارے ڈھیر کرنی شروع کر دیں "نصیر گروپ" یہ کام کر رہا تھا۔ اور "فاروقی گروپ" مسجد کی چھت پر مصروفِ کار تھا۔ سورج فضا میں آتش باری کر رہا تھا۔ خدام پسینہ میں شرابور، سرتا پا خاک آلود بڑی جانفشانی سے کام کر رہے تھے۔ دو بجے کے قریب محترم صدر صاحب خدام الاحمدیہ مرکزیہ مکرم سید داؤد احمد صاحب جیپ پر وہاں تشریف لائے اور کام کا جائزہ لیا۔ آپ اپنے ہمراہ خدام کے لئے "دار الضیافت ربوہ" سے کھانا بھی لائے تھے۔ ایک گروپ کو کھانا کھانے کی اجازت دے دی گئی۔ اور دوسرا گروپ کام میں مصروف رہا۔ کچھ خدام کدالوں سے چھت کی مٹی ہٹا ہٹا کر ٹائیلیں ننگی کر رہے تھے اور باقی دوست ٹائیلیں اور کڑیاں اتارتے جا رہے تھے۔ اور یہ سب سامان ہاتھوں ہاتھ چھت سے نیچے پہنچ رہا تھا۔ جب پہلے گروپ کے بعد دوسرے گروپ نے بھی کھانا کھایا۔ اور پھر جب دونوں گروپ ایک ساتھ لگے تو جلد ہی مسجد کے غربی جانب شہتیروں، کڑیوں اور ٹائیلوں کا ڈھیر لگ گیا۔ اسی اثنا میں پانچ بج گئے اور خدام نے ایک ایک گروپ کر کے باجماعت نماز ظہر و عصر ادا کی۔

مسجد کا چھت اتار لینے کے بعد عمارت کے دروازے۔ کھڑکیاں اور الماریاں نکالنی مقصود تھیں۔ یہ کام خاصا مشکل تھا۔ کیونکہ اوپر سے دیواروں کو گراتے گراتے دروازوں تک پہنچنا تھا۔ اور مناسب حال سامان ہمارے پاس نہیں تھا، صرف کدالیں اور تغاریاں تھیں۔ باہر دو تین سریئے۔ پھر مسجد کی دیواریں بلا کی مضبوط تھیں۔ پرانے وقتوں کی چھوٹی چھوٹی اینٹیں ایک دوسرے پر مضبوطی سے جمی تھیں جن کا گرانا بہت وقت چاہتا تھا۔ اب شام ہوا چاہتی تھی۔ آج کے پروگرام میں صرف مسجد کے مینار گرانا باقی تھے۔ ایک مضبوط رسہ دائیں منارے کے نصف سے ذرا اوپر باندھ کر دوسرے سرے سے خدام نے جب مل کر پوری طاقت سے کھینچا تو مینار ایک جھٹکے کے ساتھ مسجد کے صحن میں آ رہا۔ اب سورج غروب ہو چکا تھا۔ اور اندھیرا چاروں طرف پھیل رہا تھا خدام نے نہایا دھویا۔ وضو کیا اور نماز مغرب وعشا باجماعت ادا کی۔ محترم صدر صاحب ابھی وہیں تھے۔ انہوں نے آتے ہی جیپ واپس ربوہ روانہ کر دی تھی۔ تاکہ کچھ مزید خدام آ جائیں۔ نمازیں ادا کرنے کے بعد خدام کھانا کھا رہے تھے کہ جیپ واپس آگئی اور ۸ خدام مزید مدد کے لئے آ گئے۔ اور محترم صدر صاحب رات نو بجے کے قریب اسی جیپ پر واپس ربوہ تشریف لے گئے۔ رات کے ڈیڑھ دو بجے "دھڑام دھڑام" کی خوفناک آواز گونجی۔ جس کی وجہ سے خدام جاگ پڑے۔ پہرہ دینے والے خدام نے بتایا کہ خطرہ کی لائن سے ذرا پہلے جو بلند کچی دیوار تھی وہ دریا میں گر گئی ہے اور اب دریا خطرہ کی لائن تک بالکل بالکل پہنچا چاہتا تھا۔ دریا اسی حالت میں تھا۔ لیکن خدا کے فضل سے بقیہ رات مزید آگے نہ بڑھا۔ ساڑھے چار بجے ایک خادم نے خوش الحانی سے نماز فجر کے لئے اذان کہی۔ سب خدام اٹھ بیٹھے۔ نماز کی تیاری کی اور پانچ بجے سب نے باجماعت نماز ادا کی۔ خاکسار نے قرآن کریم کا درس دیا۔ خدام نے زبانی کچھ نہ کچھ تلاوت کی اور اس کے بعد نیکریں اور لنگوٹے کس لئے — ایک خادم مکرم جلال صاحب ناشتہ تیار کرنے میں مصروف ہو گئے اور باقی خدام کام میں مشغول ہو گئے۔ "نصیر گروپ" عمارت کی دیواریں گرانے اور کھڑکیاں نکالنے میں مصروف تھا۔ اور "فاروقی گروپ" ملبہ اٹھا اٹھا کر سامنے والی کچی سڑک کے کنارے ڈھیر کرتا جا رہا تھا۔ رات کو گول بازار ربوہ کی طرف سے آٹھ مزید خدام پہنچ چکے تھے۔ اس گروپ کا انچارج عبد الغفور صاحب کو

مقرر کر دیا گیا۔ اور اس "غفور گروپ" کو مسجد سے ملحقہ حجرہ سے تمام سامان بہ حفاظت نکال لینے کے لئے مقرر کر دیا۔ اس حجرہ کی چھت پر ٹائیلوں کی جگہ سرکنڈا ڈالا گیا تھا۔ خدام نے جلد جلد اس کا چھت اکھیڑنا شروع کر دیا۔ مقامی جماعت کے تین چار احباب بھی ہمارے ساتھ بڑی جانفشانی سے کام کرتے رہے۔

ناشتہ تیار ہو گیا تو تینوں گروپوں نے باری باری ناشتہ کیا۔ دس بج چکے تھے اور مسجد کے ساتھ والے حجرہ کے شہتیر، کڑیاں، دروازہ اور کھڑکیاں، مضبوط جوان ہاتھوں نے سڑک کے کنارے لے جا کر ڈھیر کر دی تھیں۔ اس گروپ نے بہت ہی سرعت سے کام کیا۔ حجرہ کے بعد غفور گروپ نے مسجد کی اصل عمارت کے کام میں بھی نصیر گروپ کی مدد کی۔

اب گرانے کا کام ہم ختم کر چکے تھے۔ اور ملبہ "نواں سیدوالا" پہنچانے کے لئے ٹرک کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ محترم صدر صاحب نے ربوہ سے چلتے وقت بتایا تھا کہ وہ محترم محمد اقبال صاحب پراچہ آف سرگودھا بھیرہ بس کو تحریک کریں گے کہ وہ اس کار خیر کے لئے کوئی ٹرک مہیا کر دیں۔ مجھے ہر دم یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ معلوم نہیں ٹرک کا کوئی انتظام ہوا ہے یا نہیں ــــ پونے گیارہ بجنے کو آئے تھے۔ مگر ٹرک نہ پہنچا تھا۔ ان حالات میں سخت تشویش لاحق تھی۔ خدام کو دعائیں کرتے رہنے کی ہدایت کی۔ اور راجہ نصیر احمد صاحب کو جڑانوالہ جانے کے لئے کہا۔ تاکہ وہاں سے فون پر محترم صدر صاحب سے ٹرک کے بارہ میں بات کر لیں اور اگر انتظام نہ ہو سکا ہو۔ تو اجازت لے کر جڑانوالہ سے کوئی ٹرک کرائے پر لے آئیں۔ راجہ نصیر احمد صاحب روانہ ہو گئے۔ اور خدام نے مسجد سے لے کر سامنے کی کچی سڑک تک دو قطاریں بنالیں اور اینٹیں ہاتھوں ہاتھ گزرتی ہوئی سڑک کے کنارے ڈھیر ہونے لگیں۔ دس پندرہ منٹ بعد ہی راجہ نصیر صاحب بھاگتے ہوئے آرہے تھے۔ میں نے کہا کہ آپ ابھی تک یہیں پھر رہے ہیں۔ جانے کیوں نہیں۔ وقت ہمارے پاس بہت کم ہے! اور ساتھ ہی وہ ہانپتے ہوئے یہ فقرہ کہہ چکے تھے کہ محترم پراچہ صاحب کا ٹرک ربوہ سے دس مزید خدام کو لے کر بس سٹینڈ پر پہنچ گیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد ٹرک مسجد کے سامنے آرکا۔ سب خدام کے چہرے خوشی سے چمک اٹھے۔ گیارہ بج چکے تھے۔ نئے آنے والے "خالد گروپ" نے ابھی تک ناشتہ بھی نہ کیا تھا۔ جلال صاحب کو ان کا ناشتہ کا انتظام کرنے کے لئے کہا۔ اور باقی خدام نے دروازے کھڑکیاں الماریاں اور کڑیاں وغیرہ ٹرک میں بھرنی شروع کر دیں۔ ٹرک لادا جا چکا تو وہ نواں سیدوالا کی جانب رواں دواں تھا۔ خدام کا ایک گروپ بھی ٹرک خالی کرنے کے لئے ساتھ ہی بھجوا دیا گیا۔ باقی تین گروپ ادھر ہی تھے۔ جو کہ ٹرک کی واپسی تک اینٹیں اٹھا اٹھا کر سڑک کے کنارے جمع کرتے رہتے اور ٹرک واپس آنے پر لاد دیتے۔ خالد گروپ کے نبشیر احمد صاحب تو دوسرے خدام کی نسبت دو دو گنا اینٹیں اٹھا اٹھا کر انتہائی تیزی سے کام کر رہے تھے ــــ اس موقعہ پر میں دارالصدر شرقی ربوہ کے ایک طفل محمد اشرف کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ بچہ "خالد گروپ" کے ساتھ دوسرے دن سیدوالا آیا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ اس خدمت کے لئے اس نے بھی اپنا نام پیش کیا تھا۔ مگر محترم عبدالعزیز صاحب (مہتمم مقامی) نے اسے یہ کہا تھا کہ تم ابھی بہت چھوٹے ہو اس لئے میں تمہیں نہیں بھجوا سکتا۔ اس پر یہ بچہ اکڑ اکڑ کر اونچا ہو ہو کر کہتا تھا کہ میں چھوٹا کب ہوں، دیکھیں تو میں کتنا بڑا ہوں!! اس اخلاص کی وجہ سے آخر مہتمم صاحب نے مجبوراً اسے بھی یہاں بھجوا دیا تھا۔ یہاں آکر اس بچہ نے واقعی وہ کام کیا کہ بعض خدام کو بھی اس سے نمونہ حاصل کرنا چاہیئے۔ ہر چند کہ میں اسے کوئی ہلکا کام دیتا تھا مگر وہ دوسرے خدام کے دوش بدوش پورے جوش سے تغاریاں اٹھا اٹھا کر لے جاتا تھا۔ اس بچہ کا جذبہ بہت قابل قدر ہے۔ اور اس کے والدین بھی ایسی تربیت کرنے کی وجہ سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔

ہم اس وقت چالیس خدام تھے۔ کافی کام ہو چکا تھا۔ بقیہ کام کے لحاظ سے یہ تعداد زیادہ تھی اس لئے ساتھ خدام کو

دوپہر کے کھانے کے بعد واپس ربوہ بھجوا دیا گیا۔ راجہ نصیر احمد صاحب کو چوٹ لگ جانے کی وجہ سے ان خدام کے ساتھ ہی واپس روانہ کر دیا گیا۔ باقی خدام شام تک کبھی کبھار پندرہ بیس منٹ کے لئے سستا لینے کے سوا خوب کام کرتے رہے۔ حتیٰ کہ شام کا دھندلکا چھا گیا۔ سب خدام نے نہایا دھویا، جلال صاحب کھانا تیار کر لیتے تھے۔ سب نے مل کر کھانا کھایا۔ مغرب وعشاء کی نمازیں ادا کیں۔ اور خدام کو سو جانے کی اجازت دے دی گئی۔ خدام آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے اور رات کی تاریکی میں دریا آہستہ آہستہ خشکی پر فتح حاصل کرتا رہا ـــــ آیئے! اس وقفہ میں ہم آپ کو ساتھ والی سیدوالا کی دوسری مسجد تک لئے چلتے ہیں۔۔۔۔

یہ مسجد بھی پختہ اور خاصی بڑی ہے۔ اس کے اور ہماری مسجد کے درمیان صرف ایک گھر حائل ہے۔ جب ہم یہاں آئے تھے تو دریا دونوں مساجد سے برابر فاصلے پر تھا۔ اس وقت دریا کی لہریں ہماری مسجد سے ۸/۱ گز کے فاصلے پر شور مچا کر ہمیں مضطرب کر رہی تھیں مگر دوسری مسجد کی چار دیواری اور صحن کا کافی حصہ دریا کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ ہمارے آنے سے قبل ہی اس مسجد کا چھت اتارا جا چکا تھا۔ مگر باقی عمارت کے سامان کو محفوظ کرنے کے لئے وہاں کوئی آدمی موجود نہ تھا۔ خدام کی شاندار مساعی نے ان لوگوں کے دلوں میں بھی جوش پیدا کیا اور ان میں سے بھی چند آدمی آکر اپنی مسجد کو گرانے میں مشغول ہو گئے۔ ایک طرف تو یہ لوگ مصروف کار تھے۔ اور مشرقی جانب سے دریا کھیل رہا تھا۔ ان کے پاس چند گدھے اور ایک دو گڈے تھے۔ جن کے ذریعہ وہ کچھ نہ کچھ اینٹیں محفوظ کر رہے تھے۔ لیکن جب ہمارا ٹرک وہاں پہنچا تو ان کو بھی اپنے لئے ایک ٹرک مہیا کرنے کی طرف توجہ ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے جڑانوالہ سے ایک ٹرک کرایہ پر لیا اور اس سے کام شروع کر دیا۔ لیکن افسوس ہے کہ جلد ہی اس کا "ایکسل" ٹوٹ گیا۔ پھر بہت سوچ بچار کے بعد وہ ایک اور نیا ٹرک لائے۔ اس نے کچھ کام کیا۔ مگر خدا کی قدرت کہ اس کا "ایکسل" بھی جواب دے گیا۔ چنانچہ جب ہم آخری دن واپس لوٹے تو رستہ میں وہ ٹرک اینٹوں سے لدا خراب کھڑا تھا۔ ہماری خواہش تھی کہ جلد جلد اپنا کام ختم کر کے دوسری مسجد کے سلسلہ میں بھی کچھ مدد کریں مگر ہمارا اپنا کام تو ختم ہونے میں نہ آرہا تھا۔ دوسری مسجد کے مولوی صاحب اگلے دن میرے پاس تشریف لائے اور کدالوں وغیرہ کی امداد مانگی۔ میں نے تین کدالیں اور چار میں سے تین گینتیاں ان کو دے دیں اور وہ شکریہ ادا کر کے لے گئے۔ افسوس کہ جب ہم واپس لوٹے تو ان کی مسجد کی اصل عمارت کا بھی کچھ حصہ دریا برد ہو چکا تھا۔ اور اس جگہ دریا بہہ رہا تھا۔ ربوہ کے فوٹو گرافر محترم اختر صاحب نے وہاں کافی فوٹو لئے ان کو دیکھنے سے اس گاؤں کی حالت کا کسی قدر نقشہ معلوم کیا جا سکتا ہے ـــــ

رات بھر شوریدہ، تند و تیز لہریں بڑھتی رہیں۔ دو اڑھائی بجے اچانک گڑگڑاہٹ کے ساتھ ایک شور سا برپا ہوا۔ پہرہ کی ڈیوٹی والے خادم نے بتایا کہ ایک بڑی دیوار کے دریا برد ہونے کی وجہ سے یہ شور پیدا ہوا ہے۔ اور یہ کہ دریا خطرہ کی لائن پر قریباً آن پہنچا ہے۔ اس لئے خدام کو اب تو بہر حال یہاں سے اُٹھ جانا چاہیئے۔ میں نے اٹھ کر جائزہ لیا۔ خطرہ کی لائن سے دریا صرف دو فٹ کے فاصلہ پر تھا۔ یہ وہ موقعہ تھا کہ اب واقعی خدام کو پیچھے ہٹ جانا چاہیئے تھا۔ کیوں کہ دریا والی مسجد کی حدود سے تین گز کے فاصلے پر پہنچ چکا تھا۔ لیکن میں نے خدام کو دعاؤں پر زور دینے کے لئے توجہ دلائی اور عزم کے ساتھ یہ فیصلہ کیا۔ کہ اگر یہ ہماری حدود سے دریا صرف ایک انچ کے فاصلے پر بھی آجائے۔ تب بھی ہم یہاں سے نہیں ہلیں گے سوائے اس کے کہ وہ بالکل ہی ہم تک آپہنچے۔ اس پر خدام پھر لیٹ رہے اور پہرہ والے خدام بڑے چوکس ہو کر دریا کی نگرانی کرنے لگے۔ خدا خدا کر کے رات گذاری، نماز فجر درس اور تلاوت کے بعد خدام پھر مصروف عمل ہو گئے۔ اینٹیں ٹرک پر لدلد کر جا رہی تھیں دریا کا شور اسی طرح جاری تھا۔ لیکن بارہ بجے کے قریب جب ہم نے دریا کی طرف دیکھا تو خدا تعالیٰ کی نصرت کا عجیب نشان نظر آیا

اگرچہ دریا اسی قدر جوش سے بہہ رہا تھا۔ مگر ہماری مسجد کے سامنے سے زور غیر معمولی طور پر ٹوٹ چکا تھا۔ کچھ کچھ وقفہ کے بعد لہریں اٹھتی تو تھیں۔ مگر جلد ہی تحلیل ہوجاتی تھیں۔ اس وقت ہم سب نے خدا کا بہت شکر ادا کیا۔

۱۳ ستمبر کو چار بجے تک ہم تمام کام ختم کر چکے تھے۔ اور مسجد کا قیمتی سامان نواں سید والا میں منتقل کر چکے تھے۔ اس لئے خدام کو واپسی کے لئے تیاری کی اجازت دے دی گئی۔ خدام نہا دھو کر جمع ہوگئے۔

بشیر احمد صاحب قادیانی نے بڑی رقت سے تلاوت قرآن مجید کی۔ اور بعد میں خاکسار نے خدام سے خطاب کیا۔ خدام کی کامیاب مساعی پر ان کو مبارکباد دی اور خدا تعالیٰ کی خاص نصرت کا ذکر کیا۔ اس تقریب میں گاؤں کی بعض غیراز جماعت دوست اور خاص طور پر گاؤں کے نمبردار صاحب بھی موجود تھے۔ یہاں پر یہ ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کے فضل سے خدام کی مساعی کا گاؤں والوں پر بہت گہرا اثر تھا۔ اور وہ ہماری شاندار تنظیم کو دیکھ دیکھ کر رشک کرتے تھے۔ چنانچہ گاؤں کے نمبردار نے خاص طور پر مجھے کہا۔ کہ "دعا کریں کہ سارے مسلمان ہی اس طرح بن جائیں"۔

پھر آخری دن ہی کی بات ہے کہ وہاں کے ایک بڑے رئیس میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میرے پاس ایک گڈہ ہے۔ میں اسے اس خدمت کے لئے پیش کرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ ہمارے پاس ٹرک موجود ہے اس لئے ہمیں گڈے کی ضرورت نہیں کیونکہ جس عرصہ میں ٹرک اینٹیں چھوڑ کر واپس آتا ہے۔ اس وقت تک ہم صرف اس قدر اینٹیں مسجد سے سڑک تک لاسکتے ہیں جو ٹرک پر لاد دی جاتی ہیں۔ اس لئے ہمیں گڈے وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ ویسے آپ کا شکریہ ہم یہی سمجھتے ہیں کہ آپ کی طرف سے ہمیں مدد پہنچ گئی۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ مجھے ثواب سے تو محروم نہ کریں آپ کم از کم یوں تو نہ کریں۔ کہ میرے گڈے پر اپنی مسجد کی صرف ایک ہی اینٹ لاد کر لے جائیں۔ میری طرف سے یہ ہدیہ ضرور قبول کریں۔ خاکسار نے انہیں جزاکم اللہ کہا اور کہا میں آپ کے اس جذبے کی قدر کرتا ہوں۔

بہرحال خدام سے الوداعی خطاب کے بعد ہم سب نے ہاتھ اٹھا کر اجتماعی طور پر دعا کی جس میں خاص طور پر خدا تعالےٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے محض اپنے فضل اور رحم سے ہماری نصرت فرمائی۔ دعا کے بعد سب خدام ٹرک میں بیٹھ گئے۔ اور بالآخر تین دن باہر رہنے کے بعد ہم سب رَبِّ ادخلنی مدخل صدق ..... کی دعا پڑھتے ہوئے ربوہ کی حدود میں داخل ہوگئے ÷

خدمتِ خلق کا ایک طریق

"میں تمہیں (خدمت خلق) کا چھوٹا سا طریق بتاتا ہوں۔ اگر تم میں جوش پایا جاتا ہے کہ تم ملک اور قوم کے مفید وجود بنو۔ ..... وہ ذریعہ جو میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ تم ارادہ اور عزم کرلو کہ تم میں سے ہر ایک نے اس سال کسی ایک شخص کو تجارت پر لگانا ہے۔ چاہے وہ تمہارے رشتہ داروں میں سے یا کوئی غیر ہو۔ اسی طرح ہر صناع یہ عہد کرے کہ اس نے اس سال کسی نہ شخص کو اپنا کام سکھانا ہے۔ ایک سال میں وہ شخص ماہر کاریگر تو نہیں بن سکتا لیکن اگر وہ کام میں لگ جائے گا۔ تو اگلے سال مہارت حاصل کریگا لوہار کسی ایک شخص کو لوہارے کا کام سکھادے معمار کسی ایک شخص کو معماری کا کام سکھادے۔ ترکھان کسی ایک شخص کو ترکھانے کا کام سکھادے۔ موچی کسی ایک شخص کو موچی کا کام سکھادے اسی طرح دوسرے لوگ اپنے اپنے فن ایک ایک شخص کو سکھادیں۔ ..... اگر تم اس کام کو شروع کردو تو دو چار سال میں تم دیکھو گے کہ اس طریق پر عمل کرکے تم مذہب ملک اور قوم کیلئے نہایت مفید ثابت ہوسکو گے"۔

(از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ تعالیٰ)

رپورٹ تربیتی کلاس سیالکوٹ شہر

(از جناب بشیر احمد صاحب نائب قائد سیالکوٹ)

پیشتر ازیں ہمارے ہاں متواتر چار سال سے کلاسوں کا انعقاد ہوتا رہا ہے۔ مگر اس دفعہ گوجرانوالہ میں علاقائی اجتماع ہوا۔ جس سے ہمارے عہدیداران اور خدام بھی بہت متاثر ہوئے۔ ہمارے ہاں سے جو بھی نوجوان اس اجتماع میں شریک ہوا۔ وہ نئے عزم کے ساتھ واپس آیا۔ اور اپنے اپنے حلقوں اور ماحول میں اس اجتماع کا اچھے رنگ میں ذکر کیا ——— چنانچہ جب فیصلہ سب سے پہلے ہم نے شہر کی تربیتی کلاس بلانے کا پروگرام مرتب کیا اور اس کے لئے وقت تھوڑا سا تھوڑا رکھا گیا۔ یہ کلاس ۵/۹/۶۱ سے ۹/۹/۶۱ تک منعقد رہی۔ اور وقت نماز مغرب تا عشاء تک تھا جس کا مفصل پروگرام ایک اشتہار کی شکل میں شائع کر دیا تھا۔

تربیتی کلاس کے جملہ انتظامات اور حاضری کو مکمل رکھنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے اراکین حسب ذیل تھے

۱۔ سعید احمد صاحب حاجی پورہ	زعیم حلقہ حاجی پورہ	گروپ لیڈر
۲۔ نصیر احمد صاحب ناصر	زعیم حلقہ مرکزیہ	
۳۔ خلیفہ عبدالعزیز صاحب	” واٹر ورکس	
۴۔ نذیر احمد صاحب	نائب زعیم حلقہ اراضی یعقوب	
۵۔ خالد احمد صاحب ورک	معتمد ضلع سیالکوٹ	

مجلس عاملہ نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ کہ مندرجہ بالا کمیٹی اس بات کی ذمہ دار ہوگی۔ کہ وہ خیال رکھے کہ حاضری ہر لحاظ سے تسلی بخش ہو۔ اور ان تمام سہولتوں کو مدنظر رکھا جائے۔ جن کے ہوتے ہوئے ہم اپنی تربیتی کلاس کے کام کو بطریق احسن چلا سکیں۔ چنانچہ بفضلہ سعید احمد صاحب حاجی پورہ کے ساتھ دوسرے اراکین نے مل کر جو کام کیا اس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ ہمارے معتمد ناصر احمد صاحب نے پوری نگرانی رکھی۔ عہدیداروں کو مل کر ان کی توجہ کو اس طرف مبذول کرایا کہ وہ خود بھی تشریف لاویں۔ اور اپنے ساتھ اپنے بھائیوں کو بھی لے کر آئیں ــ ہمارے معتمد صاحب نے کلاس کو کامیاب بنانے کے لئے بعد شام ایک کئے رکھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی جزائے خیر عطا فرمائے لیکن ان تمام کوششوں کے نتیجہ میں اس دفعہ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض ایسے حضرات جو کہ اکثر ان اجلاسوں میں شریک نہیں ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے بھی اس دفعہ ہر لحاظ سے عملی رنگ میں تعاون کیا ہے۔

اس موقع پر یہ لکھنا بھی ضروری خیال کرتا ہوں کہ ہمارے بزرگوں نے بھی ہر لحاظ سے تعاون فرمایا ہے ــ جہاں انہوں نے خود بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ وہاں انہوں نے اپنے بچوں کو بھی جامع مسجد میں نماز مغرب ادا کرنے پہ مجبور کیا۔ اور اس طرح ہمارے اجلاسوں میں راہ نمائی فرماتے ہوئے انہوں نے ہماری حوصلہ افزائی فرمائی ہے ــ

اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

لجنہ نے بھی ہمارے اجلاسوں میں شامل ہو کر ہمارے ساتھ تعاون کیا ہے۔ ان کے آنے سے ہمارے اطفال بھی باقاعدہ آتے رہے۔ اور اس طرح جہاں ہماری بہنوں نے یہ دینی اور روحانی سبق سیکھ کر استفادہ حاصل کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے بچے بھی بہت مستفیض ہوئے ہیں۔ چنانچہ لجنہ اماء اللہ نے ہمارے ساتھ جس محبت اور اخلاص کے ساتھ تعاون فرمایا ہے۔ وہ ہمارے لئے باعث نمونہ ہے۔ روزانہ مسجد کے شرقی حصہ میں مستورات کافی تعداد میں شامل ہوتی رہیں۔ جزاکم اللہ الجزاء۔ مرکز کی طرف سے مندرجہ ذیل علماء تشریف لائے۔

۱۔ مکرم گیانی واحد حسین صاحب مبلغ سلسلہ ۲۔ مکرم مولوی دوست محمد صاحب شاہد۔

۳۔ مکرم مولوی بشیر احمد صاحب قمر۔ مربی بدوملہی۔

اس کے علاوہ ہمارے مربی سلسلہ سیالکوٹ چوہدری نصیر احمد صاحب ناصر۔ ہمارے بزرگ سید امجد علی شاہ صاحب خواجہ حمید احمد صاحب اسلم قائد مجلس۔ بشیر احمد صاحب امتیاز۔ ناظم اصلاح و ارشاد۔ عبدالرزاق انسپکٹر بیت المال۔ خالد سیف اللہ صاحب ایس ڈی۔ او۔ نے الگ الگ موضوع پر عمدہ تقاریر فرمائیں۔

عبدالرزاق صاحب انسپکٹر بیت المال نے دو دن درس حدیث دیا۔ جس میں حدیث کے بارہ میں مفہوم کو نوجوانوں کے ذہن نشین کرایا۔ مکرم جناب گیانی واحد حسین صاحب ہمارے ہاں تین دن مقیم رہے۔ ان کا موضوع عیسائیت اور اسلام تھا۔ گیانی صاحب نے عیسائیت اور اسلام کے بارہ میں نہایت ہی واضح رنگ اور مخصوص انداز میں تبلایا کہ اس وقت جو انجیلوں میں لکھا موجود ہے۔ ان میں بے شمار تحریف و تبدل کیا گیا ہے۔ نمونہ کے طور پر انہوں نے اپنے پاس موجودہ اناجیل سے حوالہ جات پیش کئے۔ گیانی صاحب نے کسر صلیب کے بارہ میں اپنی زبردست مثالوں سے ثابت کیا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسر صلیب کس شان سے کی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تشریف لانے سے ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی نہایت ہی واضح رنگ میں پوری ہوئی۔ گیانی صاحب کی پُر اثر اور زوردار تقاریر کے موقع پر غیر از جماعت دوستوں کے علاوہ بعض پادری صاحبان بھی تشریف لائے۔

مکرم سید امجد علی شاہ صاحب نے خدام الاحمدیہ کی ذمہ داریاں پر تقریر فرمائی۔ آپ نے نہایت ہی دردبھرے دل سے احباب جماعت سے اپیل کی کہ آپس میں محبت اور اخوت کا جذبہ پیدا کرنا چاہیئے۔ اور دینی کاموں کو دنیاوی کاموں پر ہر لحاظ سے فوقیت دینی چاہیئے۔ نوجوانوں کو نماز باجماعت کی طرف بھی انہوں نے توجہ دلائی۔ شاہ صاحب کی تقریر میں سوز تھا جس کی وجہ سے سامعین پر نہایت ہی گہرا اثر ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان نصائح پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین

ہمارے ایک نوجوان خالد سیف اللہ صاحب نے حیات اخروی پر نہایت ہی دلچسپ اور اچھوتے انداز میں تقریر فرمائی۔ ہمارے جواں ہمت مولانا مولوی دوست محمد صاحب شاہد نے "تاریخ احمدیت" نیز "ہندو پاکستان کی مذہبی تحریکیں" کے موضوع پر بڑی پُر اثر تقریریں متواتر تین دن کیں۔ شاہد صاحب موصوف کی تقاریر کو ہماری جماعت نے پہلی دفعہ اپنے کانوں سے سُنا۔ ایک دبلے پتلے انسان نے جس رنگ میں عالمانہ تقاریر فرمائیں ہیں۔ وہ ہم پر ایک گہرا اثر چھوڑ گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مولوی صاحب موصوف نے ہمارے ہاں تین روز قیام فرمایا۔ اور ان کے تمام لیکچر اپنے اندر ایک نیا رنگ لئے ہوئے تھے۔ سوز بیاں نرالا تھا۔ جس سے حاضرین اور غیر از جماعت احباب نے بہت اچھا اثر قبول کیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو

اس سے بھی زیادہ خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ہمارے ناظم اصلاح وارشاد چوہدری بشیر احمد صاحب امتیاز نے ذکر حبیب کے موضوع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالات احباب جماعت کے سامنے رکھے۔ ان ایمان افروز گذرے ہوئے حالات کو احباب جماعت نے توجہ سے سُنا

ہمارے مربی بدوملہوی چوہدری بشیر احمد صاحب قمر نے باقاعدہ ہر روز درس حدیث دیا۔ انہوں نے حدیث کے مفہوم کو تمام نوجوانوں میں ذہن نشین کروانے کی پوری کوشش کی۔ آخری دن مولوی صاحب موصوف نے نماز باجماعت کے متعلق حدیث کی روشنی میں نوجوانوں کو توجہ دلائی اور فرمایا کہ اگر ہم نماز باجماعت کی پابندی کرلیں۔ تو ہم اپنے جمود کو توڑ سکتے ہیں۔ اور قوم کی اصلاح کر سکتے ہیں ـــــ اس کے علاوہ ہمارے مقامی مربی نصیر احمد صاحب ناصر نے "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام حضرت مسیح موعود کی نظر میں" کے عنوان پر ایک نہایت ہی برجستہ تقریر فرمائی۔

اس اجلاس میں ہمارے اطفال نے بھی نمایاں حصہ لیا اور ہمارے نئے ناظم صاحب اطفال مبشر احمد صاحب نے تمام اطفال کو اس تربیتی کلاس سے پوری طرح مستفیض کروایا۔ اور یہ امر قابل ذکر ہے کہ ان اجلاسوں میں اطفال کی حاضری ۷۵٪ فیصد رہی۔ ہمارے ناظم صاحب اطفال جس طریق سے کام کر رہے ہیں۔ اگر انہوں نے دوام رکھا تو امید ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اچھے نتائج پیدا کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

ہمارے امیر صاحب جماعت نے بھی ہماری کوشش کو دیکھتے ہوئے ہمارے کام کو سراہا۔ اور بزرگوں کو ترغیب دی کہ وہ ان کے لئے دعا فرمادیں۔ تا مستقبل قریب میں ہمارے بچوں پر جو قومی بوجھ پڑنے والا ہے۔ اپنی قوم کے معمار ثابت ہوں۔ آخری روز بھی ۹/۱۱ بروز جمعہ بوقت ۵ بجے شام عصرانہ دیا گیا۔ اس میں تمام عہدیداران جماعت کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس کو ایک اجلاس کی صورت دی گئی۔ جس میں ہمارے قائد صاحب نے ان مشکلات کا ذکر کیا جو وقتاً فوقتاً ہمیں درپیش آتی ہیں۔ اور بزرگوں سے درخواست کی کہ وہ ہمارے لئے دعا فرمائیں۔ قائد صاحب کے بعد ہمارے ناظم اصلاح وارشاد نے ایک رپورٹ پیش کی۔ جس میں گذشتہ کام کے پیش نظر اس تربیتی کلاس کے بارہ میں موازنہ کیا گیا تھا۔ اور اعداد و شمار سے ثابت کیا کہ ہماری مجلس کا قدم بفضلہ آگے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اور اگر مستقبل میں بھی ایسا رہا۔ تو نتائج انشاء اللہ شاندار پیدا ہو سکتے ہیں۔

اس کے بعد صاحب صدر جناب بابو قاسم الدین صاحب امیر جماعت سیالکوٹ نے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ میں نوجوانوں کے اس کام سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ اور آپ سب کو مبارک باد دیتا ہوں۔ ہماری تمام نیک دعائیں آپ لوگوں کے ساتھ ہیں ✦ آمین۔

دعائیں، ذکرِ الٰہی، سچ کی عادت اور محنت وہ ذرائع ہیں جن سے تم کامیاب ہو سکتے ہو

"مجلس خدام الاحمدیہ کو قائم کرنے کی غرض یہی تھی کہ نوجوان دین میں ترقی کریں۔ اور اس قابل ہو جائیں کہ انہیں عزت دی جائے ... بعض ایسی دیواریں قائم ہو گئی ہیں کہ اب سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں توڑ نہیں سکتا...... اس کی یہی صورت ہے کہ تم دعائیں کرو۔ تہجد پڑھو۔ اور ذکر الٰہی کرو۔ یہی ذرائع ہیں جن سے یہ دیواریں ٹوٹ سکتی ہیں۔ اور کامیابی ہو سکتی ہے۔

(سالانہ اجتماع ۱۹۵۷ء پر حضرت المصلح الموعود کا ارشاد)

الفضل ۱۹ نومبر

رپورٹ سالانہ اجتماع مجالس پشاور ڈویژن

(از جناب عبدالخالق صاحب ناظم اجتماع پشاور)

جیسا کہ قبل ازیں دفتر مرکزیہ کو بذریعہ پروگرام مطلع کیا گیا۔ مجالس پشاور ڈویژن کا پہلا ڈویژنل اجتماع مورخہ ۹ تا ۱۱ ستمبر ۱۹۶۱ء مسجد احمدیہ سول کوارٹرز پشاور چھاؤنی میں منعقد ہوا۔ اجتماع کے انعقاد سے پیشتر مندرجہ ذیل خدام پر مشتمل مجلس انتظامیہ کی تشکیل کی گئی۔

۱۔ ناظم اجتماع ۔ چوہدری عبدالخالق صاحب
۲۔ ناظم طعام و قیام ۔ نصیر احمد صاحب و حبیب الرحمان صاحب
۳۔ ناظم استقبال محمد رشید صاحب
۴۔ ناظم نشرواشاعت محمد حسین صاحب تشنہ
۵۔ ناظم طبی امداد ڈاکٹر بشیر احمد صاحب
۶ ناظم فوٹوگرافی محمود احمد صاحب

مجلس انتظامیہ نے تمام تر انتظام برائے انعقادِ اجتماع معین تاریخ سے پہلے بطریق احسن مکمل کر لئے۔ بمطابق پروگرام خدام کا داخلہ چار بجے شام ۹ ستمبر ۱۹۶۱ء عمل میں آیا۔ نمازِ عصر کے بعد افتتاح اجتماع ہوا۔ تلاوت قرآن پاک مکرم نصیر احمد صاحب نے کی۔ بعد ازاں مکرم محمود احمد بشیر صاحب نے نظم پڑھی۔ اس کے بعد قائد علاقائی محمد سعید احمد صاحب نے افتتاحی تقریر کرتے ہوئے خدام کو اجتماع کی اہمیت سے روشناس کرایا۔ اس کے بعد مولانا چراغ الدین صاحب فاضل نے تربیتِ اولاد کے موضوع پر تقریر کی۔

اجتماع میں مقامی خدام کے علاوہ مندرجہ ذیل مجالس کے خدام نے شمولیت کی

مجالس ڈویژن	تعداد خدام	بیرون مجالس	تعداد
امان گڑھ	۶	راولپنڈی	۷
شیخ محمدی	۱		
نوشہرہ	۸		
کوہاٹ	۳		
مردان	۱۲		

افتتاح کے لئے پشاور ضلع کے امیر خان شمس الدین خانصاحب و دیگر انصار اللہ کو بھی دعوت دی گئی ——

راولپنڈی کے ڈویژنل قائد صوفی رحیم بخش صاحب نے بھی شرکت فرمائی اور پورے انہماک کے ساتھ حصہ لیا۔ ہر دو روز

تہجد کی نماز کا باقاعدہ انتظام کیا گیا۔ جس میں تمام خدام شامل ہی رہے۔ امامت کے فرائض مربی سلسلہ جناب محمد اجمل صاحب ادا کرتے رہے۔ تہجد سے لے کر نماز عشاء تک پروگرام کے مطابق باقاعدہ عمل ہوتا رہا۔ خدام نے اعلیٰ نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا مسجد احمدیہ کے ملحقہ گراؤنڈ میں کھیلوں کا انتظام تھا۔ جو بہت دلچسپ رہا۔

قیام وطعام:۔ مجلس مقامی کی طرف سے قیام وطعام کا انتظام کیا گیا۔ بیرون مجالس کے مہمانان خاص کے لئے قیام گاہوں کا انتظام سول کوارٹرز میں کیا گیا۔

حاضری:۔ اجتماع کے دوران اوسطاً حاضری ۱۱۵ رہی۔

متفرق:۔ اجتماع کے دوران تقاریر اور کھیلوں کے مقابلہ جات کے وقت فوٹو کئے گئے۔ کھیلوں اور علمی مقابلہ جات میں اول اور دوم آنے والے خدام کو اجتماع کے آخر میں انعامات دیئے گئے۔

اختتام:۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۶۱ء شام چار بجے اختتامی تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں کھیلوں اور انعامی مقابلہ جات میں اوّل اور دوم آنے والوں خدام کو انعامات دیئے گئے۔ الوداعی تقریب میں خدام سے خطاب فرماتے ہوئے قائد صاحب محترم نے فرمایا کہ جماعت احمدیہ اور مجلس کے نصب العین اور اس کے حصول کے لئے خدام کے کردار کو واضح کیا اور بیرونی خدام کا شکریہ ادا کیا۔ اور انہیں واپس جاکر اپنی مجالس میں بیداری پیدا کرنے کی تلقین کی۔ بعد دعا اجتماع اختتام پذیر ہوا۔

حضرت نواب محمد عبداللہ خانصاحبؓ کے انتقال پر

مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی قرارداد تعزیت

"مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا یہ اجلاس حضرت نواب محمد عبداللہ خانصاحب رضی اللہ عنہ کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے ـــــ آپ کی ذات ستودہ صفات کی کمی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے لئے ایک بہت بڑا نقصان ہے۔ ناظر اعلیٰ کی حیثیت سے تقسیم ملک کے ہنگامی دور میں جس محنت خلوص اور عمدگی سے کام کو سنبھالا تھا وہ آپ کا ہی حصہ تھا۔ اسی طرح اپنے اخلاص۔ تقویٰ۔ ہمدردی بنی نوع انسان کی وجہ سے جماعت احمدیہ کے علاوہ غیراز جماعت احباب میں بھی مقبول تھے۔ اس کے علاوہ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جسمانی رشتہ داری کا تعلق جماعت میں آپ کے احترام کے مقام کو اور بھی بلند کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی قربانیوں اور اخلاص کو قبول فرمائے اور اپنے قرب میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آپ کے درجات بلند سے بلند فرماتا رہے۔ اور آپ کے پسماندگان خصوصاً آپ کی حرم کو صبر عطا فرمائے۔ اور جو خدمات آپکی بیماری کے دنوں میں انہوں نے انجام دی ہیں۔ انہیں قبول فرمائے۔ اور آپ کی اولاد اور لواحقین کو بھی اپنی رضا پر راضی رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(معتمد خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

رپورٹ کارگذاری اٹھ روزہ تربیتی کلاس خدام الاحمدیہ لائلپور

(از جناب بشیر احمد صاحب شاہد معتمد مجلس خدام الاحمدیہ لائل پور)

مجلس خدام الاحمدیہ لائل پور کی دوسری سالانہ تربیتی کلاس کا انعقاد مورخہ ۱۱۔ اگست کو نہایت شاندار طور پر ہوا اور یہ محض خدا تعالےٰ کا ایک خاص فضل اور احسان ہے کہ باوجود ہماری بہت سی کمزوریوں اور مسکینیوں کے اس نے ہمیں ایک غیر معمولی ہمت اور توفیق وافر عطا فرمائی کہ گذشتہ سال کی نسبت اس مرتبہ ہم ایک بہت بڑا پروگرام لے کر اُٹھے۔ اور پھر اسے عملی جامہ پہنانے کے قابل بھی ہوئے۔ اور یہ خدا تعالیٰ کی نصرت کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

گذشتہ سال ہماری تربیتی کلاس میں صرف مقامی خدام ہی شریک ہوئے تھے۔ مگر امسال مجلس خدام الاحمدیہ لائلپور نے اپنے ضلع کی تمام مجالس کو بھی مدعو کیا۔ بلکہ جھنگ۔ سرگودھا اور ربوہ کی مجالس کو بھی اپنا اپنا نمائندہ بھجوانے کے لئے لکھا گیا۔

چنانچہ ضلع لائلپور کی مجالس کی طرف سے ۲۸ خدام۔ ربوہ کی طرف سے ۴ خدام اور مقامی حلقہ جات کی طرف سے ۸ خدام نے باقاعدہ طور پر تربیتی کلاس میں شمولیت کی۔ اس کے علاوہ تربیتی اجلاسات میں مقامی خدام کی حاضری کی حاضری کی اوسط ۱۲۰ خدام رہی۔ جو کہ ایک مقامی مجلس کی کارکردگی کے لحاظ سے یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ جب کہ دوسری بڑی بڑی مجالس تربیتی کلاسیں منعقد کرتی ہیں۔ تو ان کے ساتھ ڈویژن کی مجالس کا تعاون بھی ہوتا ہے۔

گذشتہ سال ہماری مجلس نے صرف ایک محدود وقت کے لئے تربیتی کلاس کا اجراء کیا گیا۔ مگر امسال ہماری مجلس نے دو علیحدہ علیحدہ تربیتی کلاس اور تربیتی اجلاس کے پروگرام کو ترتیب دیا۔ جو کہ اس لحاظ سے بھی ہماری یہ تربیتی کلاس نمایاں خصوصیات کی حامل ہے۔

مورخہ ۱۱ اگست بعد از نماز جمعتہ المبارک ہماری تربیتی کلاس کا افتتاح جناب مکرم و محترم شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ امیر ضلع و شہر نے فرمایا۔ تلاوت اور نظم کے بعد آپ نے اپنی جامع مگر مختصر سی افتتاحی تقریر میں فرمایا۔ کہ جس مقصد کے لئے آپ آج یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اس کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں۔ جو تقاریر اور لیکچر آپ سنیں۔ ان کے باقاعدہ نوٹ وغیرہ لیں۔ اور پھر اپنی اپنی مجالس میں جا کر اسے دوسروں تک بھی پہنچائیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہمارے ایسے اجتماعات کوئی دنیوی اجتماعات نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ دینی تعلیمات کو اپنے اندر جذب کرنے کا ایک سنہری موقعہ ہوتا ہے۔ اس لئے ایسے اہم موقعوں سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ اور یہی وہ ذرائع ہوتے ہیں۔ جن میں انسان شمولیت کر کے اپنے آپ کو صحیح معنوں میں دین کے رنگ میں رنگ لیتا ہے۔ جتنا وقت آپ کا تربیتی کلاسوں اور اجلاسوں میں صرف ہو آپ اس سے پوری طرح فائدہ اٹھائیں۔ اور باقی وقت میں ذکرِ الٰہی کرتے رہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اس وقت

زمانہ اس قدر خطرناک اور ناپاک ماحول سے گذر رہا ہے۔ کہ ہمیں ہر لمحہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہنا چاہیئے۔ اور ہر جگہ ایسی تربیتی کلاسوں کا انعقاد کرنا چاہیئے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ ہم کسی وقت بھی فارغ رہ کر اس گندے ماحول میں بہہ جائیں۔ خدا تعالےٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ دین کے سچے ہمدرد خادم بنیں۔ آمین اللھم آمین۔

اس کے بعد آپ نے اجتماعی دعا فرمائی۔ اور اپنی بیماری کے باعث اپنی جگہ مکرم و محترم چوہدری غلام دستگیر صاحب نائب امیر کو ارشاد فرمایا کہ آپ میری جگہ آکر صدارت کے فرائض سرانجام دیں۔ اور اس کے بعد ہماری تربیتی کلاس اور اجلاس کے پروگرام کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مورخہ ۱۱ اگست سے ۱۷ اگست تک روزانہ بعد از نماز مغرب ہمارے تربیتی اجلاسات منعقد ہوئے۔ جن میں مندرجہ ذیل علماء سلسلہ نے مختلف موضوعات پر ایمان افروز اور علمی تقاریر فرمائیں۔

۱۔ جناب مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل جالندھری۔
۲۔ جناب مکرم پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔ اے۔
۳۔ جناب مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمس سابق امام مسجد لنڈن۔
۴۔ جناب مکرم شیخ عبدالقادر صاحب مربی سلسلہ لاہور۔
۵۔ جناب مکرم سید احمد علی شاہ صاحب مربی سلسلہ لائل پور
۶۔ جناب مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ امیر ضلع و شہر لائلپور۔

اور مورخہ ۱۲۔ اگست سے ۱۸ اگست تک تربیتی کلاسیں منعقد ہوتی رہیں۔ جن میں جناب محترم سید احمد علی شاہ صاحب اور جناب مکرم مولوی عبدالعزیز صاحب صادق بنگالی نہایت شفقت سے مندرجہ ذیل پروگرام کے مطابق نصاب مجوزہ پڑھاتے رہے۔

۱۔ نماز تہجد باجماعت ۳½ بجے صبح (مکرم مولوی عبدالعزیز صاحب صادق مربی سلسلہ)
۲۔ درس قرآن پاک ۵ بجے تا ۵½ بجے صبح (مکرم سید احمد علی شاہ صاحب مربی سلسلہ)
۳۔ درس حدیث ۵½ بجے تا ۶ بجے صبح (مکرم مولوی عبدالعزیز صاحب صادق مربی سلسلہ)
۴۔ تعلیم نصاب مجوزہ ۸ بجے تا ۱۱ بجے صبح (مکرم سید احمد علی شاہ صاحب مربی سلسلہ)
۵۔ دینی معلومات و مسائل ۲ بجے بعد دوپہر تا ۲½ بجے

ٹیپ ریکارڈ تقاریر:۔ ہماری اس تربیتی کلاس میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی تقریر "تعلق باللہ" :۔ اور حضرت میاں بشیر احمد صاحب ایم اے مدظلہ العالی کی تقریر "دُرِّ منثور" :۔ کا ٹیپ ریکارڈ بھی سنایا گیا۔ جسے سن کر احباب جماعت بہت محظوظ ہوئے۔

صدر مجلس خدام الاحمدیہ کی آمد:۔ ہماری اس تربیتی کلاس کے آخری روز جناب محترم سید میر داؤد احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ تشریف لائے۔ مجلس کی طرف سے شہر سے چار میل دور جا کر جناب محترم صدر مجلس کا استقبال کیا گیا۔ اور لائلپور پہنچنے پر ان کی خدمت میں مجلس کی طرف سے دوپہر کا کھانا پیش کیا گیا۔

تقسیم انعامات و اسناد و الوداعی خطاب

نماز جمعۃ المبارک کے بعد ہمارے آخری اجلاس کی کارروائی زیر صدارت مکرمی و محترمی شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ امیر ضلع و شہر انعقاد پذیر ہوئی۔ تلاوت قرآن مجید اور نظم کے بعد خاکسار کی طرف سے سعید احمد خان صاحب نے آٹھ روزہ تربیتی کلاس کی رپورٹ کارگذاری جناب مکرم سید میر داؤد احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی خدمت میں پڑھ کر سنائی۔

اور اس کے بعد جناب محترم صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے تربیتی کلاس کے امتحان میں اول۔ دوم اور سوئم آنے والے خدام میں انعامات و اسناد تقسیم فرمائیں۔ نیز اس موقعہ پر مقامی مجلس کے ان خدام کو بھی انعامات تقسیم کئے گئے جنہوں نے سال بھر مجلس کے کاموں میں نمایاں حصہ لیا تھا۔

اس کے بعد جناب محترم صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے خدام کو الوداعی خطاب سے نوازا۔ اور خدام کو زریں نصائح فرمائیں۔ بعد ازاں جناب مکرم امیر صاحب ضلع و شہر نے اپنی اور مجلس خدام الاحمدیہ لائلپور کی طرف سے مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا شکریہ ادا کیا۔ اور دعا کے بعد ہماری آٹھ روزہ تربیتی کلاس اختتام پذیر ہوئی۔

آخر میں۔ میں اپنی اور اپنی مجلس کی طرف سے تمام ان علماء سلسلہ و مربیان سلسلہ اور دیگر مقررین جماعت کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے ہمیں مفید معلومات بہم پہنچائیں۔ اور زریں نصائح سے نوازا۔ اسی طرح تمام ان مجالس کے قائدین کا بھی بے حد مشکور ہوں۔ جنہوں نے اپنا اپنا نمائندہ بھیج کر ہمارے ساتھ تعاون فرمایا۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں

تحریک مجلس خدام الاحمدیہ کے اغراض و مقاصد

تنظیم: "نظام کی پابندی کی عادت نوجوانوں کے اندر پیدا کرو اور اس غرض کو باقی تمام اغراض پر مقدم رکھو۔"

قومی روح: "خدام الاحمدیہ اسبات کو اپنے پروگرام میں خاص طور پر ملحوظ رکھیں کہ قومی اور ملی روح کا پیدا ہونا نہایت ضروری ہے۔"

تربیت: "میری غرض اس مجلس کے قیام سے یہ ہے کہ جو تعلیم ہمارے دلوں میں دفن ہے اسے ہوا نہ لگ جائے بلکہ وہ اسی طرح نسلاً بعد نسلٍ دلوں میں دفن ہوتی چلی جائے۔"

تعلیم: "خدام الاحمدیہ کو تعلیم عام کرنے کی طرف خاص توجہ کرنی چاہیئے۔ اگر وہ یہ کر لیں تو جماعت کے اخلاق بھی بلند ہو سکتے ہیں۔"

وقارِ عمل: "کام کرنے کی عادت پیدا کی جائے دوسرے کسی کام کو ذلیل نہ سمجھا جائے۔ جو شخص کام کرتا ہے وہ عزت کا مستحق ہے اور جو کام نہیں کرتا بلکہ نکما رہتا ہے۔ وہ اپنی قوم اور خاندان کے لئے عار اور ننگ کا موجب ہے۔"

خدمتِ خلق: "جو تبلیغی جماعتیں ہوتی ہیں۔ اُن کے لئے تو یہ بہت ہی ضروری ہوتا ہے۔ کہ وہ ساری قوموں سے حسن سلوک کریں۔ اور کسی کو بھی اپنے دائرہ احسان سے باہر نہ نکالیں۔ . . . . پس خدمتِ خلق کے کاموں میں مذہب و ملت کے امتیاز کے بغیر حصہ لیں۔"

حیدرآباد ڈویژن کا دوسرا سالانہ اجتماع

(از مہر مبارک احمد صاحب تالپور معتمد علاقائی حلقہ حیدرآباد)

ہمارا اجتماع مورخہ ۲۶، ۲۷ اگست ۱۹۶۱ء کو آباد اسٹیٹ میں ہوا۔ اور باوجود شدید اور مسلسل بارش کے ہمارا تعلیمی تربیتی اور ورزشی پروگرام بڑا کامیاب رہا۔ یہ محض خدا تعالےٰ کا فضل ہے۔ تربیتی پروگرام میں تہجد اور دعاؤں پر خاص توجہ دی گئی۔ خصوصاً حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی صحت و درازیٔ عمر کے لئے روزانہ بعد نماز فجر اجتماعی دعا ہوتی رہی۔ معلومات عامہ، دینی معلومات اور تقریری مقابلہ جات میں خدام و اطفال نے بڑی دلچسپی اور شوق کا مظاہرہ کیا۔ یہ پروگرام بہت معلومات افزاء تھے۔

اجتماع کے انتظامات میں محمد آباد اسٹیٹ کے عہدیداران خصوصاً ملک غلام احمد صاحب عطاؔ۔۔ چوہدری صلاح الدین صاحب اور چوہدری غلام احمد صاحب نے بڑی جانفشانی سے کام کرکے خدام کے آرام کا خیال رکھا۔ اسی طرح حلقہ حیدرآباد کے مربی صاحبان نے جس تعاون کا ثبوت دیا ہم ان کے شکر گذار ہیں۔ نیز ناظر صاحب اصلاح و ارشاد چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ کے بھی شکر گذار ہیں۔ جنہوں نے ہماری درخواست پر مربی صاحبان کو اجتماع میں شرکت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

اسی طرح خان فضل الرحمٰن صاحب سول انجنیئر۔ رانا عطاء اللہ صاحب۔ چوہدری برکات احمد صاحب اور چوہدری محمد نور احمد صاحب قائد ضلع تھرپارکر بھی شکریہ کے مستحق ہیں۔ جنہوں نے مصروفیت کے باوجود اجتماع کو کامیاب بنانے میں ساعی فرمائی۔ جزاہم اللہ تعالےٰ خیراً۔

اجتماع کے اختتام پر مقابلہ جات میں اوّل دوم آنے والے خدام و اطفال کو انعامات تقسیم کئے گئے۔۔ شریک ہونے والے خدام کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب تھی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہمیں سلسلہ کا حقیقی خادم بنائے اور سیدنا خلیفۃ المسیح الثانی کو صحت والی عمر عطا فرمائے آمین

غموں کا ایک دن اور چار شادی فسبحان الذی اخزی الاعادی

قارئین خالد یہ مسرت انگیز خبر سن چکے ہوں گے کہ مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۶۱ء کو ۴ بجے صبح اللہ تعالےٰ نے مکرم جناب صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نائب صدر خدام الاحمدیہ مرکزیہ کو بیٹی عطا فرمائی ہے۔ اور اس سے ایک روز قبل سید محمد احمد صاحب (ابن حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب رضی اللہ عنہ) کے ہاں فرزند تولد ہوا ہے۔ نومولود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی پوتی ہے اور نومولود حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا نواسہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر دو کو صحت و عافیت کے ساتھ لمبی عمر بخشے اور ان کا وجود والدین اور سلسلہ احمدیہ کیلئے مبارک کرے۔ ادارہ "خالد" حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور حضرت میاں بشیر احمد صاحب اور خاندان حضرت مسیح موعودؑ اور تمام افراد کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے۔ (ادارہ)

آج کا "خالد"

(مکرم محترم جناب صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نائب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے قلم سے)

"خالد" کے قارئین اس امر سے بخوبی آشنا ہو چکے ہیں کہ خالد کا معیار اب خدا کے فضل سے ماہ بماہ بلند تر ہو رہا ہے۔ شکل و صورت بھی دیدہ زیب اور مضامین بھی معیاری ہیں۔

صدر محترم اس بارے میں گہری دلچسپی لے رہے ہیں اور ادارہ خالد آپ کی ہدایات کے پیش نظر یہ تہیہ کر چکا ہے۔ کہ اس رسالہ کے معیار کو ہر لحاظ سے خدام کے شایان شان بنایا جائے گا۔ چنانچہ مکرم مولوی دوست محمد صاحب شاہد مہتمم اشاعت جو خالد کے مدیر اعلیٰ بھی ہیں اس بارے میں خاص محنت اور توجہ فرما رہے ہیں۔ جس کا نتیجہ نہایت خوشکن ظاہر ہو رہا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

ہم خدام کا فرض ہے کہ اس نیک کام میں ادارہ "خالد" کا ہاتھ بٹائیں۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ کسی رسالہ کی اشاعت بہت حد تک اس کے معیار پر منحصر ہوا کرتی ہے مگر یہ بھی غلط نہیں کہ جب تک اشاعت خاطر خواہ نہ ہو معیار کو ایک حد سے زیادہ بلند نہیں کیا جا سکتا پس :۔

۱۔ اس جاذب نظر رسالے کو خود بھی پڑھئے اور اپنے دوستوں تک بھی پہنچایئے۔

۲۔ عید اور دوسری خوشیوں کے موقعہ پر اپنے احباء اور اقربار کی خدمت میں خالد کا تحفہ پیش کیجئے۔

۳۔ غیر از جماعت دوستوں سے خالد کے ذریعہ احمدیت کا تعارف کروایئے۔

۴۔ خالد کیلئے زیادہ سے زیادہ اشتہار حاصل کر کے مالی وسائل کو حل کرنے میں ادارہ کا ہاتھ بٹایئے۔

امید ہے آپ اس رنگ میں اپنے محبوب رسالہ کی ہر ممکن خدمت کریں گے۔ "خالد" کا معیار بڑھانا ہم سب کا فرض ہے۔ والسلام

آپ کی صحت کو برقرار رکھنے کیلئے

جمال بیکری گول بازار ربوہ کی خاص پیشکش

ہمارے ہاں سے

تازہ و عمدہ کیک۔ پیسٹری۔ کیک رس۔ ڈبل روٹی۔ بند۔ نمکین و شیریں بسکٹ۔ تازہ انڈے و مکھن حسبِ منشاء ہر وقت مل سکتے ہیں

نیز بیاہ شادی اور پارٹیوں کے موقعہ پر آرڈر دینے پر حسبِ پسند و حسبِ خواہش مال تیار کر کے پیش کیا جاتا ہے۔!

پیش کردہ

جمال بیکری گول بازار۔ ربوہ

سید عبدالباسط پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر رسالہ خالد ربوہ ضلع جھنگ سے شائع کیا۔

معلمین کرام

درس و تدریس میں مشغول ہیں

تجوید القرآن

مکرم حافظ محمد رمضان صاحب

قرآن کریم با ترجمہ

مولانا قمرالدین صاحب فاضل

تاریخ احمدیت

مکرم مولانا دوست محمد شاہد

تاریخ اسلام

مکرم مولانا سعید احمد اظہر شاہد فاضل

اسلامی اصول کی فلاسفی

مکرم مولانا محمد احمد جلیل